آخری ثبوت
ایم اے راحت
PDFBOOKSFREE.PK

ایم۔ اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا پہلا کیس ہی شاندار تھا۔ پچیس ہزار روپے کی آمدنی معمولی نہیں تھی۔ سات سات ہزار روپے حصے میں آئے تھے بقیہ چار ہزار میں سے ایک ہزار روپے مضطرب صاحب کی خدمت میں پیش کر دیے گئے تھے اور انہیں شادی مرگ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ غالباً اتنی رقم زندگی میں پہلی بار ان کے ہاتھ آئی تھی۔ کئی دن گھبرائے گھبرائے پھرے تھے۔ چہرے کی رنگت اڑی اڑی رہی تھی' بیمار لگنے لگے تھے۔ ہنسی ہونٹوں سے دور سب نے ان کی یہ کیفیت محسوس کی۔ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس لیے مضطرب صاحب کی اس کیفیت کو پریشانی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ایک دن انہیں طلب کر لیا گیا۔

''مضطرب صاحب' آپ بیمار ہیں؟'' سعدی نے پوچھا۔

''جی نہیں۔ بفضلہٖ' خیریت سے ہوں۔''

''کوئی بات تو ہے۔''

''بخدا کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''کوئی شعر اٹک گیا ہے معدے میں۔''

''نہیں۔ نہیں یقین فرمایئے حضرات۔ بس کچھ یونہی۔''

''کوئی مشکل ہو تو ادارہ بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔ ویسے کوئی بات ہے ضرور۔'' ظفری بولا۔

"آپ لوگ وعدہ کریں کہ میرا مذاق نہیں اڑائیں گے۔" مضطرب صاحب نے گردن جھکا کر کہا۔ اور سب نے مخلصانہ وعدہ کیا۔ تب مضطرب صاحب کہنے لگے۔ "دراصل یہ ایک ہزار روپے جو آپ نے مجھے عنایت کیے ہیں میرے لیے باعث الجھن ہیں۔"

"وہ کیوں؟" شکیلہ نے تعجب سے پوچھا۔

"بس یقین نہیں آتا کہ اس خطیر رقم کا مالک ہوں۔ نیند آنکھوں سے اڑ گئی ہے۔ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں گم نہ ہو جائیں' کوئی چرا نہ لے۔ راستے پر چلتے چونک پڑتا ہوں اور ان کی موجودگی کا اندازہ لگاتا ہوں تب کہیں سکون ہوتا ہے۔ بس عالم خوف میں رہتا ہوں۔"

"آپ نے ان میں سے کیا خرچ کیا ہے اب تک؟"

"خدا کے لیے۔ خدا کے لیے ایسی دلدوز گفتگو نہ فرمایئے۔ مجھے اختلاج قلب ہو سکتا ہے۔ بھلا میں ان میں سے کچھ خرچ کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ ناممکن' قطعی ناممکن۔ میں اس اجتماع زر کو منتشر کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا' زندگی میں پہلی بار میں نے خود کو ایک ایسی رقم کا مالک پایا ہے جو چار ہندسوں پر مشتمل ہے۔ یہ یقین کرنے میں بھی بڑی دشواری پیش آتی ہے بعض اوقات کہ میں اس زر خطیر کا مالک ہوں' بخدا یقین فرمایئے کبھی دو ہندسے بھی یکجا نہیں ہوئے اور اگر چند روز اس مصیبت کا شکار رہا ہوں تو اس طرح کہ تین تین دن فاقے کیے ہیں اور جب فاقہ کشی سے اعضاء کسی قابل نہیں رہتے تھے تو پھر یہ اجتماع توڑنا پڑتا تھا لیکن بحالت مجبوری' سو اس وقت تو چار چار ہندسوں کی بات ہے' جس کا تنہا مالک میں ہوں' صرف میں۔"

مضطرب صاب کے چہرے پر اضطراب لرزاں تھا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ حیرت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"بڑی دل چسپ کہانی ہے آپ کی مضطرب صاحب۔"

"آپ کے لیے' میرے لیے نہیں۔" مضطرب صاحب اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔ اور شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھر وہ اپنے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"گویا زندگی میں آپ نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے عوض آپ کو بھرپور رقم مل سکتی۔ کیا یہ آپ کی پہلی ملازمت ہے؟"

"جی نہیں نوکریاں تو بہت ہیں لیکن حالات نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی کہ مالکان سے پوری تنخواہ وصول کرتا' بس کچھ نہ کچھ روزانہ لے لیا کرتا تھا اور وہ اتنا ہی ہوتا تھا کہ پیٹ بھر جائے یا دوسری کوئی ضرورت پوری ہو جائے' لباس کبھی زندگی میں نہیں سلوایا۔ کسی نے دے دیا سو پہن لیا' جو مل گیا اسی میں گزارا کر لیا۔ بس اپنی تو زندگی اس شعر و شاعری کی نذر ہو گئی۔ کوئی کام کر ہی نہ سکے۔ تنہائیوں میں ہمیشہ اس کا وصال رہا اور کسی دوسری ضرورت کو کبھی محسوس نہ کیا' یوں گزری ہے مضطرب دیوانے کی۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا۔

"اہل خاندان میں کبھی کوئی تھا۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہوگا' کبھی اس پر غور ہی نہ کیا' اپنا خاندان تو الفاظ کی بندشوں میں پوشیدہ ہے جسے جی چاہا پکار لیا اور چند باتیں رہیں۔" مضطرب صاب نے جواب دیا۔

"واہ واہ سبحان اللہ' دراصل مضطرب صاحب خوب ہیں آپ بھی۔ مگر یہ مشکل تو واقعی بہت بڑی مشکل ہے' آپ کے لیے بلاشبہ بہت بڑی پریشانی پیدا ہو گی۔ لیکن ہم لوگ نہیں چاہتے کہ آپ کی اس شرافت اور نیک دلی سے ہم کوئی ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ مضطرب صاحب آپ اس دفتر میں ایک خاص حیثیت کے مالک ہیں' ہمارے ساتھیوں میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ یہ تو ہوتا رہے گا۔ جو کچھ کمائیں گے اس میں سے تھوڑا سا حصہ آپ کا بھی ہوگا اور یہ چار کا ہندسہ بڑھ کر پانچ اور چھ تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت آپ کی کیا کیفیت ہوگی؟"

"کیفیت؟" "بس یوں ہوگا کہ آپ ہندسوں کو ہماری قبر پر جمع کر دیں اور جس قدر خوبصورت بنوا سکتے ہوں بنوا دیں۔ اشعار کے دیوان اس پر کندہ کرا دیں ورنہ باقی سب کچھ تو ہم سے برداشت نہ ہوگا۔"

"کیا یہ بھی ممکن نہیں ہے مضطرب صاحب کہ آپ یہ رقم کسی پر خرچ کردیں؟"

"بخدا ایسی خوف ناک باتیں نہ کیجئے۔ حرکت قلب پہلے سے مضمحل ہے۔ اب کہیں بند نہ ہو جائے۔ اور آپ کو بھی نیا آدمی تلاش کرنا پڑے گا۔"

"ہوں! تو گویا یہ رقم آپ کسی کو دینا بھی نہیں چاہتے؟"

"کیسے دے دیں' پہلی بار تو یہ سنہرا دھوکا کھایا ہے ہم نے ہم اس میں مگن رہنا چاہتے ہیں۔"

"مگر آپ کی کیفیت تو بے حد خراب ہے' مضطرب صاحب' اس کا کیا کیا جائے۔"

"آپ اگر اس کا کوئی حل بتا سکیں گے تو بڑی عنایت ہوگی ہم پر مضطرب صاحب بولے۔

"تعجب کی بات ہے مضطرب صاحب آپ نے اتنے انوکھے حالات میں زندگی گزاری ہے۔ جس پر ہمیں افسوس بھی ہے اور حیرت بھی۔"

"زندگی۔" مضطرب صاحب مسکرائے۔ "زندگی تو صاحب گوناگوں واقعات سے عبارت ہے۔ ہم ایک دل چسپ واقعہ سنائیں آپ کو۔ بیمار تھے ہم۔ ضعف شکم کی شکایت تھی' ضروریات زندگی میں خلل واقع ہو گیا تھا اور طبیعت پر بڑا اضمحلال طاری تھا' ایک خیراتی شفاخانے کے ڈاکٹر سے رجوع کیا' فرمانے لگے' حضرت مضطرب کیا شکایت ہے۔ عرض کیا' حضور پیٹ کی حالت ٹھیک نہیں ہے چار چار دن ہو جاتے ہیں حوائج ضروری کے تعطل میں۔' ڈاکٹر صاحب نے دوا عنایت فرمائی اور بولے' کل تشریف لائیے۔ لیکن صورت حال ہنوز دوسرے دن گئے' دوا اور تیز کر کے عنایت کی' لیکن افاقہ نہ ہوا۔ تین روز تک یہی کیفیت رہی تو چوتھے دن ڈاکٹر صاحب نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"محترم بڑی عجیب بات ہے اب تک تو آپ کو افاقہ ہو جانا چاہئیے تھا' ہاں ذرا یہ تو

فرمائیے کہ آپ کا شغل کیا ہے۔ میرا مطلب ہے پیشہ کیا ہے۔ کیا کرتے ہیں آپ؟"

"شاعری۔" ہم نے جواب دیا تو ڈاکٹر صاحب سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ چند ساعت اس طرح بیٹھے رہے پھر اپنی جیب سے دو روپے نکال کر عنایت فرمائے اور پھر بولے۔

"جائیے قبلہ پہلے کچھ کھائیے' پھر دوا استعمال کیجئے۔ جائیے جائیے۔ فائدہ ہوگا۔ آپ کو۔" اور درحقیقت ان کا فرمانا درست تھا۔ تو یوں گزری ہے صاحبان ان حالات میں ہماری جو کیفیت ہے وہ قدرتی ہی ہے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ اور سعدی' ظفری اور شکیلہ کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔

"یہ مضطرب صاحب بھی پائے کی چیز ہیں۔" شکیلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

لیکن ان کی یہ کیفیت ان تینوں کو گوارہ نہ تھی۔ مضطرب صاحب بہر صورت ایک اچھے ساتھی تھے۔ ان سے خوب گھل مل گئے تھے' چنانچہ ظفری نے کہا۔

"یوں کرتے ہیں مضطرب صاحب کہ یہ رقم بینک میں جمع کرا دیتے ہیں۔ آپ کا اکاؤنٹ کھلوا کر۔ آپ بینک کی چیک بک اپنے پاس رکھ لیں' جب بھی دل گھبرائے اسے دیکھ لیا کریں' بینک میں تو رقم ہر طرح سے محفوظ رہتی ہے' اگر کوئی ضرورت ہو تو اس میں سے کچھ نکال لیں۔ بلکہ یوں کریں کہ آئندہ آپ کو یہاں سے جو کچھ ملے' اسے بینک میں جمع کرتے رہیں۔ میرا خیال ہے یہ نسخہ بھی تیر بہدف ہوگا آپ کے لیے' کبھی اگر کچھ خرچ کرنے کا دل چاہے تو خرچ کر لیں' ورنہ نوٹوں کے ڈھیر پر تشریف فرما رہیں۔"

"ایں۔" مضطرب صاحب کو یہ تجویز شاید پسند آئی تھی' ان کے چہرے پر بحالی نظر آنے لگی پھر وہ خوش ہو کر بولے۔ "اگر آپ یہ کام کرا دیں تو تا زندگی ممنون کرم رہوں گا۔"

"ضرور' ضرور ہو جائے گا۔ آج ہی ہو جائے گا۔" سعدی نے کہا۔ اور اس کے بعد وہ تینوں دیر تک ہنستے رہے۔

''اللہ اللہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں اس دنیا میں۔ واقعی مضطرب صاب اپنی مثال آپ ہیں۔ ظفری گہری سانس لے کر بولا۔ شکیلہ بار بار قہقہے لگانے لگی تھی۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی پہلی آمدنی ہی بھر پور تھی۔ اگر اس ماہ انہیں اور کوئی کیس نہ ملتا تو انہیں پروا نہیں تھی' لیکن تینوں اس ادارے کو چلانے کے لیے سنجیدگی سے خواہاں تھے' اس لیے اصول متعین کر لیے گئے تھے۔ دفتر بڑی باقاعدگی سے کھلتا تھا اور تینوں مالکان روزانہ اس میں بیٹھتے تھے۔ کئی دن گزر چکے تھے' کسی نے اس جانب رخ نہیں کیا تھا۔ اشتہار کی مد میں جو رقم رکھی گئی تھی' اس کا استعمال بھی نہایت محتاط انداز میں ہو رہا تھا۔ پھر ظفری نے تجویز پیش کی کہ دفتر کے لیے کوئی کنوینس ہونا چاہیے۔ اس نے اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی ہم لوگ ابتدائی مراحل میں ہیں' یقینی طور پر کچھ روز کے بعد ہماری مصروفیات بڑھیں گی' ممکن ہے ہمیں اسٹاف بھی بڑھانا پڑے۔ چنانچہ بعض معاملات میں فوری طور پر سواری درکار ہوتی ہے' اس کا کوئی بہتر حل ہونا چاہیے۔''

''کیا ہو سکتا ہے؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''فی الحال ایک موٹر سائیکل جو مشترک ہوگی' یعنی جسے ضرورت پیش آئے وہ استعمال کرے۔ ہم لوگ اس میں تھوڑی تھوڑی سی رقم ملا دیتے ہیں اس طرح موٹر سائیکل مل جائے گی۔''

''تھوڑی تھوڑی رقم سے کیا ہوگا' موٹر سائیکل کی قیمت اتنی کم تو نہیں ہوتی۔'' شکیلہ پر خیال لہجے میں بولی۔

''پہلے یہ بتائیے آپ اس ضرورت سے متفق ہیں؟''

''ہاں۔'' شکیلہ نے جواب دیا۔

''تو پھر ضروری نہیں ہے کہ کوئی نئی موٹر سائیکل خریدی جائے۔ پرانی موٹر سائیکلوں کے اشتہارات روزانہ ہی اخبارات میں نظر آتے ہیں کیوں نہ انہی میں سے کسی کو دیکھ بھال کر سودا کر لیا

جائے۔''

یہ بھی طے ہو گیا اور ان چاروں افراد میں موٹر سائیکل پانچویں ساتھی کی حیثیت اختیار کر گئی' ہر چند کہ وہ شکیلہ کے استعمال میں نہیں آتی تھی' لیکن شکیلہ نے اپنے حصے کی رقم ادا کر دی تھی' کیونکہ اس کا تعلق دفتر سے تھا۔

دفتر کی طرف سے تو ابھی یہ سب مطمئن تھے' کیونکہ جناب زاہد کی نگاہیں ابھی تک شکیلہ کو دیکھ کر نشیلی ہو جاتی تھیں۔ ویسے ان دنوں وہ باہر گئے ہوئے تھے اور باہر جاتے ہوئے اس کی اطلاع دے گئے تھے اس لیے شکیلہ کو رومانی جملے یاد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی' ویسے اس نے اس دفتر کو قائم ودائم رکھنے کے لیے کچھ ایسی کتابیں خرید لی تھیں جو رومانی تھیں اور جن میں وقت بے وقت استعمال کے لیے رومانی جملے کافی تعداد میں تھے۔ اس نے ان میں سے کئی جملوں کا انتخاب کر لیا تھا۔ جو اس نے جناب زاہد کے سامنے دہرائے تھے۔ ویسے ان کتابوں کی قیمت بھی دفتر کے حساب میں جمع کر لی گئی تھی' کیونکہ دفتر کو بہر صورت برقرار رکھنے کے لیے شکیلہ کا ایکسٹرا رول تھا جسے وہ خوش دلی سے انجام دے رہی تھی۔

زاہد صاحب کو ابھی تک اس سلسلے میں کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوا تھا۔ اپنی دانست میں وہ مس شکیلہ کے حق دار تھے اور آہستہ آہستہ محبت کی بلندیوں کی طرف قدم بڑھا رہے تھے' انہیں کسی بھی قسم کا ذرا بھی تردد نہیں تھا کہ ان کے اس پیار میں کوئی رخنہ انداز ہو سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ شاید وہ زندگی بھر مسز تنویر سے شکیلہ کے حصول کی درخواست نہیں کر سکتے تھے۔ درخواست تو کجا خواہش کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ان کے دو نوجوان بزرگ موجود تھے جو ان کی اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ان کے مددگار معاون ثابت ہو سکتے تھے اور انہیں اپنے ان بزرگوں پر یعنی سعدی اور ظفری پر یہ اعتماد تھا کہ وہ ان کی ضرورت سے منحرف نہیں ہوں گے۔ یہ اعتماد قائم کرنے کے لیے سعدی اور ظفری کو خاصے پاپڑ بیلنا پڑے تھے۔

زاہد ہر چند کہ انہی کے ہم عمر تھے لیکن یہ دونوں اس طرح محبت پیار سے ان سے پیش آتے تھے جیسے والد کی حدود سے نکل کر دادا جان کی حدود میں داخل ہو گئے ہوں اور زاہد صاحب ان کی یہ برتری بخوشی قبول کرتے تھے' ممکن ہے اس طرح انہیں اپنے چھوٹے ہونے کا احساس ہوتا ہو اور بچپن کا احساس بہر حال دل خوش کن ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اظہار بزرگی کے بعد ان دونوں کو قبض دور کرنے کی گولیاں کھانی پڑتی تھیں' کیونکہ قہقہے گونجنے سے معدے میں کافی گڑبڑ ہو جاتی تھی۔

بہر حال اچھی گزرنے لگی تھی۔ دوسری جانب حضرت مطلق تھے۔ سادہ دل اور نیک فطرت۔ ہر طرح سے ان لوگوں کا خیال رکھتے تھے۔ ان کی دانست میں تینوں بچوں نے ان کی زندگی میں ایک نیا پن پیدا کر دیا تھا۔ بیگم صاحبہ انہیں اپنی اولاد کی مانند سمجھتی تھیں۔ کھانے پینے کا مسئلہ ابھی تک مطلق صاحب ہی کے سر تھا۔ یہ تینوں ہی ذرا بے چین تھے۔ تینوں کا خیال تھا کہ مطلق صاحب کی سادہ دلی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ وہ کسی طور رقم قبول نہیں کریں گے کوئی نہ کوئی ترکیب ایسی ضرور ہونی چاہیے جو اپنا کھانے پینے کا بوجھ ان پر سے ہٹا لیا جائے۔ طے ہوا تھا کہ جب کوئی بڑی رقم ان کے ہاتھ میں آئے گی تو وہ مطلق صاحب یا بیگم صاحبہ کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور خریدیں گے' حالانکہ یہ تحائف قبول کرنے میں بھی انہیں خاصا تردد ہوتا تھا۔ کیونکہ ایک دفعہ بیگم صاحبہ کو ایک شادی میں شرکت کرنے کے لیے شال کی ضرورت تھی جس کا تذکرہ انہوں نے مطلق صاحب سے کیا۔ مطلق صاحب نے گردن کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں شال لا دوں گا' مگر ایسی جلدی بھی کیا ہے' پہلی تاریخ کا تو انتظار کر لو۔"

"لو یہ پہلی تاریخ کو مجھے کیا کرنا ہے' شادی تو ہو بھی جائے گی۔ اس وقت تک' ستائیس تاریخ ہے شادی کی۔ اور پہلی تین دن کے بعد آئے گی۔ یعنی چوتھے دن۔"

مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ کی یہ گفتگو ان تینوں نے سن لی تھی' تب ظفری نے ایک

بیحد نفیس شال خرید کر بیگم صاحبہ کی خدمت میں پیش کی' مطلق صاحب بھی موجود تھے۔ بیگم صاحبہ شال دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ لیکن مطلق صاحب کا چہرہ اتر گیا تھا۔ انہوں نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

"گویا۔ گویا تم لوگوں نے ہماری گفتگو سن لی؟"

"جی ہاں سن بھی لی اور افسوس بھی ہوا۔"

"ایں۔" مطلق صاحب چونک پڑے۔

"جی ہاں۔" ظفری نے سنجیدگی سے کہا۔

"کک کیوں میاں۔"

"یوں لگتا ہے مطلق صاحب' جیسے آپ اب ہم سے اکتا گئے ہوں۔" ظفری نے سنجیدہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

"ارے ارے کیا حماقت کی گفتگو کرنے لگے۔ یہ کیسے لگا میاں تمہیں۔" مطلق صاحب بے چین ہو کر بولے۔

"ذرا غور فرمائیں مطلق صاحب ہمارے دلوں میں آپ کا کیا مقام ہے اور آپ ہمیں اتنی غیریت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

"میاں گھاس کھا گئے ہو کیا۔ آنکھیں پھوٹ جائیں میری جو کبھی میرے دل میں غیریت کا تصور بھی آیا ہو۔"

"تو پھر گھر کی چھوٹی موٹی ضروریات ہم سے کیوں پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔ ہم آپ کو اپنا دوست' اپنا بزرگ' اپنا سرپرست' اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں اور آپ جیسا کہ آپ نے فرمایا آپ ہمیں اپنے بیٹوں کی جگہ دیتے ہیں تو پھر ماں باپ اور بیٹوں کے درمیان یہ تکلف کیسا مطلق صاحب' کیا چھوٹی موٹی باتیں ہم سے نہیں کہی جا سکتیں' کیا ہم اس قابل نہیں ہیں۔"

"ارے بھئی ضرورت ہو تو کبھی بھی جائیں۔ ہمارا کون سا بڑا کنبہ ہے جو ہم مصائب یا مسائل کا شکار ہوں‘ کبھی کبھی چھوٹی موٹی باتیں ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ شال کی بات تم نے سن لی ہے تو درحقیقت اتفاق سے اس بار میں نے پیسے پرائز بانڈ خریدنے پر خرچ کر دیے تھے۔ ورنہ یہ کوئی مشکل تو نہیں تھا۔" مطلق صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن ہم سے بھی کہا جاسکتا تھا کہ جاؤ ظفری یا جاؤ سعدی ایک شال خرید کر لاؤ بیگم صاحبہ کو ضرورت ہے۔"

"اچھا اچھا تم لوگ شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں شرمندہ ورمندہ نہیں ہوتا‘ لے آئے بہت اچھا کیا‘ نہ لاتے تو اور بھی اچھا ہوتا۔"

"وہ کیوں؟" سعدی نے پوچھا۔

"میاں ابھی تو خود طالب علم ہو۔ طالب علمی کی زندگی ویسے بھی پریشان کن ہوتی ہے اور پھر تمہارے وسائل تو خود بھی محدود ہیں اس لیے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

"جی نہیں حضرت‘ دراصل ہم ان نوجوانوں میں سے نہیں ہیں۔ طالب علمی کی آڑ لے کر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حصول تعلیم کے لیے تو شدید جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس جدوجہد کا بار والدین کے ہی شانوں پر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے تمام مسائل کا بوجھ آپ نے اٹھا رکھا ہے تو اس کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں‘ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ہم نے اپنا ایک چھوٹا سا کاروبار شروع کیا ہے۔"

"ہاں اس کا تذکرہ تم پہلے بھی کر رہے تھے۔ مگر اس کاروبار کی وجہ سے کہیں تمہاری تعلیم میں خلل واقع نہ ہو۔"

"نہیں مطلق صاب ہرگز نہیں‘ آپ یقین فرمایئے سارے معاملات بخوبی چل رہے ہیں اور ہمیں یہ چھوٹا سا کاروبار کچھ آمدنی بھی دینے لگا ہے۔"

"تب تو مسرت کی بات ہے‘ بہرصورت شال کے مسئلے کو بڑا مسئلہ نہ بناؤ۔ بہت اچھا کیا جو تم لے آئے ہو۔ کیوں بیگم کیسی ہے؟"

"بہت خوبصورت۔" بیگم صاحبہ نے خوش ہو کر کہا۔ وہ محبت بھری نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"میاں یہ سب کچھ ہے تو پھر ہماری بھی ایک فرمائش پوری کر دو۔" مطلق صاحب بولے۔ "ایک مشاعرہ ہو جائے تم لوگوں کی طرف سے۔"

"مشاعرہ۔" بیگم صاحبہ ناک چڑھا کر بولیں۔ "یہ خوب رہی۔ دیکھا کہ مجھے شال مل گئی ہے تو سوچا خود بھی کچھ نہ کچھ حاصل کریں۔ چھوڑو میاں رہنے دو مشاعرہ وشاعرہ کوئی ڈھنگ کی بات کہی ہوتی تو اس پر توجہ بھی دی جاتی۔" بیگم صاحبہ نے مداخلت کی اور مطلق صاحب کا منہ بن گیا۔

"وہی بے ہودہ گفتگو وہی فضول باتیں‘ میں کہتا ہوں تم زندگی میں کبھی سدھر بھی سکتی ہو؟"

"ارے ہاں ہاں سدھر گئی ہوں۔ اچھی طرح سدھر گئی ہوں‘ بے احمقانہ باتوں سے پرہیز کرو‘ مشاعرہ ہونا ہے‘ ہو جائے‘ چادر بچھاؤ۔ موم بتی رکھو اور بھونکتے رہو رات بھر‘ اس میں اور کیا ہوتا ہے۔"

"جی نہیں یہی تو آپ نہیں سمجھتیں۔" مطلق صاحب گردن جھٹکا کر بولے۔

"تو آپ سمجھا دیں نا۔" بیگم صاحبہ بھی انہی کے انداز میں بولیں۔

"بھئی کھانے پکیں گے عمدہ عمدہ سے۔ ضیافت ہوگی شعرا کی اور اس کے بعد رات کو محفل شعر سجے گی۔"

"شعراء کی؟"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔"

"تو گویا اور بھی آئیں گے؟" بیگم صاحبہ چہک کر بولیں۔

"نہیں، ابھی اس قابل تو نہیں ہوئے ہم۔ شعراء میں ہم ہوں گے۔ پہلے ایک غزل پڑھیں گے پھر دوسری، پھر تیسری۔ اور سامعین میں آپ سب لوگ۔"

"جی نہیں رات کو جاگنے سے مجھے نزلہ ہو جاتا ہے۔" بیگم صاحبہ ناک چڑھا کر بولیں۔

"تو آپ مت جائیے خواہ مخواہ آپ کی شڑپ شڑپ ذہنوں کو مکدر کرے گی۔ مطلق صاحب نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اور شکیلہ ہنس پڑی سعدی نے جلدی سے کہا۔

"مطلق صاحب اس جمعرات کو مشاعرہ طے۔ شکیلہ بیگم آپ فہرست بنا لیجیے۔ صبح سے انتظامات ہوں گے۔ کھانا وغیرہ آپ ہی پکائیں گی اور رات کو مشاعرہ ہوگا۔" مطلق صاحب کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے کھانا پکانے کی ذمہ داری میں قبول کرتی ہوں۔"

"بی بی ذرا کھانا پکانے کے سلسلے میں کچھ مشورہ کر لینا۔ میرا مطلب ہے کہ جمعرات کو کہیں میں اس خلجان میں نہ رہوں کہ نجانے تم نے کیا پکایا ہوگا۔" مطلق صاحب بولے۔

"خدا کی مار تم پر، کھانے کے لیے تو مرے ہی جاتے ہو اارے جو پکانا ہوگا پکا لے گی۔ مت بتانا شکیلہ تو انہیں۔ دن بھر دفتر میں الٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہیں گے۔ کئی بار اس چکر میں غلطیاں کر بیٹھتے ہیں، بعد میں اس کا بھگتان بھگتنا پڑتا ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور مطلق صاحب دانت نکوس کر انہیں دیکھنے لگے۔

"ہر بات میں اختلاف، ہر بات میں اختلاف، ٹھیک ہے بھئی مت بتانا مجھے۔ میں تو ہوں ہی بیوقوف۔" مطلق صاحب نے کہا اور قہقہے ابل پڑے۔

جمعرات آئی تو شکیلہ نے صبح ہی سے تیاریاں شروع کر دیں۔ مضطرب صاحب کو دفتر

سے گھر بھیج دیا گیا تھا تاکہ وہ شکیلہ کے ساتھ مصروف رہیں۔ تمام سامان لانے کی ذمہ داری مضطرب صاحب پر تھی۔ اور شکیلہ کی ہدایت کے مطابق وہ عمل کر رہے تھے۔ بیگم صاحبہ بھی کچن میں شکیلہ کے ساتھ تھیں اور اتنی ساری چیزیں دیکھ کر بار بار اسے ٹوک رہی تھیں۔

"اے بی بی، میں کہتی ہوں اتنے پیسے ضائع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ نہ مطلق صاحب تو زندگی بھر کھاتے پیتے اور اینٹھتے ہی رہے ہیں، ان کے لیے اتنی پریشان نہ ہوا کرو تم۔"

"پھوپھی جان دیکھیے اس دنیا میں ہمارا آپ کے علاوہ ہے ہی کون۔ آپ لوگوں کی محبت نے ہمیں زندگی سے روشناس کرایا ہے۔ ہمارا یہ چھوٹا سا گھر ہمارے لیے خوشیوں کا باعث ہے۔ کون سا ایسا کام ہوتا ہے جو ہم آپ کے لیے کر سکتے ہیں۔ پھوپھا جان کو اگر یہ چھوٹی سی خوشی پسند ہے تو یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس قسم کے پروگرام بناتے رہیں۔ آپ مطمئن رہیں، ہمیں اس میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ بس میں تو تم سے یہ کہتی ہوں کہ اگر ایک بار تم نے یہ سب کچھ کر لیا تو پھر بار بار تم سے یہ فرمائشیں ہوتی رہیں گی۔ میں تو کہتی ہوں کہ کوئی ڈش اچھی نہ بناؤ۔ ورنہ انہیں تو بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔" شکیلہ ہنس پڑی۔

"مجھے تو خیر پھوپھی جان کوئی چیز اچھی پکانا ہی نہیں آتی۔ آپ ہدایات دیتی رہیں، ویسے مجھے مسرت ہوگی اگر پھوپھا جان کو میرے ہاتھ کی پکائی ہوئی کوئی چیز پسند آ جائے۔"

"بہرصورت شکیلہ مصروف رہی، ظفری اور سعدی بھی جلدی واپس آ گئے تھے، پھر مطلق صاحب بھی پہنچ گئے بے حد خوش تھے۔ باورچی خانے کی طرف رخ کیا تو بیگم صاحبہ دور ہی سے چیخیں۔

"خبردار۔ خبردار اس طرف نہیں آنا ورنہ تم مچل جاؤ گے۔"

"بھئی باورچی خانے کے علاقے سے گزر تو سکتے ہیں نا۔ ہم تو خوشبوئیں سونگھ کر

اندازہ لگالیں گے کہ کیا پکا ہے؟''

''جو کچھ بھی پکا ہے دستر خوان پر ہی ملے گا۔'' بیگم صاحبہ سختی سے بولیں۔

''بھئی شکیلہ بیٹی تم ہی ہمیں آواز دے لو۔'' مطلق صاحب بولے اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''پھوپھا جان کیا عرض کروں' میں بھی یہاں بے بس ہوں۔''

''ہاں یقیناً تم بے بس ہوگی۔ مجھے یقین ہے اس بات کا۔ یہ ہیں ہی اتنی خوف ناک۔ مطلق صاحب بے بسی سے بولے۔ اور بیگم صاحبہ نے کڑی تیوریوں سے انہیں گھورا۔ مطلق صاحب کو جاتے ہی بن پڑی تھی۔ ان کے ساتھ ساتھ ظفری' سعدی اور مضطرب بھی دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ تب مطلق صاحب نے مضطرب صاحب کو دیکھا اور بولے۔

''ہاں بھئی مضطرب صاحب آپ کی مصروفیات تو ختم ہوگئی ہوں گی۔ آج کے اس مشاعرے میں آپ کی اور ہماری ہی چوٹ تو رہے گی' کوئی تازہ غزل کہی آپ نے۔''

''جی ہاں قبلہ' بھلا یہ ممکن تھا کہ محفل شعر ہو' شعراء ہوں اور مضطرب نہ ہو' بڑی کاوشیں کی ہیں۔ قبلہ بڑی کاوشیں کی ہیں قبلہ بڑی ہی کاوشیں کی ہیں اس نئی غزل کی تیاری میں۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

''تو حضرت پھر ہم بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔ آیئے کچھ گفتگو ہو جائے۔'' مطلق صاحب نے کہا۔

''ابھی نہیں حضرت' شکم پری کے بعد ذہن کی رفتار تیز ہو جاتی ہے ورنہ وہی مسئلہ آجائے گا جو میں ان حضرات سے عرض کر چکا ہوں۔ یعنی دوروپے لے کر کچھ کہنے کا۔'' مضطرب صاحب نے کہا اور ظفری اور سعدی ہنس پڑے۔ بہرصورت وقت گزرتا گیا' مطلق صاحب نہایت بے چین تھے۔ دستر خوان لگا تو مطلق صاحب فرط مسرت سے جھومنے لگے تھے۔

''سبحان اللہ۔ سبحان اللہ یا تو اس وقت ایسا دستر خوان لگا تھا جب محمد شاہ رنگیلا نے نادر

شاہ درانی کی دعوت کی تھی یا پھر وہ دستر خوان آج سجا ہے۔ بحمد اللہ اتنے برتن دیکھ کر ہی انسان کا دل فرط مسرت سے جھومنے لگتا ہے' بس اب انتظار نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ بسم اللہ' مطلق صاحب جلدی سے دستر خوان پر بیٹھ گئے اور قابیں کھول کر دیکھنے لگے۔

''بھئی شکیلہ! اور تو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ پر ہم نے تمہارا شجرہ نسب پہچان لیا۔ یقیناً تمہارے اجداد مغلیہ دور سے کوئی تعلق رکھتے ہوں گے یا کم از کم شاہان دہلی میں ضرور ان کا شمار ہوگا۔ ان کھانوں کی یہ خوشبوئیں بتا رہی ہیں کہ کسی فنکار کا ہاتھ لگا ہے اس میں!''

''جی پھوپھا جان!۔ اور وہ فن کار ہماری پھوپھی جان ہیں۔''

''ایں۔'' مطلق صاحب چونک کر بولے اور پھر گردن ہلا کر کہنے لگے۔ ''بی بی شکیلہ چند چیزوں میں تو مان لیتے ہیں' لیکن باقی چیزیں۔ بھئی اب انکساری بھی ایک حد تک مناسب ہوتی ہے' کیوں بیگم آپ اس بات کی تردید نہیں کریں گی؟''

''کھانا کھایئے کھانا۔ تردید و تائید بعد میں ہوتی رہے گی۔'' بیگم صاحبہ نے گردن جھٹک کر کہا۔ اور مطلق صاحب خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ مضطرب صاحب بھی شریک دستر خوان تھے۔ شروع شروع میں انہوں نے تھوڑا سا احتراز کیا تھا' لیکن سعدی نے انہیں ڈانٹ دیا تھا۔ تب سے وہ سب کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ یوں دستر خوان پر ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہیں' کھانے کے بعد یہ ہنگامہ آرائیاں اس کمرے میں منتقل ہو گئیں جسے مشاعرہ گاہ کے طور پر سجایا گیا تھا۔

شکیلہ نے یہاں بھی نفاست برتی تھی۔ مطلق صاحب اور ان کی اہلیہ ان لوگوں کو اس قدر پسند تھے اور یہ ان سے درحقیقت اتنے مخلص ہو گئے تھے کہ ان کی خوشی انہیں اپنی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ مشاعرہ گاہ میں تازہ پھولوں کے گلدستے موجود تھے۔ اور شاید وہاں کی فضا کو ایئر فریشر سے معطر کیا گیا تھا۔ مطلق صاحب جھوم اٹھے۔ مضطرب صاحب بھی شاعرانہ ذوق کا اظہار فرمانے

لگے تھے۔ یوں مطلق و مضطرب کے لیے یہ جگہ بڑی دل کش تھی۔ بیگم صاحبہ بھی بس اخلاقاً بیٹھی تھیں لیکن آج کے شاعر کو اس ماحول کو نظر لگ گئی۔

شمع محفل حضرت مطلق صاحب کے سامنے آئی اور مطلق صاحب نے عنانِ شعر سنبھال لی۔ انہوں نے محفل مشاعرہ کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"بارگاہ سخن کے حاضرین کی خدمت میں آداب۔ ایک غزل پیش خدمت ہے، مطلع ملاحظہ فرمایئے۔

"نگاہوں سے نہاں ہو کر عیاں کچھ اور ہوتا ہے
جو دوری ہو تو وہ نزدیک جاں کچھ اور ہوتا ہے۔"

مطلق صاحب نے شعر کہا۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ واہ واہ کرنے لگے لیکن مضطرب صاحب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ مطلق صاحب نے فاتحانہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا اور پھر مسکرا کر بولے۔

"کیسا ہے مضطرب صاحب؟"

"جی۔ مضطرب مردہ سے لہجے میں بولے۔ پھر کہنے لگے۔" حضرت اس غزل کا دوسرا شعر مجھ سے سماعت فرمایئے۔

یہ مانا اس کی ہستی پر گماں کچھ اور ہوتا ہے
مگر آوارہ کوئے بتاں کچھ اور ہوتا ہے

"کک کیا بکواس ہے۔" مطلق صاحب کا چہرہ اتر گیا۔

"حضرت بکواس نہ ہماری ہے نہ آپ کی۔ جس کی ہے آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی۔"

"مم۔ میں۔ کہتا ہوں کیا لغویت ہے۔ آپ محفل شعر و سخن میں تشریف فرما ہیں یہ کیا

عامیانہ گفتگو شروع کر دی۔"

"بدنصیبی ہے مطلق صاحب، قبلہ دراصل یہ غزل میں نے بڑی مشکل سے کہی تھی، خیال تھا کہ آج کے مشاعرے میں اسے پیش کروں گا لیکن اب اسے کیا کہا جائے کہ یہ آپ نے فرما دی۔" مضطرب صاحب بے چارگی سے بولے۔

"میاں، دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔ ہیں۔ اپنی اوقات پہچانو کیا فضول باتیں لے بیٹھے۔"

"یعنی یعنی؟" مضطرب صاحب بولے۔

"میری غزل کو اپنی غزل بتا رہے ہو، شرم کرو محفل شعر و سخن کی ہو تو ایسی چھچھوری باتیں اچھی نہیں لگتیں۔" مطلق صاحب بگڑ کر بولے۔

"اور اگر حضور میں کہوں کہ یہ میری غزل ہے اور آپ نے کہہ ڈالی ہے تو اس پر آپ کو اعتراض ہوگا۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"میں کہتا ہوں مضطرب صاحب ذرا ہوش میں آیئے۔ آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"دیکھیے قبلہ یہاں کوئی حدود مقرر نہیں ہیں۔ یہ تو محفل شعر ہے۔ یہاں سب برابر حیثیت رکھتے ہیں۔ تیسرا شعر ملاحظہ فرمایئے۔

جو اک پردہ اٹھا تو سینکڑوں پردے ہوئے حائل"

"بکواس مت کیجیے مصرع ثانی یوں ہے۔

نشاں ملنے پہ کوئی بے نشاں کچھ اور ہوتا ہے۔"

مطلق صاحب گرجے۔ مضطرب صاحب بولے۔

"نہ شورش ہے نہ ہنگامہ نہ کوئی شعر مستانہ"

مطلق صاحب دھاڑے۔

"ہمیں اے زندگی تجھ پر گماں کچھ اور ہوتا ہے۔"

دونوں شاعروں میں زبردست معرکہ آرائی ہو رہی تھی۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ اور بیگم صاحبہ متحیرانہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے چہرے سرخ تھے اور وہ ایک دوسرے سے لڑنے مرنے پر آمادہ تھے۔

"نظر کو جستجوئے کیف و نظارہ ہیچ لیکن۔"

"بالکل نہیں' بالکل نہیں مصرعۂ ثانی تم نہیں سنا سکتے۔ فٹ کرو۔ فٹ کرو اپنا تخلص اس میں جانوں۔" مطلق صاحب بولے۔

"تخلص تو آپ کا بھی فٹ نہیں ہوتا مطلق صاحب کم از کم کوئی ایسی غزل چرائی ہوتی جس میں تخلص تو فٹ بیٹھ جاتا۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"میاں تم سمجھتے کیا ہو خود کو' چور کہہ رہے ہو۔ ہمیں دو ٹکے کے آدمی' بے اوقات کہیں کے نکل جاؤ یہاں سے' خبردار اب اگر ادھر کا رخ کیا۔"

"جا رہا ہوں۔ مطلق صاحب' جا رہا ہوں۔ بس عہدے کا فرق ہے' ورنہ غزل کا مسئلہ نہیں ہے۔"

"تلاشی دو اپنی تلاشی' ایسے کیسے جا سکو گے۔" مطلق صاحب غرا کر بولے۔

"کیسی تلاشی؟ کیا چرایا ہے میں نے آپ کا؟"

"غزل اور کیا۔"

"غزل صرف میں نے نہیں چرائی ہے بلکہ آپ نے بھی چرائی ہے۔ بلکہ اتفاق سے ایک ہی غزل ہم دونوں نے چرائی ہے۔"

"بکواس بند کرو' ایسا نہیں ہو سکتا' یہ غزل متنازعہ ہے متنازعہ رہے گی' چاہے خون کی ندیاں کیوں نہ بہہ جائیں۔ کہہ دیا میں نے تم سے۔" مطلق صاحب دہاڑے۔

"ارے یہ ہوا کیا۔ کیوں لڑنے لگے تم دونوں۔" بیگم صاحبہ غصیلے انداز میں بولیں۔

"میں یہ کیا سمجھتا ہے خود کو۔"

"دیکھیے حضرت زبان کو لگام دیجیے۔ میں بھی بڑا غلط آدمی ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

سعدی اور ظفری مضطرب صاحب کو باہر لے آئے۔ شکیلہ اور بیگم صاحبہ مطلق صاحب کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

"بھائی مضطرب ہوا کیا؟"

"کچھ نہیں جناب۔ استعفے پیش کر دوں گا کل' سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں' یہ نہیں چل سکتا۔ میری اپنی ایک حیثیت ہے۔ ایک مقام ہے۔ ٹھیک ہے آپ لوگوں کا ملازم ہوں لیکن اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جو غزل میں چراؤں وہی مطلق صاحب بھی چرائیں۔"

"ہوں تو گویا آپ دونوں نے یہ غزل چوری کی تھی؟"

"ایں۔" مضطرب صاحب بولے۔ پھر وہ کسی قدر ہونق سے نظر آنے لگے۔ "ارے یہ تو بہت برا ہوا' ہم سب کے سامنے لڑ پڑے۔ خیر زیادتی مطلق صاحب کی تھی۔ اگر وہ مجھ سے معافی مانگتے ہیں تو ٹھیک ہے میں انہیں معاف کر دوں گا' لیکن اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کا ملازم ہوں اور اس طرح اس غزل پر ان کا حق بن جاتا ہے تو یہ ناممکن ہے میں یہ غزل چوراہوں پر کھڑے ہو کر سناؤں گا' بازاروں میں سناؤں گا' دکانوں پر سناؤں گا۔ دیکھتا ہوں مطلق صاحب اسے کیسے اپنا لیتے ہیں۔ میاں غزل ہے' سب کی ملکیت ہوتی ہے کوئی ایک وہی شاعر تھوڑی ہیں۔"

"اچھا اچھا کوئی بات نہیں' ٹھنڈے ہو جائیے۔ آئیے آپ دونوں کی دوستی کرا دی جائے۔"

"صرف ایک شرط پر۔" مضطرب صاحب بگڑ کر بولے۔

''وہ کیا؟''

''یہ غزل مطلق صاحب کی ملکیت نہیں رہ سکتی۔''

''آخر یہ ہے کس کی؟''

''بھئی ہمیں کیا معلوم کسی رسالے میں چھپی تھی' اتفاق کی بات ہے کہ ہم دونوں کے ہاتھ ایک ہی رسالہ لگ گیا۔'' مضطرب صاحب بگڑ کر بولے۔

۔۔خدا کی پناہ۔ خدا سمجھے آپ شاعروں سے۔'' ظفری اور سعدی نے سر پیٹ لیے۔

بہر حال اس کے بعد لاکھ کوششیں کی گئیں' لیکن مطلق صاحب نے صاف کہہ دیا کہ جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اس طرح ایک گھر میں دو شاعر نہیں رہ سکتے۔'' بس یہ فیصلہ ہے ہمارا۔ مشاعرہ نہیں ہوگا۔'' اس کے بعد محفل مشاعرہ نہیں جم سکی تھی۔ مضطرب صاحب بھی تھوڑی دیر کے بعد دفتر چلے گئے تھے اور ظفری' سعدی اور شکیلہ دیر تک ہنستے رہے تھے۔ ان شعرائے کرام کا مسئلہ بڑا ہی عجیب تھا۔

پہلے کیس کو نمٹے ہوئے بیس دن ہونے کو تھے۔ اس کے بعد سے کسی نے اس دفتر کا رخ نہیں کیا تھا۔ البتہ ہر جمعہ کی اشاعت میں اشتہار ضرور ہوتا تھا۔ متعلقہ حضرات بڑے صبر و سکون سے انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے طور پر میٹنگیں کی تھیں۔ تبصرے کیے تھے اور غیر مطمئن نہیں تھے۔ ان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ ابھی اس ملک کے لوگ ایسے اداروں کی افادیت سے ناواقف ہیں اور ان کا ذہن اس طرف نہیں جا سکتا۔ بس گنے چنے لوگ ہی ان سے واقف ہوں گے اور وہی اس طرف کا رخ کر سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں کوئی مشکل پیش آ جائے۔

''میرے خیال میں یہ خدمت بھی ہمیں ہی انجام دینا پڑے گی۔'' شکیلہ نے ایک میٹنگ میں کہا۔ اور سعدی اور ظفری عقیدتمندانہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

''کچھ اور گہر افشانی ہو جائے مرشد۔'' ظفری ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''فضول باتیں مت کرو ظفری۔ سنجیدگی سے سوچو۔ کاروبار کی توسیع اور ادارے کی ترقی کے لیے کچھ اور گر ضروری ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنے سے کام نہیں چلے گا۔'' شکیلہ نے کہا۔

''بخدا کون بدنصیب فضول گوئی کر رہا ہے۔ میں تو مرشد کی خدمت میں عرض کر رہا تھا کہ حضور کچھ اور گہر افشانی ہو جائے تاکہ کچھ روشنی ملے۔ کون سی خدمت کی انجام دہی کی بات ہو رہی تھی؟'' ظفری نے کہا۔

''لوگوں کو اگر مشکلات نہیں پیش آ رہیں تو اس کے لیے مشکلات پیدا کرنی ہوں گی۔ یہ ضروری ہے ورنہ ادارہ یتیم خانے میں تبدیل کرنا پڑے گا۔''

''سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ تو پھر اس پروگرام کا آغاز ہو جائے۔ کوئی تجویز۔ خادمان اس پر عمل کرنے کے لیے دل و جان سے تیار ہیں۔'' ظفری بولا۔ اور اسی وقت جناب اضطراب احمد مضطرب اسم بامسمٰی تشریف لائے۔

''ادھر ہی کا رخ ہے۔ اعلیٰ درجے کے سوٹ میں ملبوس ہے۔ بڑی شاندار کار سے اترا ہے۔ یقیناً کوئی ضرورت مند ہے۔''

''اور وہ برف کہاں گئی جو آپ لینے گئے تھے؟'' سعدی نے پوچھا۔ صورت حال یہ تھی کہ مضطرب صاحب کرتے کے دونوں کونے پکڑے ہوئے تھے اور کرتے کا خول نمایاں تھا۔ یعنی اس میں کوئی وزنی چیز نہیں تھی۔

''برف لے آیا ہوں مگر وہ۔ کوئی۔۔۔۔۔'' مضطرب صاحب نے کرتے کے دونوں کونے ایک ہاتھ میں تھام کر درمیانی خلاء کو تھپتھپایا اور منہ پھاڑ کر رہ گئے۔ کونے چھوڑ دیے اور متحیرانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ کرتا درمیان سے بھیگا ہوا تھا لیکن اس میں سے برف غائب تھی۔

''لا حول ولا قوۃ۔ سب برف کہاں گئی۔'' وہ متحیرانہ انداز میں بولے اور پھر کسی قدر

بیزاری سے بولے۔ ''دراصل کچھ پریشانیاں مجھے بھی لاحق ہیں۔ دفتر میں بہت سی چیزوں کی کمی ہے۔ برف ہاتھ میں لی تو ہاتھ جلنے لگے۔ مجبوراً کرتے کے دامن میں رکھ لیا اسے۔ پھر نگاہ اس شخص پر پڑ گئی اور یہ محسوس کر کے کہ کوئی گاہک ہے' جذباتی ہو گیا۔ بس عالم جذبات میں برف کھسک گئی کسی گوشے سے۔ اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں اس مفرور ڈلے کو تلاش کرتا ہوں۔ آپ لوگ کلائنٹ سے نمٹنے کی تیاریاں کریں۔'' مضطرب صاحب باہر نکل گئے لیکن چند ہی ساعت کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

''تشریف لائیے' تشریف لائیے' چشم ماروشن دل ماشاد۔ کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

جواب میں کوئی بھاری آواز سنائی دی' الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے لیکن مضطرب صاحب کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

''جی ہاں تشریف لے جائیے وہ سامنے والے کیبن میں' پروفیسر صاحب تشریف فرما ہیں۔ اور یہ تینوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اس وقت اپنی اپنی ڈیوٹی سنبھالنے کا موقع نہیں تھا' اگر پہلے ہی مضطرب صاحب کی بات پر غور کر لیا جاتا تو اس وقت کیبن میں صرف سعدی یا ظفری ملتا۔ لیکن مجبوری تھی۔ آنے والا کیبن کے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔

''میں حاضر ہو سکتا ہوں۔'' بھاری آواز سنائی دی اور سعدی نے ظفری اور شکیلہ کو آنکھ سے اشارہ کر دیا۔ پھر بولا۔

''تشریف لائیے' تشریف لائیے۔'' آنے والا چھریرے بدن کا دراز قامت شخص تھا۔ جس کی کنپٹی کی بھنویں سفید تھیں۔ بالوں میں بھی چند بال سفید نظر آ رہے تھے' درحقیقت عمدہ تراش کے سوٹ میں ملبوس تھا' آنکھوں میں سنہرے فریم کی عینک لگی ہوئی تھی۔ چہرہ نرم نرم تھا' تعلیم یافتہ اور مہذب آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایک نگاہ چھوٹے سے دفتر پر ڈالی اور پھر سوالیہ انداز میں بولا۔

''پروفیسر ڈی ڈی ٹی۔''

''جی خادم ہی کو کہتے ہیں۔ تشریف رکھیے۔'' سعدی نے اپنے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور پھر ظفری اور شکیلہ سے بولا۔

''میں نے آپ لوگوں کا پورا کیس سن لیا ہے آپ بالکل مطمئن رہیں کیا مجال ہے' جو آپ کے دشمن آپ کا بال بھی بیکا کر سکیں۔ پروفیسر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پر اعتماد کیجئے۔ اب آپ کی مشکلات آپ کی نہیں ہیں۔ میری ہیں۔ آپ کو میرا سابقہ ریکارڈ معلوم ہے۔''

''بہت بہتر پروفیسر صاحب' ہم بڑے مطمئن ہو کر جا رہے ہیں۔ آپ کی شہرت سن کر یہاں آئے تھے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارے مسئلے پر پوری توجہ دیں گے۔'' شکیلہ کہنے لگی۔

''جی ہاں' جی ہاں۔ آپ کی مشکلات کا حل میری مٹھی میں ہے۔ جائیے اور مطمئن ہو کر بیٹھ جائیے۔ یہ مسئلہ میں نے سنبھال لیا ہے۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' ظفری بولا۔ اور اٹھ کر سعدی سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔ شکیلہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی تھی۔ وہ دفتر کے آخری کیبن میں خاموش جا بیٹھے۔

سعدی نے پرتپاک مسکراہٹ سے آنے والے کو دیکھا اور بولا۔ ''جناب کا اسم شریف۔''

''ابھی نہیں بتاؤں گا پہلے آپ سے کچھ اور گفتگو ہو جائے۔''

''جی جی بہتر ہے' کوئی حرج نہیں ہے۔'' سعدی نے حلیمی سے جواب دیا۔

''یہ پروفیسر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''بس یوں سمجھ لیجیے ہمارے خفیہ کوڈ ورڈ ہیں جن کی تفصیل آپ کو نہیں بتائی جا سکتی۔'' سعدی نے کہا۔

''ہوں خیر مجھے بھی تفصیل سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ

کے اشتہار کے مطابق بقول آپ کے آپ لوگوں کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں' کیا میں اسے کوئی جاسوسی کا ادارہ سمجھ لوں' میرا مطلب ہے جس طرح یورپ میں پرائیویٹ سراغرساں اپنی ایجنسیاں کھول لیتے ہیں۔ اس قسم کی کوئی ایجنسی جو مناسب معاوضہ لے کر لوگوں کے مسائل حل کرتی ہے۔" آنے والے نے کہا۔

"خیر ہم اسے پرائیویٹ سراغرساں کا اڈہ تو نہیں کہہ سکتے۔ البتہ آپ کو وہ تمام سہولتیں یہاں مہیا ہو جائیں گی جن کا تصور آپ کے ذہن میں موجود ہے۔"

"ہاں۔ یہی۔ یہی تو میں جاننا چاہتا تھا' اس کا مطلب ہے کہ آپ پرائیویٹ سراغرساں ہیں' لیکن اس ملک میں پرائیویٹ سراغرساں کو لائسنس نہیں دیے جاتے ہیں اس لیے آپ نے یہ ادارہ کھولا ہے۔"

"ہاں آپ یہ تصور کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ کا تعلق کسی سرکاری محکمے سے نہ ہو۔ میرا مطلب ہے۔ بشرطیکہ آپ انتظامیہ کے کوئی عہدیدار نہ ہوں۔"

آنے والے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے سعدی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر میرا تعلق انتظامیہ سے بھی ہے تب بھی آپ یہ اقرار تو کر چکے ہیں کہ یہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے۔"

سعدی نے اپنے چہرے پر لاپروائی کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں ٹھیک ہے اقرار کر لیا گیا ہے' لیکن یہ قابل گرفت نہیں ہے اور ہم لوگ اتنے بے وسائل بھی نہیں۔ آپ کا تعلق اگر کسی ایسے محکمے سے ہے تو آپ اسے صرف ایک معمولی سا دفتر سمجھ سکتے ہیں جس کے مقاصد زیادہ اہم نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی اہم واقعہ ہم سے متعلق ہے۔"

"آپ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ جناب' میں کسی سرکاری ادارے سے تعلق نہیں رکھتا'

میں ایک مشکل میں پھنسا ہوا ہوں اور آپ کے پاس مدد کے لیے آیا ہوں۔"

سعدی سنبھل کر بیٹھ گیا' اس نے ناقدانہ نگاہوں سے آنے والے کو دیکھا اور پھر نرم لہجے میں بولا۔

"جی فرمائیے کیا مدد کی جا سکتی ہے آپ کی؟"

"اگر میں یہ کہوں کہ میں اپنے دشمن سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں آپ کو آپ کی پسند کا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوں تو کیا آپ مجھے اس سے نجات دلا دیں گے؟"

"ہاں یقیناً۔ مجال ہے آپ کے دشمن کی کہ وہ آپ کی جانب ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ جائے' البتہ ایک وضاحت ضروری ہے۔" سعدی نے کہا۔

"وہ کیا؟" نووارد نے پوچھا۔

"ہم یورپ کے پرائیویٹ جاسوسی اداروں کی کارکردگی سے بھی واقف ہیں' وہ ہر قسم کی مجرمانہ کارروائی بھی کر لیتے ہیں اور پولیس سے محفوظ رہنے کے گر بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن معاف کیجیے ہماری نگاہوں میں اپنے ملک کا قانون بھی ایک اہمیت اور حیثیت رکھتا ہے' ہم آپ کے دشمن کو سائنٹیفک ذرائع کی مدد سے آپ کا دوست بنا دیں گے یا پھر اسے اس بات پر مجبور کر دیں گے کہ وہ آپ کے خلاف جو منصوبے باندھ رہا ہے ان سے پرہیز کرے۔ اگر آپ یہ چاہیں گے کہ ہم اسے قتل کر دیں یا معذور کر دیں' تو معاف کیجیے۔ یہ کام ہم نہیں کرتے۔ ہمارے اپنے اصول ہیں اور ہم اپنے اصولوں پر ہر قیمت پر عمل پیرا رہتے ہیں۔"

نووارد کے چہرے پر تفکرات کے سائے پھیل گئے۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔ "میں آپ کی بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اگر صورتحال کچھ ایسی ہی ہو تو بھی آپ اپنے اصولوں پر کاربند رہیں گے۔"

"یقیناً یقیناً۔ لیکن آپ کو ہم پر بھروسہ بھی کرنا چاہیے۔ آزمائش میں کوئی ہرج نہیں

ہے۔ ہم آپ سے اس وقت تک کوئی معاوضہ قبول نہیں کریں گے یا طلب نہیں کریں گے۔ جب تک آپ کو مطمئن نہ کرلیں۔ آپ کا دشمن اگر آپ کا دوست بن کر خود ہی آپ کے پاس پہنچ جائے تو پھر ہمارا معاوضہ پکا ورنہ آپ کو کوئی زحمت نہیں دی جائے گی۔"

"مسئلہ معاوضے کا نہیں ہے دوست۔ معاوضہ تو تم جو کچھ طے کرو وہ میں تمہیں پیشگی ادا کرنے کو تیار ہوں۔ بات صرف یہ ہے کہ جس دشمن کو تم میرا دوست بنانا چاہتے ہو۔ وہ کسی قیمت پر اس بات پر تیار نہیں ہوگا۔"

"پھر بھی ہمیں کوشش کرنے کا موقع دیں اس میں کیا ہرج ہے۔ ہم اس انداز میں کام کریں گے کہ آپ کو کوئی زک بھی نہ پہنچے گی۔" نو وارد پھیکے سے انداز میں ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"میرا دشمن مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا۔ وہ میری زندگی کے درپے نہیں ہے بس اس نے مجھے شدید ذہنی اذیت کا شکار بنا رکھا ہے۔ میں ایسی الجھنوں میں پھنسا ہوا ہوں جن سے نکلنے کا کوئی حل میرے ذہن میں نہیں آتا۔"

"یہی تو۔۔۔یہی تو۔۔۔" سعدی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ "یہی سب کچھ کرنے کے لیے ہم یہاں بیٹھے ہیں، جو الجھن آپ کے ذہن سے نہ سلجھ سکے اسے سلجھانے کے لیے آپ پروفیسر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی خدمات حاصل کیجیے۔"

"ساری چوکڑی بھول جاؤ گے اس کے سامنے جا کر۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں ابھی تم اس کی حقیقت سے ناواقف ہو۔ معاف کرنا بے تکلفی کے لیے معافی کا خواستگار ہوں، لیکن بس میں تمہیں بتاؤں میرا دشمن کون ہے، وہ میری بیوی ہے۔ میری بیوی۔"

"واہ بیویوں سے نمٹنے کے تو ہم اسپیشلسٹ ہیں" بیوی خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، جلاد ہو، خونخوار ہو، محبت کرنے والی ہو، نفرت کرنے والی ہو، دولت مند ہو یا غریب ہو، گنوار ہو یا شہری، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، ہر قسم کی بیویوں سے شوہروں کو نجات دلانا ہمارا اولین فرض ہے اور ہم اس فرض کو

نبھانے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔"

"سوچ لیں اچھی طرح۔" وہ شخص بولا۔

"سوچ لیا اچھی طرح سوچ لیا۔ آپ یہ فرمائیے کہ محترمہ سے آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

"ایک تکلیف۔ یوں سمجھیں کہ میں تکلیفوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہوں، لیکن آپ کے اصول۔ میرا مطلب ہے آپ کے اصول میرے ذہن میں نہیں اترتے، کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ اسے میرے راستے سے ہٹا دیا جائے۔" وہ شخص جیسے خود سے مخاطب تھا۔ سعدی کے ہونٹ سکڑ گئے۔ چند ساعت وہ نو وارد کی صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔

"یہ فیصلہ آپ نے خود کیا ہے، جبکہ ہمارا فیصلہ کچھ اور ہے، معاف کیجیے گا ہم کسی کو قتل تو قطعی نہیں کر سکتے۔ بس اگر آپ دوسرے ذرائع سے ہماری خدمات حاصل کرنا چاہتے تو ہم حاضر ہیں۔"

"نہیں نہیں۔ میرا خیال ہے آپ لوگ میری اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکیں گے۔ میں خواہ مخواہ دوسری مشکلات کا شکار بھی ہو جاؤں گا۔ معافی چاہتا ہوں، اجازت دیں۔" وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک بار پھر سوچ لیں محترم، ہم آپ کا یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"میں معافی چاہتا ہوں، بہت بہت شکریہ۔" وہ شخص شاید ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔ واپس مڑتے ہوئے اس کی بڑبڑاہٹ سعدی بخوبی سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں نے سوچا تھا کہ یورپ کی طرح یہاں بھی کام کے لوگ ہوں گے۔ لیکن۔ لیکن پتا چلا کہ وہی دقیانوسیت ابھی تک ان معاملات میں بھی باقی ہے جو اس ملک کا خاصا ہے۔ خدا حافظ۔" یہ کہہ کر وہ دفتر سے نکل گیا۔

سعدی تشویش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے شانے جھٹکے اور ظفری اور شکیلہ کو آواز دے لی۔

"ہم سن چکے ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"مجھ سے متفق ہو؟"

"سو فیصدی۔ یہ کام تو ہم قیامت تک نہیں کر سکتے تھے جو وہ چاہتا تھا لیکن کیا کیا جاتا وہ بدبخت کسی اور چیز پر آمادہ ہی نہیں تھا۔" سعدی نے کہا۔ اور ظفری گردن ہلانے لگا۔

"چھوڑو یار! ہمیں ایسا گاہک نہیں چاہیے۔ ہمیں بہرصورت اپنے بنائے ہوئے اصولوں کی پیروی کرنا ہوگی۔ دولت کمانے کے چکر میں ہم ایسی اخلاقی گراوٹ نہیں اپنائیں گے جن سے خود ہمارا ضمیر غیر مطمئن ہو۔ اور پھر قتل' لاحول ولاقوۃ۔ ہم میں سے قاتل کون ہے۔ کوئی نہیں۔ اس گاہک کو ہی ذہن سے نکال دو۔ ایسے بہت سے گاہک ہمارے پاس آئیں گے۔ لیکن ہمیں ایسے کسی کیس کو ہاتھ میں نہیں لینا۔" ان لوگوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا اور اس کلائنٹ کو بھول گئے۔

چند ساعت خاموشی رہی۔ پھر دفعتاً ظفری چونک پڑا۔

"ارے یہ مضطرب صاحب کہاں رہ گئے؟"

"مضطرب صاحب۔ آواز دو۔" سعدی گہری سانس لے کر بولا اور ظفری مضطرب صاحب کو آواز دینے لگا۔ لیکن مضطرب صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ تب سعدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"حضرت مضطرب برف پھینک آئے اور اب اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے برف پگھل گیا ہوگا اور مضطرب صاحب کسی شعر کی پینک میں اس بات پر غور نہ کر سکے ہوں گے۔"

سعدی کی بات پر شکیلہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مضطرب صاحب برف لے کر واپس آ گئے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"کہاں رہ گئے تھے حضرت آپ؟" سعدی نے پوچھا۔

"بس میاں کیا عرض کروں۔ نیا برف خرید کر لایا ہوں۔ سیڑھیوں پر گرا تھا' کوئی صاحب لے گئے ہوں گے اٹھا کے۔"

"اچھا جائیے پانی بنا کر لائیے۔" ظفری بولا اور مضطرب صاحب نے جگ میں پانی بنا کر ٹھنڈا پانی انہیں پیش کر دیا۔

اس نئے آنے والے گاہک سے ان لوگوں کو کوئی دل چسپی باقی نہیں رہی تھی' لیکن دوسرے دن مضطرب صاحب نے ایک انکشاف کر کے ان سب کو حیران کر دیا۔

ظفری' سعدی اور شکیلہ سعدی کے کیبن میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں گپ بازیاں کر رہے تھے کہ حضرت مضطرب سنجیدہ سا چہرہ لیے اندر داخل ہوئے۔ ظفری نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"بیٹھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔" مضطرب صاحب نے خالی کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تو تشریف رکھیے اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟" ظفری بولا اور مضطرب صاحب بیٹھ گئے۔

"ایک سوال میرے ذہن میں ہے۔"

"جی ارشاد۔" ظفری بولا۔

"جیسا کہ مجھے دفتر کے اصول معلوم ہوئے ہیں اور جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ پروفیسر ڈی ڈی ٹی کا عہدہ کسی ایک شخص کے لیے موزوں نہیں ہے' بلکہ یہ عارضی عہدہ کسی کو بھی مل سکتا ہے تو کیا مجھ چوتھے درجے کے شخص کو بھی یہ مراعات حاصل ہو سکتی ہیں؟"

"ہم سمجھے نہیں مضطرب صاحب۔"

"میرا مطلب ہے کہ اگر میں عارضی طور پر اس عہدے کو اپنانا چاہوں تو؟"

''کوئی کیسے لیا ہے آپ نے اپنے ہاتھ میں؟'' سعدی نے سوال کیا۔

''جی ہاں۔'' مضطرب صاحب کے جواب پر وہ سب چونک پڑے اور تحیر آمیز انداز میں انہیں دیکھنے لگے۔

''کل آنے والا شخص جسے آپ نے نظر انداز کر دیا تھا میرے لیے باعث دل چسپی بن گیا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' سعدی چونک کر بولا۔

''دل چسپی کا مطلب تو دل چسپی ہی ہوتا ہے۔ باعث کی لغوی توجیہہ۔۔۔۔''

''مضطرب صاحب۔ مضطرب صاحب۔ آپ الفاظ کا مربّہ نہ بنائیے۔ بلکہ جلدی سے مطلب بیان کیجیے۔'' سعدی بولا۔

''سعدی میاں' ظفری میاں اور خاتون شکیلہ۔ کل جو شخص یہاں آیا تھا اور جسے آپ حضرات نے بے نیل ومرام واپس کر دیا تھا' وہ مجھے قابل توجہ نظر آیا۔ بسورتا ہوا نیچے اتر رہا تھا اور کچھ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا اور اس کی اسی بڑبڑاہٹ نے میرے دل کے نرم گوشوں کو چھیڑ دیا۔ پس میں نے سوچا کہ اے مضطرب تمام زندگی شعروں کے تخیل میں ڈوبا رہا ہے کوئی کام کی بات بھی کر۔ لیکن دفعتاً مجھے یہ خیال آیا کہ میں ایک ایسے ادارے سے وابستہ ہوں جو لوگوں کی مدد کرنے کا کاروبار کرتا ہے۔ اور وہ شخص جس کار میں آیا تھا وہ اس قدر قیمتی تھی کہ بلا معاوضہ اس کے لیے کچھ کرنا حماقت تھی۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ کیوں نہ عہدہ عارضی طور پر سنبھال لوں۔''

''یعنی پروفیسر ڈی ڈی ٹی والا؟''

''ہاں' اگر یہ جسارت قابل معافی ہو؟''

''وہ کیا بڑبڑا رہا تھا مضطرب صاحب؟''

''بس مردنی چھائی ہوئی تھی چہرے پر۔ کہتا تھا' اے کاش میری زندگی کی شام

ہو جائے۔ اب تو ہر سانس ایک وبال ہے۔ یہ لوگ بے وقوف ہیں۔ یورپ کی بات ہی کیا ہے۔ کاش میں یورپ میں ہوتا۔ بس یہ چند جملے تھے جنہوں نے میری رگ حمیت پھڑکا دی۔''

''خوب۔ پھر کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں اس وقت سے لے کر اب تک میں نے صرف یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو کیس آپ لوگ ٹھکرا چکے ہیں اسے کیوں اس طرح نظر انداز کیا جائے۔''

''کوئی عمل بھی کر چکے ہیں آپ؟''

''ہرگز نہیں۔ نمک حلالی فرض اولیں سمجھتا ہوں۔ بلا اجازت کوئی کام کرنا ناجائز نہ تھا۔''

''تو پھر اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟''

''یہ کیس مجھے لینے کی اجازت ہے؟''

''آپ کی مرضی ہے حضرت۔ کیا آپ بھی کسی کی بیوی کو قتل کرنے کی خدمات سرانجام دے سکتے ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔ زندگی خداوند کا دیا ہوا عطیہ ہوتی ہے۔ اسے چھیننا انسان کے لیے گناہ عظیم ہے۔ میں کبھی یہ نہ کر سکوں گا۔'' مضطرب صاحب بولے۔

''پھر آپ کیا کریں گے قبلہ وکعبہ؟''

''وہ اسے قتل کرنا چاہتا ہے؟''

''جی ہاں یہی مقصد لے کر آیا تھا وہ۔''

''تو ہم اس ضعیفہ کی زندگی تو بچا سکتے ہیں۔ جو نہ جانے کیوں کسی کی وحشت کا شکار ہونے جا رہی ہے۔''

''کیا مطلب۔ کیا مطلب؟'' تینوں چونک پڑے۔

''مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہم لوگ اگر اس کی وحشت کے ساتھی نہیں بن رہے تو

اس مظلومہ ہی کے مددگار کیوں نہ بنیں' جسے ہمارے ذریعہ نہ سہی کسی اور کے ذریعے' بالآخر وہ موت کے گھاٹ اتار دے گا۔"

"یعنی اس شخص کی بیوی کے؟" ظفری منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں۔ یہ نہایت موزوں عمل ہے۔ اگر وہ شخص دولت مند ہے اور ہمیں ایک عمدہ رقم دے سکتا ہے تو کیا اس کی بیوی قلاش ہوگی؟ ہم اس سے بھی کچھ نہ کچھ وصول کر لیں گے' اور اگر نہ کر سکے تب بھی اس کی زندگی تو بچا ہی سکیں گے۔ یہ ایک نیک کام ہوگا۔"

سعدی نے بڑے خلوص کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھر مضطرب صاحب کے پاس آ کر ان کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "اٹھیے مضطرب صاحب۔"

مضطرب صاحب کا چہرہ اتر گیا۔ وہ جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

"دیکھیے سعدی صاحب' ہم نے صرف اجازت مانگی تھی۔ ابھی ہماری خطا قابل معافی ہے۔ ہم ایسے تو یہ در چھوڑ کر نہ جائیں گے۔"

"آپ کو نکال کون رہا ہے مضطرب صاحب۔"

"تو پھر بازو چھوڑ دیں۔ ہڈی چیخ رہی ہے۔"

"آپ پروفیسر ڈی ڈی ٹی کی کرسی سنبھالیے۔ ہم نے اس کیس میں آپ کو سربراہ تسلیم کر لیا ہے۔" سعدی بولا۔

"اماں واللہ۔" مضطرب صاحب خوشی سے اچھل پڑے اور جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

"ہاں' سو فیصدی۔ کیوں دوستو؟" سعدی نے پوچھا۔

"سو فیصدی۔ یہ نکتہ ہمارے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ اور ہم نے ایک عمدہ موقعہ چھوڑ دیا تھا۔ یہ تو حقیقت ہے اگر ہم نے اس شخص کا کیس ہاتھ میں نہیں لیا تھا تو اس کی بیوی کا کیس تو لے

سکتے تھے۔"

"اس طرح واقعی ہم نے ایک کاروباری غلطی کی۔" ظفری بولا۔

"بے شک بے شک۔" شکیلہ نے لقمہ دیا۔ مضطرب کی باچھیں خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں۔ وہ بڑے تکلف سے سعدی کی کرسی پر جا بیٹھے۔ تینوں ان کے سامنے دست بستہ مؤدب ہو گئے تھے۔

"جناب والا فرمائیے اب اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟" سعدی نے پوچھا۔

"کار نمبر کے سی اے آٹھ چار دو' نوٹ فرمائیے۔" مضطرب صاحب بولے۔ اور ظفری نے جلدی سے یہ نمبر نوٹ کر لیا۔

"چونکہ میں اس کار کا نمبر دیکھنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکا تھا۔ اس لیے فی الوقت آپ لوگوں پر لازم ہے کہ اس کار کے نمبر سے اس کے مالک کا پتا چلایئے۔"

"بخدا مضطرب صاحب آپ تو خاصے تربیت یافتہ ہیں یعنی آپ نے کار کا نمبر خوب ذہن نشین کیا ہے۔ کار کا رنگ کیا تھا؟"

"ہلکی پیلی۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ کام ہو جائے گا۔ اس کے بعد کیا حکم ہے؟"

"بس کار کا پتا لگایئے اور اس کے بعد مالک کے گھر کا پتا لگایئے اس کے بعد ہماری دوسری کارروائیوں کا آغاز ہوگا۔"

"بہت بہتر' یہ کام میں دوپہر تک کر لوں گا۔" ظفری نے جواب دیا اور مضطرب صاحب نے گردن ہلا دی۔

"سعدی میاں آپ اور بی بی شکیلہ' دفتر ہی میں قیام کریں۔ ظفری میاں اس سلسلے میں پہلی کارروائی مکمل کر لیں اس کے بعد ہم دوسری کاروائی کا آغاز کریں گے۔" پروفیسر ڈی ڈی

ٹی نے گویا دوسرا حکم دیا۔ اور دونوں نے اس حکم کو تسلیم کر کے گردن جھکا دی۔ ظفری موٹر سائیکل کی چابی لے کر اور کار کا درج شدہ نمبر لے کر باہر نکل گیا تھا۔ پروفیسر صاحب بڑے اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھے پاؤں ہلاتے رہے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اس وقت خود کو سچ مچ کا باس تصور کر رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے میز کھٹکھٹائی اور سعدی چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"میاں ایک گلاس پانی پلاؤ۔" سعدی ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ گیا تھا۔ اور پھر اس نے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پروفیسر کے سامنے پیش کر دیا۔

تقریباً دو بجے ظفری واپس آیا تھا۔ مضطرب صاحب اس دوران ایک لمحے کے لیے اپنی سیٹ سے نہیں ہٹے تھے اور ان کے تمام کام سعدی اور شکیلہ کو کرنے پڑے تھے۔

"ہوں' کیا رپورٹ ہے؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"ہمارے مہمان کا نام رمضان عادل ہے۔ ایک فرم ہے۔ جمیلہ لمیٹڈ اس کا مالک ہے اکبر روڈ کی کوٹھی نمبر ۱۷ میں رہتا ہے۔"

"کوٹھی کا جائزہ لے لیا؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں دیکھ لی گئی ہے لیکن باہر سے۔" ظفری نے ادب سے جواب دیا۔

"کار وہاں موجود تھی؟"

"جی ہاں۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ۔"

"جی اور تو کچھ نہیں۔"

"ظفری کام ادھورا ہے۔ آپ کو وہاں رک کر کوٹھی کے اندرونی ماحول کا جائزہ لینا چاہیے تھا۔ ان لوگوں کا' میرا مطلب ہے کہ کوٹھی کے مکینوں کے مشاغل کا اندازہ کرنا چاہیے تھا۔ تاہم ٹھیک ہے جو کچھ آپ نے نہیں کیا وہ مجھے کرنا ہوگا۔ ظفری میاں آپ کو تھوڑا سا کام اور کرنا ہوگا۔ آپ مجھے کوٹھی تک پہنچا کر آئیے۔ اس کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"جی بہت بہتر' کب تشریف لے چلیں گے آپ؟" ظفری نے پوچھا۔

"بس چند تیاریاں کرنی ہیں اس کے بعد چلتا ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور کرسی کھسکا کر اٹھ گئے۔ پھر وہ خاموشی سے باہر نکل گئے تھے۔ ظفری کرسی پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا اور سعدی اور شکیلہ مسکرا مسکرا کر اسے دیکھتے رہے۔ "کیوں آپ لوگ مسکرا کیوں رہے ہیں؟"

"بھئی دل تو یہ چاہتا ہے کہ مضطرب صاحب کو سچ مچ کا باس بنا دیا جائے۔ کیا ڈٹ کر بیٹھے ہیں۔ صبح سے ہلے نہیں اس کرسی سے اور مستقل ہم لوگوں سے کام لے رہے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"خیر اس کیس کا تو مسئلہ نہیں ہے لیکن آئندہ ذرا احتیاط رکھنا ہوگی۔ مضطرب صاحب خاصے بے تکلف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" سعدی نے کہا اور وہ دونوں مسکرانے لگے۔

تھوڑی دیر میں مضطرب صاحب تشریف لے آئے۔ تیاریاں کیا کی تھیں اس کے بارے میں کسی کو بتانا ضروری نہیں تھا۔ بہرصورت اس وقت باس کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ظفری کے ساتھ نیچے اتر آئے۔ ظفری نے انہیں اکبر روڈ کی کوٹھی نمبر سترہ کے آگے چھوڑ دیا تھا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آج کچھ نہیں' کل میں تمہیں اس سلسلے میں کوئی بہتر بات بتا سکوں گا۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"تو میں جاؤں؟"

"ہاں جاؤ۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ اور ظفری وہاں سے واپس چل پڑا۔

دوسرے دن جب تینوں دفتر پہنچے تو مضطرب صاحب حسب معمول دفتر کی صفائی سے فارغ ہو چکے تھے۔ گویا انہوں نے ازراہ کرم آج کے کام کر دیے تھے لیکن ان کے چہرے پر وہی

سنجیدگی اور وقار نظر آرہا تھا۔ ان لوگوں کے دفتر میں داخل ہوتے ہی وہ دوڑتے ہوئے باس کی کرسی تک پہنچے اور کرسی پر بیٹھ گئے۔

"کیا ٹائم ہوا ہے آپ کی گھڑی میں؟" انہوں نے ظفری کو دیکھ کر پوچھا۔

"جی سوا دس بجے ہیں۔"

"یہ دفتر آنے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ براہ کرم کل سے ٹھیک ساڑھے نو بجے دفتر پہنچ جائیں۔" مضطرب صاحب نے حکم دیا۔

"بہت بہتر۔" تینوں مسکراہٹ دبا کر بولے۔ اور مضطرب صاحب سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔

"جناب والا کیا حکم ہے؟"

"بس کچھ نہیں آج میں تقریباً گیارہ بجے کوٹھی جا رہا ہوں۔ ظفری تم حسب معمول میرے ساتھ تعاون کرو گے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"جی بہت بہتر۔" ظفری نے گردن ہلا دی۔

وقت مقررہ پر مضطرب صاحب ظفری کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چل پڑے۔ کوٹھی کے پورچ میں پیلے رنگ کی کار موجود نہیں تھی۔ مضطرب صاب نے موٹر سائیکل سے نیچے اتر کر کوٹھی میں جھانکا گیٹ کی طرف بڑھے لیکن پھر ٹھٹک گئے۔ ادھر ادھر اور پھر ظفری کی طرف دیکھ کر بولے۔

"آؤ میرے ساتھ اندر چلو۔"

"وہ۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ خود اندر جائیے۔"

"ہمت نہیں پڑتی۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی۔ آؤ تو سہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آجاؤ۔" مضطرب صاحب خود گھبرا رہے تھے۔ ظفری نے ان کی ہمت بندھائی اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔ کوٹھی کے لان پر کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ دونوں صدر دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ پھر مضطرب صاحب بیل پر انگلی رکھنے والے تھے کہ دروازہ کھل گیا۔

لیکن کھلے دروازے میں جو کوئی نظر آیا تھا اسے دیکھ کر مضطرب صاحب کی گھگھی بندھ گئی۔ دروازے میں رمضان عادل نظر آیا تھا۔ یہ غیر متوقع تھا۔ کار کی غیر موجودگی سے مضطرب صاحب یہی سمجھے تھے کہ رمضان عادل گھر پر موجود نہیں ہے۔ لیکن دروازے پر اسے دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی۔

"فرمایئے؟" رمضان عادل نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہی ہی ہی۔۔۔ م۔ میرا مطلب ہے ہو ہو ہو۔" مضطرب صاحب بے حال ہو گئے تھے۔

"معاف کیجئے گا سرا لیکٹرک میٹر کس طرف ہے؟" ظفری نے جلدی سے کہا۔

"عقبی حصے میں چلے جایئے۔" رمضان عادل نے غصیلے لہجے میں کہا اور زور سے دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔

"خ خدا کا شکر ہے پہچان نہیں سکا۔" مضطرب صاحب پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولے۔

"کیا حکم ہے باس؟"

بھاگو جلدی کہیں اس کی یادداشت واپس نہ آجائے۔" مضطرب صاحب نے ظفری کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ کی طرف چھلانگ لگائی۔ لیکن وہی ہوا جس کا خطرہ تھا' یعنی ابھی وہ واپسی کے لیے مڑے بھی نہیں تھے کہ رمضان عادل پھر باہر نکل آیا اور اس کی کرخت آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو رک جاؤ۔" مضطرب صاحب کے پیروں میں بریک لگ گئے تھے۔ انہوں نے پلٹنے کی ہمت نہیں کی لیکن ظفری بڑے ادب سے پلٹ پڑا تھا۔

"جناب والا۔" اس نے کہا۔

"تم میٹر ریڈر ہو؟" رمضان عادل نے سوال کیا۔

"جناب عالی۔ کوئی حکم؟"

"نہیں حکم تو نہیں۔"

"تو کیا کوئی خرابی ہے میٹر میں؟" ظفری نے سوال کیا۔

"نہیں نہیں خرابی ہے میٹر میں؟" بس مجھے یوں لگا تھا جیسے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"

"مجھے؟" ظفری نے متعجب لہجے میں کہا۔

"ہاں تمہیں اور انہیں بھی۔" رمضان عادل نے مضطرب صاحب کی طرف اشارہ کیا اور ظفری سر کھجانے لگا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولا۔

"خادم ہیں جناب آپ کے۔ دو تین ماہ پہلے ہماری ڈیوٹی اس طرف تھی' پھر ایک اور علاقے میں چلے گئے تھے۔"

"ہوں ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" رمضان عادل نے کہا اور پھر واپس مڑ کر دروازہ بند کر لیا' اب ظفری نے بھی یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا تھا' رمضان عادل کی یادداشت آہستہ آہستہ واپس آ رہی تھی' چنانچہ وہ دونوں گیٹ سے باہر نکل آئے۔

"یہ کیا ہوا مضطرب صاحب؟" ظفری نے پوچھا۔

"بس میاں گڑبڑ ہو گئی۔ کار موجود نہ دیکھ کر میں تو یہ سمجھا تھا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے لیکن کار نہ جانے کہاں چلی گئی؟"

"ممکن ہے۔ بیگم صاحبہ کہیں گئی ہوں۔"

"ہاں یہی نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس وقت تو کام نہیں بن سکے گا' البتہ البتہ میں یہیں رہوں گا' اگر تم اجازت دو تو؟"

"یہیں سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

"بس کوٹھی کی نگرانی کروں گا۔ باہر سے دیکھوں گا کہ کس وقت کون باہر جاتا ہے' اور کون اندر آتا ہے۔" مضطرب صاحب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"بہت بہتر۔ ظاہر ہے میں آپ کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتا۔" اور وہ دونوں کوٹھی کے مین گیٹ سے باہر نکل آئے۔ ظفری ابھی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً مضطرب صاحب چیخے۔

"ٹھیرو ٹھیرو' ایک منٹ' بس ایک منٹ۔" اور ظفری رک گیا۔

"انجن بند کر دو۔ بند کر دو۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ ظفری نے موٹر سائیکل کا انجن بند کر دیا اور اسے سڑک کے ایک سمت کر کے کھڑا ہو گیا پھر بولا۔

"کیوں کیا ہوا مضطرب صاحب؟"

"وہ دیکھو' ادھر دیکھو پیلی کار دوبارہ واپس آ رہی ہے۔" اسی اثناء میں پیلے رنگ کی کار کوٹھی کے مین گیٹ پر آ کر رکی۔ ڈرائیور نے گیٹ کھولا اور کار اندر داخل ہو گئی۔ کار میں پچھلی سیٹ پر کوئی خاتون چادر اوڑھے بیٹھی تھیں۔ خاصی لحیم شحیم خاتون تھیں۔ لیکن چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئے۔

"میرا خیال ہے ظفری میاں کچھ دیر رک ہی جاؤ۔ ممکن ہے کام بن ہی جائے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"جو حکم پروفیسر' میں تو اس وقت آپ کو اسسٹ کر رہا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا اور مضطرب صاحب کھسیائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ انہیں تقریباً آدھے گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ آدھے گھنٹے کے بعد جب پیلے رنگ کی کار دوبارہ باہر نکلی تو رمضان عادل اسے ڈرائیو کر رہا تھا' دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی اور مضطرب صاحب کے چہرے پر فتح

مندی کے آثار واپس لوٹ آئے۔ وہ ظفری کو آنکھ سے اشارہ کر کے گیٹ کی جانب چل پڑے۔ چند ساعت کے بعد ہی انہوں نے بیل پر انگلی رکھی اور ایک ملازم باہر نکل آیا۔

"جی فرمایئے۔"

"بیگم صاحبہ تشریف رکھتی ہیں؟" مضطرب صاحب نے پروقار انداز میں پوچھا۔

"جی ابھی تشریف لائی ہیں باہر سے۔"

"تم کون ہو؟" مضطرب صاحب گھٹنا ہلاتے ہوئے بولے۔

"جی میں ڈرائیور ہوں۔"

"اچھا اچھا کوٹھی میں اور کتنے ملازم ہیں؟"

"جی اس وقت تو کوئی نہیں ہے' کریم چھٹی پر ہے۔ شفیقن کی طبیعت خراب ہے وہ اپنے کوارٹر میں ہوگی۔ کس سے کام ہے آپ کو جناب؟"

"بیگم صاحبہ سے۔"

"کیوں ملنا چاہتے ہیں آپ بیگم صاحبہ سے؟"

"یہ بات صرف انہی کو بتائی جا سکتی ہے۔" مضطرب صاحب منہ ٹیڑھا کر کے بولے۔

ڈرائیور نے ایک بھرپور نگاہ ان پر ڈالی اور پھر ظفری کو دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا نام بتاؤں آپ کا؟"

"بس ان سے کہہ دو خفیہ پولیس کے دو ارکان آئے ہیں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور ظفری ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ مضطرب صاحب نے ایک احمقانہ بات کی تھی' تاہم اسے بھی نبھانا تھا۔ ڈرائیور نے پھر ایک نگاہ ان پر ڈالی اور اندر کی طرف مڑ گیا۔ چند ساعت کے بعد وہ دوبارہ آیا اور ان دونوں کو لے کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

"تشریف رکھیے۔ بیگم صاحبہ ابھی آتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" مضطرب صاحب بھاری آواز میں بولے اور ڈرائیور باہر نکل گیا۔ دونوں ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگے۔ بے ترتیبی تھی۔ وہاں رکھی ہوئی اشیاء قیمتی ضرور تھیں لیکن بے جوڑ تھیں اور اسے مکینوں کی بدسلیقگی ہی کہا جا سکتا تھا۔ ابھی وہ دونوں انہی باتوں پر غور کر رہے تھے کہ دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک لحیم شحیم خاتون چادر اوڑھے اندر داخل ہو گئیں۔ خاتون کا قد کسی طور چھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ اسی تناسب سے وہ صحت مند بھی تھیں۔ رنگ دودھ کی طرح صاف تھا۔ آنکھیں بے حد حسین اور چہرے کے نقوش جاذب نگاہ تھے۔

مضطرب صاحب بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ظفری بھی مضطرب صاحب کے احترام میں اٹھ گیا تھا۔ باس کھڑا ہوا تھا تو اسسٹنٹ کیسے بیٹھا رہ سکتا تھا۔

"کون ہو جی تم لوگ؟"

"محکمہ خفیہ کے لوگ ہیں ہم دونوں۔"

"یہ کیا ہوتا ہے جی؟" خاتون کا لہجہ اکھڑ تھا اور آواز میں ایک مردانہ کرختگی تھی۔

"خفیہ پولیس۔ پولیس سمجھتی ہیں آپ؟"

"اوہو۔ تھانہ پولیس۔ ہاں جی وہ تو سمجھتی ہوں۔ مگر تمہارے کپڑے تو پولیس والے نہیں ہیں؟"

"خفیہ پولیس ایسی ہی ہوتی ہے۔"

"اجی میں نہیں جانتی خفیہ لفیہ۔ اپنے تعلق میں تو تھانے دار جی آتے ہیں۔ یہ لمبے چوڑے یہ بڑی بڑی مونچھیں۔ بابا جی سے روز ملنے آتے تھے۔ پر آجکل کی پولیس بھی کچھ نہیں رہ گئی۔ مگر تم کیسے پولیس والے ہو؟"

بڑی مشکل سے خاتون کی سمجھ میں خفیہ پولیس آئی تھی۔ اور جب سمجھ میں آئی تو انہوں نے پوچھا "ٹھیک ہے جی۔ پر تم آئے کیوں؟"

"رمضان صاحب آپ کے شوہر ہیں؟"

"تو کیا تمہارے ہیں؟ بولو بولو۔"

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انہیں ملایئے ہم انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔"

مضطرب صاحب نے کہا۔ ظفری کی کیفیت خراب ہوتی جارہی تھی۔ مضطرب صاحب نے احمقانہ حرکت کی تھی' جو خطرناک بھی ہو سکتی تھی۔ خاتون کا چہرہ اتر گیا۔

"ہتھکڑیاں ڈال کر لے جانے آئے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"اجی مجال ہے تمہاری۔ انتڑیاں نہ نکال دوں گی تمہاری۔ کیوں گرفتار کرو گے رمضان کو؟"

"ان پر بہت سے الزامات ہیں خاتون۔"

"او میں کہتی ہوں کیسے الزامات؟ کیا کیا ہے انہوں نے؟"

"چند روز قبل انہوں نے شراب کے نشے میں ایک آدمی کو کار کی ٹکر سے زخمی کر دیا تھا۔ یہ شراب انہوں نے طوائف کے کوٹھے پر پی تھی۔ اسی طوائف کے کوٹھے پر انہوں نے ایک آدمی کی جیب سے اس کا پرس بھی نکال لیا تھا۔"

"پرس؟" خاتون نے پوچھا۔

"بٹوا۔ بٹوا۔" مضطرب صاحب بولے۔

"اوہو۔ ہو ہو۔ تو ہو گئی یہاں بھی ولایت۔ ہائے رمضانی خدا تجھے غارت کرے۔ تیرا بیڑا غرق رمضانی۔ موئے مردار کی اولاد۔ اسی لیے تو رقم لے جاتا ہے۔ اوئے تیرا ستیاناس۔"

"رمضان صاحب کہاں ہیں بی بی؟" مضطرب صاحب بولے۔

"اوئے تمہارا بھی ستیاناس۔ جہنم میں گئے رمضان صاحب تم بھی وہیں چلے جاؤ۔" وہ

الٹ پڑی۔ ظفری نکل بھاگنے کے لیے تیار ہو گیا تھا لیکن مضطرب صاحب اس وقت چیف تھے اس لیے اندر ہی اندر خوف سے کانپنے کے باوجود آخری وقت تک بہادری سے کام لے رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بی بی' ہم انہیں تلاش کر لیں گے اور اس کے بعد انہیں کوئی بھی جیل سے نہیں بچا سکے گا۔"

"جیل۔ تم اسے جیلے لے جاؤ گے؟"

"اچھا ہے خاتون۔ آپ جیسی شریف خاتون کا شوہر اتنا نالائق۔ توبہ توبہ اس کی جگہ جیل ہی ہے۔"

"اونہیں جی۔ بڑھ بڑھ کر نہ بولو۔ وہ میرا شوہر ہے جیسا بھی ہے تم سے کوئی مطلب نہیں۔"

"مطلب ہے۔ کیونکہ اس نے جرم کیا ہے۔"

"او معاف کر دو جی اسے ٹھیک ہو جائے گا آہستہ آہستہ۔ بس ایک بار معاف کر دو۔"

"اور وہ جوان کی کار کی ٹکر سے زخمی ہو کر ہسپتال میں پڑا ہے؟" مضطرب صاحب بولے۔

"زخمی' کیا بہت زخمی ہو گیا ہے جی؟" خاتون نے پوچھا۔

"او ہو نہ پوچھئے آپ اس کے بارے میں۔ دونوں پاؤں ٹوٹ گئے ہیں۔ ایک ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔ سر پھٹ گیا۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ دو پسلیاں کرچی کرچی ہو گئی ہیں۔ کیا کیا بتایا جائے آپ کو اس کے بارے میں۔"

"اور جی وہ زندہ ہے اب تک؟"

"ہاں جی زندہ ہے۔ اگر اس کا صحیح علاج ہو جائے تو شاید ٹھیک بھی ہو جائے اور اگر

مر گیا تو پھر رمضان صاحب پر قتل کا مقدمہ بھی چلے گا۔ جیل ہو جائے گی۔ ممکن ہے پھانسی بھی ہو جائے۔" مضطرب صاحب نے عورت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"او ممیں جی نہیں ایسی بد فال منہ سے نہ نکالو اس کا علاج کراؤ نا جی، کسی اچھے ڈاکٹر سے اس کا علاج کراؤ۔ سنو جی تم پولیس والے رشوت بھی تو لے لیتے ہو؟ تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اس زخمی کے علاج کے لیے مجھ سے پیسے لے لو اور رمضان کو چھوڑ دو۔"

"ہاں۔" مضطرب صاحب گال کھجانے لگے۔ پھر بولے۔ "ہمیں رشوت کی ضرورت نہیں ہے بی بی۔ بس اس زخمی کا صحیح علاج ہو جائے۔ ممکن ہے اس طرح اس بے چارے کی جان بچ جائے اور یوں رمضان کی بھی جان بچ سکتی ہے۔ ورنہ آپ خود سمجھدار ہیں۔"

"او جی اس کی تم پرواہ نہ کرو۔ جیل میں تو اس کی ہڈیاں پسلیاں ایک کر دی جائیں گی، وہ گاؤں میں میرے چاچے کا ایک لڑکا تھا۔ رفیق نام تھا اس کا۔ پتا نہیں کیا حرکت کی تھی اس نے، جیل چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو اپنے پیروں سے سیدھا نہیں چل پاتا تھا۔ رمضان تو ویسے ہی کمزور آدمی ہے۔ بتاؤ جی اس کے علاج پر کتنا روپیہ خرچ ہو جائے گا؟"

"جو کچھ بھی آپ دینا چاہیں گی دے دیں۔ ہم ڈاکٹروں کو ادا کر دیں گے۔" مضطرب صاحب نے ظفری کو دیکھا۔ ظفری خاموش بیٹھا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ صورت حال نے کئی رنگ بدلے تھے۔ مضطرب صاحب پروفیسر ڈی ڈی ٹی بنے ہوئے تھے اور جو الٹی سیدھی قلابازیاں کھا رہے تھے، ان میں سے کوئی بھی قلابازی ان دونوں کو بھی الٹا کر سکتی تھی۔ لیکن صورت حال کبھی الٹی کبھی سیدھی ہوتی جا رہی تھی۔ بیگم رمضان عادل چند ساعت سوچتی رہیں، پھر ان لوگوں سے اجازت لے کر اٹھ گئیں۔

مضطرب صاحب نے اضطراب آمیز نگاہوں سے ظفری کو دیکھا اور مدھم لہجے میں بولے۔

"کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہو رہی مجھ سے؟ میرا مطلب ہے میرا پہلا کیس ہے، تم بھی مدد کرتے رہنا میری۔"

"پروفیسر صاحب جس قدر جلد ہو سکے نکل بھاگیں یہاں سے۔ اگر رمضان آ گیا تو پھر بھاگنے کا موقع زندگی بھر نہیں ملے گا۔" ظفری نے کہا۔

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں، پھنس گیا ہوں بس کیا عرض کروں، بخدا اس وقت تو جو کچھ بھی مل جائے وہی بہتر ہے۔"

"جو کچھ وہ لا کر دے خاموشی سے جیب میں رکھیں اور یہاں سے رفو چکر ہو جائیں۔"

"ہاں ہاں بالکل میرا بھی یہی خیال ہے۔" مضطرب صاحب نے پراسرار نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت مسز رمضان اندر آ گئیں۔ انہوں نے ایک رومال میں کچھ نوٹ لپیٹے ہوئے تھے۔

"یہ رکھ لو جی اور مجھ سے بات چیت کرتے رہنا۔ اور اگر کوئی اور ضرورت پیش آئے تو مجھے بتا دینا۔ میں اس زخمی کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں جی۔"

"جی بہت بہتر۔" مضطرب صاحب نے رومال سمیت نوٹ لے کر جیب میں رکھ لیے تھے، انہوں نے نوٹوں کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ "تو اب ہمیں اجازت دیں۔" انہوں نے تیزی سے کہا۔

"ایک بات کا وعدہ کرو جی میرے رمضان کو اب کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اور اب تم اپنا قول پورا کرو گے۔"

"جی ہاں جی ہاں آپ مطمئن رہیں، ویسے یہ رمضان صاحب کس قسم کے آدمی ہیں، کہیں غلط چکروں میں پڑ کر یہ آپ سے دشمنی نہ شروع کر دیں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور ظفری غصیلی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ لیکن مضطرب صاحب اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔

اس سوال پر خاتون نے ایک سرد آہ بھری اور بولیں۔ ''رمضان کی حرکتیں اچھی نہیں ہیں جی۔ وہ مجھ سے بچا بچا رہتا ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ بس یہ خاندانی معاملہ ہے۔ مگر اب پتا چلا کہ وہ مجھ سے بیوفائی بھی کر رہا ہے۔ خاتون کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی۔

''عین ممکن ہے کہ وہ اپنی بری فطرت کی بناء پر آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

''اوجیں جی' وہ مجھے کیا نقصان پہنچائے گا۔ اور پہنچا بھی دے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔''

''آپ جیسی شریف الطبع اور معاف کیجئے' خوبصورت خاتون کو پسند نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''کوئی وجہ نہیں جی۔ بس وہ بگڑا ہوا ولایتی ہے۔ میرے باپ کے دور کے رشتے کے بھائی کا بیٹا ہے۔ میرے بابا بہت نیک آدمی تھے جی۔ رمضان کے باپ شعبان کو انہوں نے ہمیشہ اپنے پاس رکھا۔ ٹکڑ گدے ہیں جی یہ لوگ۔ میرے باپ نے ہمیشہ ان کی مدد کی۔ رمضان کو تعلیم بھی میرے باپ نے ہی دلائی جی۔ جب اس کا باپ مرا تو مرتے وقت اس نے ایک آرزو کی۔ اس نے کہا جی کہ جوان ہو کر میرا بیاہ رمضان سے کر دیا جائے۔ اور میرے باپ نے مرتے ہوئے شعبان سے وعدہ کر لیا جی۔ بس انہوں نے اس کی اور پڑھائی شروع کرا دی۔ اسے ولایت بھجوا دیا اور وہاں جا کر وہ زنانہ ہو گیا جی' بگڑ گیا' سوکھ گیا۔ میں گاؤں کی پلی ہوں جی۔ ایک بھینس میرے نام تھی۔ جان تھی جی میرے اندر۔ اور باپ کی اکیلی ہونے کی وجہ سے میرے ٹور بھی زیادہ تھے۔ مگر جی اپنے شوہر کی ہمیشہ میں وفادار رہی مسلمان لڑکیوں کی طرح۔ تو جی وہ واپس آ گیا۔ مگر وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا' مگر مجبور تھا۔ اور اس نے مجبوراً مجھ سے شادی کر لی۔ میں جی مزاج کی تیز ضرور ہوں مگر وہ میرا شوہر ہے۔ ہر عورت چاہتی ہے جی کہ اس کا مرد' مرد' مگر مجھے واقعی زنانہ ملا

تھا۔ سرخی پوڈر میں ڈوبا ہوا۔ میک اپ میں تین تین گھنٹے خرچ کرنے والا۔۔ بھلا یہ مردوں کی باتیں ہیں۔ مرد تو وہ ہوتا ہے جی جو عورت کی ذرا سی غلطی پر پر چار چوٹ کی مار مارے اس میں۔ اس کا ایک تھپڑ شکل بدل دے عورت کی۔ پر اس کا ہاتھ بطخ کے پیروں کی طرح ہے' ہڈی اور کھال' بس جی۔ میں برداشت کرتی رہی اسے اور جب مجھے وہ مرد نہ لگا تو میں مرد بن گئی۔ دیکھو نا جی گھر میں ایک مرد کا ہونا تو ضروری ہے۔ جو کام وہ نہ کر سکا وہ میں نے شروع کر دیے۔ اس نے مجھ پر ہاتھ نہ اٹھایا' میں نے اس کی مرمت شروع کر دی۔ وہ کہتا ہے کہ میں جاہل ہوں۔ تعلیم نہیں ہے میرے پاس۔ پر میں کہتی ہوں کہ جو بھی ہوں اس کی بیوی تو ہوں۔ اب وہ ہنسی خوشی میرے ساتھ زندگی بسر کرے۔''

مضطرب صاحب حیرت سے منہ پھاڑے یہ داستان سن رہے تھے۔ پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''اس صورت حال پر ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔۔۔''

''جو کچھ کہا ہے بعد میں سنا دیں جناب۔ اگر وہ زخمی مر گیا تو۔'' ظفری نے جلدی سے کہا۔ اور مضطرب صاحب سنبھل گئے۔

''اوہ جی ہاں۔ جی ہاں' ٹھیک ہے۔ آپ مطمئن رہیں خاتون ہم آپ کی پوری مدد کریں گے۔ اجازت دیجیے۔ خدا حافظ۔''

''سنو جی۔'' ایک بات سنتے جاؤ۔ اگر رمضان کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو۔۔۔۔''

''آپ بالکل مطمئن رہیں۔ بالکل بے فکر رہیں۔'' مضطرب صاحب اٹھتے ہوئے بولے اور دونوں باہر نکل آئے۔ ظفری نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے پوری رفتار سے آگے بڑھا دی تھی۔

رقم دس ہزار تھی اور مضطرب صاب نے نہایت دیانتداری سے اسے ان لوگوں کے حوالے کر دیا تھا' لیکن ابھی اس کی تقسیم کا وقت نہیں تھا۔ سعدی اور شکیلہ نے پورا کیس پوچھا اور

ظفری نے تفصیل بتا دی۔

''صورت حال ابھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ کیس ختم نہیں ہوا۔''

''اب کسی نئی صورت حال کی توقع نہ رکھی جائے' جو ہونا تھا ہو چکا ہے' اب مزید کچھ نہ ہوگا۔''

''ہم آپ سے متفق نہیں ہیں مضطرب صاحب۔ ان حالات کے نتائج دیکھنا ہوں گے۔'' ظفری بولا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''تین دن انتظار کرنا ہوگا پروفیسر۔ آپ نے اس کیس کو ایک نیا رنگ بخش دیا ہے۔ وہ تو صرف تقدیر یاور تھی کہ ہم بغیر کسی پریشانی کے یہ حرکت کر آئے۔ اس کے علاوہ یہ رقم' صرف جعلسازی سے حاصل کی گئی ہے۔ اس کا حصول ضمیر کو مطمئن نہیں کرتا۔ صرف دھوکہ دے کر رقم حاصل کر لی ہے۔''

اس بات پر مضطرب صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ دیر تک سوچتے رہے۔ پھر وہ سعدی کی کرسی سے اٹھ گئے۔ ''درست ہے۔ یہ تو درست ہے اس کا مطلب ہے کہ میں اس کرسی کے لائق نہیں نکلا۔ مجھے اعتراف ہے اور میں یہ کرسی چھوڑ رہا ہوں۔''

''نہیں مضطرب صاحب ابھی تشریف رکھیے۔ اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنا ہے آپ کو۔'' سعدی بولا۔

''میرا خیال ہے میں۔۔۔۔''

''نہیں نہیں ابھی ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم آپ کے ماتحت ہیں' ہم بھی غور کریں گے۔ یہ تو مشترکہ معاملہ ہے۔ اس کیس کا جو بھی فیصلہ ہو۔ بہرحال یہ آپ کا کیس ہے۔'' سعدی نے کہا۔ اور مضطرب صاحب پر اضطراب انداز میں بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے اثرات نمایاں تھے۔

لیکن دوسرے لمحے ان کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ وہ سہمے ہوئے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنے والا رمضان عادل کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ رمضان کے چہرے پر تین جگہ ٹیپ چپکے ہوئے تھے۔ چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ تھی۔ مضطرب صاحب کو دیکھ کر اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

'تت۔ تشریف لائیے۔''

''تم میٹر ریڈر ہو؟ کیوں' اور تمہارا ساتھی کہاں ہے؟'' اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اندر تت تشریف۔۔۔۔'' مضطرب صاحب ہکلائے۔

''میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔ کچا چبا جاؤں گا سمجھے۔'' اس نے بدستور غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بجا ارشاد۔ اندر تشریف لے چلیں۔'' مضطرب صاحب بولے۔

''اندر کے بچے کیا تم۔'' اس نے مضطرب صاحب کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن مضطرب صاحب نے اندر چھلانگ لگا دی۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ گھبرا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ رمضان عادل ان کے پیچھے اندر گھس آیا۔

اسے دیکھ کر وہ تینوں بھی گھبرا گئے تھے۔ لیکن سعدی نے سنبھالا لیا اور کسی قدر کرخت لہجے میں بولا۔

''آ گئے آپ۔ تشریف لائیے۔ میں شدت سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔''

''فراڈ ہو تم لوگ۔ جھوٹے بے ایمان ہو۔ میں تم لوگوں سے اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔''

''بہتر ہے۔ نوٹ کر لیا ہے ہم نے۔'' سعدی بولا۔

"میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔"

"جان سے مارنے سے پہلے یا بعد میں؟"

"تم سب لوگ۔ میں کہتا ہوں۔ یہ دونوں میری کوٹھی کیوں گئے تھے؟" رمضان عادل گرج کر بولا۔

"اگر آپ شرافت سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں رمضان صاحب تو بیٹھ جائیے' ورنہ ایک لمحے میں باہر نکل جائیے۔ دوسری صورت میں۔" سعدی نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھالیا۔

"کیا مطلب؟ کیا مطلب؟" رمضان عادل کا منہ تعجب سے کھل گیا۔

"آپ جیسے لوگوں کی نشاندہی کے لیے پولیس ہمیں ہر ماہ معقول رقم دیتی ہے اور اس کی ہدایت ہے کہ آپ جیسے لوگوں کی نشاندہی میں دیر نہ کی جائے۔"

"یعنی۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ یعنی ظلم مجھ پر ہوا ہے اور آپ۔ ارے ارے۔ یہ کیا کر رہے ہیں؟" رمضان عادل نے سعدی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے نمبر ڈائل کرنے سے روک دیا۔

"یعنی اب آپ تشدد بھی کریں گے؟" سعدی نے کہا۔

"نہیں۔ پلیز میری بات سن لیں۔ میں مظلوم ہوں۔ میرے پورے بدن میں درد ہو رہا ہے۔ آپ تصور نہیں کر سکتے میری کیا درگت بنی ہے۔ نوکر مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے ہیں اور۔۔۔ اور۔۔۔" رمضان عادل کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں اپنی مشکل بیان کریں تو دوسری بات ہے۔ پہلے بھی آپ سے کہا گیا تھا لیکن آپ کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔"

رمضان عادل کرسی پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر اس نے اپنا چہرہ سہلاتے ہوئے کہا۔ "کیا میرا گال سوجھ رہا ہے؟"

"جی نہیں' سب خیریت ہے۔" سعدی بولا۔ "کچھ پئیں گے آپ؟"

"کچھ نہیں بس ایک گلاس پانی پلوا دیجیے۔"

"مضطرب صاحب۔" سعدی نے آواز دی اور مضطرب صاحب تیزی سے باہر نکل گئے۔ پانی کا پورا گلاس حلق میں ڈالنے کے بعد رمضان گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

"میرے ساتھ بہت برا سلوک ہوا ہے۔"

"نظر آ رہا ہے۔" سعدی بولا۔

"اور اس کی وجہ یہ دونوں حضرات ہیں۔"

"جی نہیں۔" سعدی نے گردن ہلائی۔

"کک۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کریں گے؟" رمضان عادل غصیلے لہجے میں بولا۔ "ہرگز نہیں انکار بھی کریں گے۔ لیکن اس کی وجہ آپ ہیں رمضان صاحب' بلکہ رمضانی صاحب۔" سعدی بولا۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"سنجیدگی سے بیٹھ کر گفتگو کریں تو آپ کو مطلب بھی بتایا جائے۔ ایسی بھاگ دوڑ میں ہم گفتگو کرنے کے عادی نہیں ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" رمضان عادل بولا۔

"قطعی سنجیدہ؟"

"جی ہاں۔" رمضان عادل نے ناک چڑھا کر کہا۔

"تو پھر ذرا تفصیل سے گفتگو ہو جائے۔ محترم رمضان عادل عرف رمضانی صاحب۔ آپ یورپ سے تشریف لائے ہیں یہ لائے گئے تھے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ بہرصورت آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے ادارے کا اشتہار پڑھ کر آپ نے اپنے ذہن میں

ایک منصوبہ ترتیب دیا۔ آپ چاہتے تھے بلکہ آپ یہ سمجھے تھے کہ ہمارا ادارہ چوروں' ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا ادارہ ہوگا یعنی ایسے یورپین ادارے کی مانند جس میں چند جرائم پیشہ افراد جمع ہوکر ہر قسم کی غیر قانونی کارروائیاں کرتے ہیں۔ وہ قتل و غارت گری بھی کرتے ہیں' لڑائیاں بھی کرتے ہیں۔ جہاں انہیں مناسب مال نظر آتا ہے۔ وہاں وہ ہر قسم کی غیر قانونی حرکات کا ارتکاب کر لیتے ہیں اور اس میں انہیں کوئی عار نہیں ہوتا۔ کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ ہماری حکومت ایسے اداروں کے لیے لائسنس جاری نہیں کرتی۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ کیا آپ نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہے؟"

"جی نہیں۔" رمضان صاحب عادل نے جواب دیا۔

"سوچنا چاہیے تھا آپ کو کیونکہ آپ اس ملک کے شہری ہیں۔' آپ یورپ کے انتہا پسندوں یا زندگی سے بیزار افراد کے درمیان نہیں ہیں جہاں افکار و اقدار کا فقدان ہے' جہاں دولت کے حصول کے لیے ہر وہ کام کر لیا جاتا ہے جو کسی طرح سماج اور معاشرے کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ بیویوں اور شوہروں کے قتل عام کے قصے وہاں عام ہیں۔ کیا آپ پاکستان کو بھی وہی شکل دینا چاہتے ہیں؟" سعدی نے انہیں گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ مم میرا مطلب ہے ہرگز یہ نہیں تھا کہ میں اپنی بیوی کو قتل کرا دوں۔"

"تو پھر کیا مطلب تھا آپ کا؟"

"بس میں چاہتا تھا کہ ہم دونوں کے درمیان طلاق ہو جائے۔"

"جی' لیکن اس کی وضاحت آپ نے نہیں فرمائی۔ میرا خیال ہے آپ کے خیالات میں تبدیلی حال ہی میں رونما ہوئی ہے' تاہم اگر آپ کا وہ مقصد بھی تھا تو بہرصورت ہم نے آپ کو پیشکش کی تھی کہ ہم آپ کی امداد کے لیے تیار ہیں۔ لیکن آپ نے اسے مسترد کر دیا اور یہاں سے چلے گئے۔"

"تت۔۔۔۔ تو آپ میرے پیچھے کیوں لگ گئے؟" رمضان عادل نے پوچھا۔

"محترم اس کی ایک بنیادی وجہ ہے' وہ یہ کہ ہمارا ادارہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ چوروں اور ٹھگوں کے گروہ کا اڈہ نہیں ہے۔ بلکہ ہم قانون کے دائرہ کار میں رہ کر لوگوں کی امداد کیا کرتے ہیں۔ آپ نے محترمہ سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ ہمارے ذہن میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ ہم نہ سہی کسی اور کے ذریعہ آپ یہ مذموم فعل انجام دے دیں گے۔ کیونکہ ضمیر فروشوں کی یہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک انسانی زندگی کی بقا کے لیے ہمیں میدان عمل میں آنا پڑا۔ اب ہم آپ کے نہیں جمیلہ بیگم کے محافظ ہیں۔ کیا سمجھے آپ؟"

"مل چکے ہو اس سے؟ کیا اسے کسی محافظ کی ضرورت ہے؟" رمضان عادل نے کٹے لہجے میں کہا۔

"بدبختی یہی ہے کہ آپ نے یورپ میں پرورش پائی ہے۔ اور نہ جانے کتنے عرصہ قبل آپ یورپ سے تشریف لائے ہیں۔ لیکن ابھی تک خود کو یہاں کے ماحول میں ضم نہیں کر سکے۔ قبلہ مشرقی عورت کے ذہن میں ہمیشہ تحفظ کی طلب رہتی ہے' بلکہ یوں سمجھ لیں یہ اس کی فطرت ہے جو بچپن سے پروان چڑھتی ہے۔ جب وہ معصوم ہوتی ہے تو باپ اس کا محافظ ہوتا ہے۔ باپ بوڑھا ہو جائے تو یہ ذمہ داری بھائی سنبھالتا ہے اور ان دونوں کے بعد شوہر۔ اس کی یہ ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ اور اگر وہ محافظ سے محروم ہو جائے تو بری طرح بھٹک جاتی ہے۔ جیسے بیگم رمضان۔"

"کیا مطلب؟"

"بات ذرا تفصیلی ہے رمضان صاحب۔ آپ کچھ سوالات کے جواب دیں۔" سعدی' ظفری اور مضطرب صاحب کی سنائی ہوئی کہانی کی روشنی میں بول رہا تھا اور انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سعدی رمضان کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

"جی فرمایئے۔"

”عورت کی تین اقسام ہیں۔ قسم اول عورت‘ قسم دوئم عورت اور قسم سوئم بھی عورت۔ آپ اسے برہنہ کرکے سڑکوں پر لے آئیں۔ وہ عورت رہے گی حاکم مگر محکوم۔ آپ اسے لباس عطا کردیں۔ وہ عورت رہے گی۔ آپ کی وفادار۔ آپ کی امین۔ آپ اسے سر پر بٹھالیں‘ اس سے خوفزدہ رہیں وہ اس وقت بھی عورت رہے گی۔ آپ سے جھنجھلائی ہوئی آپ کی طالب۔“

”فلسفہ کبھی میری کھوپڑی میں نہیں اترتا۔“

”یہ آپ کی کھوپڑی کا قصور ہے اور کسی کا نہیں۔“

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“ رمضان جھنجھلا کر بولا۔

”کہنا نہیں سننا چاہتا ہوں۔ آپ کو اپنی بیوی سے کیا اختلاف ہے؟“

”میں نے اسے کبھی بیوی نہیں محسوس کیا؟“

”کیوں؟“

”وہ ایک ایسے شخص کی بیٹی ہے جس نے میرے اوپر احسانات کیے تھے اور ان احسانات کا صلہ اس طرح وصول کیا کہ اسے میرے پلے باندھ دیا۔“

”آپ ابتداء ہی سے محترمہ سے نفرت کرتے ہیں؟“

”وہ جاہل ہے‘ اکھڑ مزاج ہے۔ میرے ساتھ بدسلوکی کرتی ہے۔“

”وہ مشرقی ہیں۔ مکمل عورت ہیں اور آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔“

”تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو؟“

”جی ہاں‘ اس لیے کہ آپ نے انہیں جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اچھا اگر وہ سخت مزاج نہ ہوتیں تو آپ ان سے نفرت کرتے؟“

”شاید نہیں۔ لیکن مجھے یہ احساس ہمیشہ رہے گا کہ میں اس کے باپ کی دولت پر پلا ہوں۔“

”یہ آپ کا اپنا احساس ہے۔ آپ کی بیگم اس کا کبھی خیال بھی نہیں آیا ہوگا۔ آپ نے

اپنے احساس کے تحت خواہ مخواہ ان کی حکومت خود پر مسلط کرلی۔ کاروباری امور تو آپ چلاتے ہوں گے۔ آپ نے اس دولت کو فروغ دیا ہوگا۔ پھر آپ اس احساس کا شکار کیوں ہیں؟ آپ ان پر حکومت کریں‘ انہیں اپنے اشاروں پر نچائیں۔ چار دن میں کھیل بدل جائے گا۔“

”چار دن میں؟“

”صرف چار دن میں۔ انہیں اپنی پسند کا لباس پہنائیں۔ اگر میل و جحت ہو تو حق مردانگی استعمال کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”آپ کیوں میری جان کے گاہک ہوئے ہیں۔ موت کے خواہشمند ہم میری؟“ رمضان صاحب بولے۔

”آپ عمل کریں رمضان بھائی۔ ادارہ آپ کی زندگی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ بلکہ تحریری طور پر لکھ کر دیتا ہے۔“

”میری حالت دیکھ رہے ہو؟“ رمضان نے کہا۔

”جی ہاں۔“

”یہ تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ تم خفیہ پولیس والے بن کر گئے تھے نا؟“

”صرف اس لیے کہ ہم نے آپ کا کیس لے لیا تھا۔“

”مگر میرے اوپر الزام تراشی کیوں کی؟“

”واقعات کو آگے بڑھانے کے لیے۔“ سعدی نے جواب دیا۔

”مگر واقعات بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔“ رمضان نے کراہ کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”قطعی نہیں۔ بس آپ کو تھوڑی سی ہمت کرنی ہوگی۔ اگر ہم آپ کو ایک خوشگوار زندگی دے سکے تو ہمیں مسرت ہوگی اور آپ کو اپنی بیوی سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجرموں کے کسی گروہ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ محترم یہ ہمارا ملک ہے ہم یہاں قتل و غارت گری کی رسم نہیں ڈالنا چاہتے ہم برائی کی جڑیں کھود پھینکنا چاہتے ہیں۔ جایئے رمضان صاحب آج سے ابتداء

کریں۔ صرف ایک ہفتہ۔ ایک آزمائشی ہفتہ۔ اور اس کے بعد ہمارا معاوضہ ہمیں ادا کریں۔ بشرطیکہ آپ کے ذہن میں کوئی اور گل نہ کھل رہا ہو؟"

"گل؟"

"جی ہاں۔ کوئی حسین پھول جسے دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں روشنی پیدا ہو رہی ہو۔"

"اللہ کے واسطے میری جان بخشی کر دو۔ ایسی کوئی بات اس کے کانوں میں نہ پہنچا دینا۔" رمضان رو کر بولا۔

"بس تو پھر جائیے۔ لباس سے نکتہ چینی کی ابتداء ہونی چاہیے۔ کچھ برتن وغیرہ توڑیں۔ دروازے کو لات ماردیں۔ اور اس کے بعد آپ خود سمجھدار ہیں۔"

"مروادیا۔ بالکل مروادیا۔ ایک وعدہ کرو۔"

"جی فرمائیے۔"

"جس وقت بھی میرا فون ملے، میری مدد کو پہنچ جاؤ گے؟"

"وعدہ۔" سعدی نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رمضان عادل چلا گیا اور مضطرب صاحب خوفزدہ لہجے میں بولے۔

"ہسپتال سے واپسی پر وہ سیدھا یہیں آئے گا۔ اور اس بار پستول لے کر آئے گا۔ یہ میری پیش گوئی ہے۔"

"ہسپتال سے واپسی پر؟"

"تو اور کیا۔ جو مشورہ تم نے اسے دیا ہے، وہ اسے کم از کم ایک ماہ کے لیے ہسپتال ضرور پہنچا دے گا۔" مضطرب صاحب بولے۔

"آپ نے کبھی شادی کی ہے مضطرب صاحب؟"

"شکل سے پاگل نظر آتا ہوں تمہیں؟"

"تو پھر جائیے یہ باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ جائیے آرام کیجیے۔" اور

مضطرب صاحب چلے گئے۔ رقم کی تقسیم کے لیے پندرہ دن بعد کی ایک تاریخ متعین کر لی گئی تھی۔
لیکن ٹھیک ایک ہفتے کے بعد مضطرب صاحب چائے لینے گئے ہوئے تھے۔ لیکن وہ چائے کے بغیر آندھی طوفان کی طرح اندر آئے تھے۔

"بھاگو۔ نکل چلو اندر سے۔ میں کہتا ہوں جلدی کرو۔"

"کیا ہوا؟ کیا بدحواسی ہے مضطرب صاحب؟"

"پیلی کار نیچے آکر رکی ہے۔ اس سے رمضان عادل اترا ہے۔"

"کیفیت کیا ہے؟"

"میں نے صرف اس کی شکل دیکھی ہے۔ ارے بھائی جلدی کرو۔ ارے بھائی جلدی کرو۔" مضطرب صاحب خود دوسرے کیبن میں جا کر چھپ گئے۔ سعدی ظفری اور شکیلہ نے بھی ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے تیاریاں کر لی تھیں۔

رمضان عادل کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی تھی۔ رمضان صاحب سعدی اور ظفری سے بڑے پرخلوص انداز میں گلے ملے۔ اور پھر جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر سعدی کو پیش کر دی۔

"یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیے۔ میں بے حد شکر گزار ہوں۔"

"سب خیریت ہے نا؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔ بیگم ان دنوں ہسپتال میں ہیں لیکن بہت مطمئن اور مسرور دکھائی دیتی ہیں۔ اور مجھے سرتاج کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔"

"ہسپتال میں؟"

"جی ہاں۔ سر پھٹ گیا تھا ان کا۔ باقی سب خیریت ہے۔" رمضان نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

سب سے بڑا مسئلہ مطلق صاحب کا تھا۔ بیگم مطلق تو سیدھی سادی تھیں۔ کوئی بات ان کے پلے نہ پڑتی لیکن جناب مطلق جہاندیدہ تھے اور کسی بھی الٹی سیدھی بات پر ان کے کان کھڑے ہو سکتے تھے۔ بیگم صاحبہ تو دعوت دے کر چلی گئی تھیں لیکن یہ لوگ الجھن میں پڑ گئے۔

''اس دعوت کو ٹالا نہیں جا سکتا سعدی۔ ویسے بھی لوگوں سے ہمارے تعلقات ہونے چاہئیں۔ اس قسم کے ادارے اسی طرح چلتے ہیں۔ میرے خیال میں بیگم صاحبہ تو اب ہماری مستقل گاہک بن گئیں۔ کسی بھی مشکل میں پڑیں تو ہماری ہی مدد حاصل کی جائے گی۔''

''میرا خیال کچھ اور ہے ظفری۔'' سعدی بولا۔

''کیا؟''

''بیگم ہدایت پور ہمارے سلسلے میں جذباتی ہو گئی ہیں۔ یوں بھی معاملہ بے حد گمبھیر تھا۔ عزت پر آ بنی تھی۔ میرے خیال میں ہم لوگ ان کے لیے کافی کارآمد رہے ہیں۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ابتداء میں وہ بے حد پریشان تھیں۔ جب میں نے انکشاف کیا کہ میں ان کا داماد نہیں ہوں تو گویا انہیں نئی زندگی ملی تھی۔ بیگم صاحبہ سے اچھی جان ہو گئیں۔ لیکن یار سعدی کہیں معاوضے کی رقم گول نہ ہو جائے۔''

''ویسے اصولاً تو اس کی ادائیگی ہو چکی ہے۔ بلکہ پچیس ہزار کے بجائے تیس ہزار وصول ہو گئے۔ اس کے بعد ہمیں کوئی معاوضہ نہیں لینا چاہیے۔ شکیلہ نے کہا۔

''یا پیرو مرشد۔ بعض اوقات آپ پٹڑی سے اتر جاتی ہیں۔ عزیزم یہ دولت اس کائنات کی سب سے بڑی چیز ہے۔ تمام رشتے ناتے اس کے درمیان آ کر بری طرح پس جاتے ہیں۔ کوئی رشتہ کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ دولت کے ذریعے جو رشتہ قائم ہو وہ سب سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے۔ اور پھر بات کسی طور غیر اصولی نہیں ہے۔ ہمیں فون ان زوجۂ غیر منکوحہ نے کیا تھا۔ ان کی مشکل یہ تھی کہ وہ کسی کو اپنا شوہر نامدار ظاہر کر کے اس رشتے سے جان بچانا چاہتی تھیں۔ سو ان کی جان بچ گئی۔ معاوضہ مع بخشش وصول۔ دوسرا کیس بیگم صاحبہ کا تھا۔ اور اس کی نوعیت بھی الگ تھی۔ یعنی وہ چاہتی تھیں کہ نواب جلال الدین اپنی زبان سے اس رشتے سے انکار کر دیں۔ اور وہ کام ہو گیا جو وہ کسی اور ذریعے سے نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ معاوضہ تو الگ ہوا۔''

''ان حالات میں معاوضہ مانگو گے؟'' شکیلہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اصل معاملہ تو یہی ہے۔ بہرحال امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ دعوت پر چلنا ضروری ہے۔ آگے تقدیر ہے۔'' ظفری نے گہری سانس لے کر کہا۔

''معاملہ وہی مطلق صاحب کا آ پڑتا ہے۔'' سعدی نے کہا۔

''کوئی بات نہیں رسک لیا جا سکتا ہے۔ بیگم ہدایت پور کو ہدایت کر دی جائے کہ وہ ان لوگوں کے سامنے ڈی ڈی لمیٹڈ کے بارے میں کوئی گفتگو نہ کریں۔''

''سیدھا راستہ اپناؤ۔ سیدھی سی پالیسی ہے۔ بلاوجہ الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ؟'' شکیلہ نے کہا۔

''تو پیرو مرشد پھر ان بے چاروں کو بھی کیوں الجھن میں رکھا جائے میری مراد مطلق صاحب وغیرہ سے ہے۔ کیوں نہ ہم انہیں بھی اپنے کاروبار کے بارے میں بتا دیں۔ کوئی غلط کاری تو نہیں کر رہے ہم۔'' ظفری بولا۔

''جلدی نہیں ہے، کسی مناسب موقع پر سہی۔'' شکیلہ نے جواب دیا۔

''اس سلسلے میں ہمیں احتیاط کرنی ہوگی۔ نہ جانے آگے چل کر کیا کیا کرنا پڑے۔ مطلق

صاحب ٹھیرے سیدھے سادے شریف آدمی۔ کہیں خود بھی دفتر میں بیٹھنے کی پیشکش نہ کردیں۔"

"ارے باپ رے۔ ہاں اس بات کے امکانات تو ہیں۔"

"میرے خیال میں ہم فضول باتوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ کل کے بارے میں سوچو۔" شکیلہ نے کہا۔

"بس سوچنا لیا ہے۔ کل چلیں گے۔ ایک گاڑی کرائے پر حاصل کریں گے۔" شکیلہ نے بات ختم کردی۔

"میں کہتی ہوں دعوت میں جارہے ہو یا بردکھاوے میں۔ بس تیار بھی ہو چکو دیر ہورہی ہے۔" بیگم صاحبہ نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ اور مطلق صاحب نے پرفیوم کی شیشی رکھ دی۔

"کمال ہے بھئی۔ محلہ گھانچی پورہ نہیں جارہے۔ ہدایت پور جارہے ہیں' ہدایت پور۔ اور وہ بھی بیگم نواب ہدایت پور کے مہمان بن کر۔ نہ جانے آپ کو کیا ہوگیا ہے اہلیہ۔ کہاں ہمارے بننے سنورنے کے دوران سامنے کھڑی رہتی تھیں کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور آج کیا ہوا۔ یہ ذرا برش تھامیے اور پشت سے شیروانی صاف کردیجیے۔" مطلق صاحب نے برش بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"تو یہ ہے' کتنی تیز بو آرہی ہے۔ پرفیوم کی شیشی میں کچھ چھوڑا ہے آپ نے۔" بیگم صاحبہ نے ان کی شیروانی میں کھریرا کرتے ہوئے کہا۔

"چھوڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ تو مجسم خوشبو ہیں اور یہ مصنوعی خوشبو آپ کے بدن کی بھینی بھینی خوشبو کے سامنے بے حقیقت ہے۔ اس لیے آپ کو تو اس کی ضرورت ہی نہ تھی سو ہم نے استعمال کرڈالی۔ اب بار بار ایسی دعوتیں کہاں ملتی ہیں۔ اور پھر ایسی چیزوں سے شخصیت بنتی ہے۔ ہمارے بچوں کا حلقہ احباب معمولی نہیں ہے۔ ہوگئیں فارغ آپ؟"

"ہوگئی۔" بیگم صاحبہ نے برش ایک طرف ڈال دیا۔

"بچے تیار ہو کر ہمیں پوچھیں تو کہیں بس دس منٹ تک آئے۔ یہ گئے اور وہ آئے۔"

مطلق صاحب نے کہا۔

"کہاں چلے؟ کہاں چلے؟" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"بس وہ ذرا توفیق صاحب سے مل آئیں۔ بتائیں گے انہیں کہ کہاں جارہے ہیں؟ ہونہہ' کہتے تھے صاحبزادہ گان رنگ محل میں ویٹر ہیں' ویٹر اب ذرا دیکھیں کہ یہ ہوٹل کے ویٹر کیا اہمیت رکھتے ہیں۔"

"ساری عمر گزر گئی یہ اوچھی حرکتیں نہ گئیں۔ توفیق صاحب کے ہاں جا کر لگا دینا کئی گھنٹے۔ میں کہتی ہوں چپکے بیٹھے رہو۔ اب زیادہ وقت نہیں ہے۔" بیگم صاحبہ نے ان کی آستین پکڑتے ہوئے کہا اور مطلق صاحب مجبوراً خاموش ہوگئے۔

شکیلہ' ظفری اور سعدی تیار تھے۔ بس اس جوڑے کی تیاریوں کا معاملہ تھا۔ سو بہرحال وہ وقت بھی آگیا جب اندر سے تیاریاں مکمل ہوجانے کی اطلاع ملی اور تھوڑی دیر کے بعد کرائے کی کار ہدایت پور کی طرف چل پڑی۔

باقی تو سب ٹھیک تھا لیکن مضطرب صاحب کی رگ شاعری کئی بار پھڑکی تھی اور انہوں نے گردن موڑ کر چیلنج کرنے والی نگاہوں سے مطلق صاحب کو دیکھا تھا۔

مطلق صاحب بھی ایک بہادر شاعر کی طرح مقابلے پر آمادہ تھے۔ لیکن بیگم صاحبہ انہیں سنبھالے ہوئے تھیں اور ظفری اور سعدی مضطرب کو۔ مضطرب صاحب اگلی سیٹ پر ظفری کے ساتھ بھنچے بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسری طرف سعدی ڈرائیونگ کررہا تھا۔ چنانچہ دونوں مطلق صاحب کو پہلو بدلنے کا موقع بھی نہیں دے رہے تھے۔

عقبی سیٹ پر بیگم صاحبہ' شکیلہ اور مطلق صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں کہتی ہوں یہ بار بار تم گاڑی سے اتر کر بھاگنے کی کوشش کیوں کرنے لگتے ہو؟" بیگم صاحبہ سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

"کون بھاگ رہا ہے؟ خواہ مخواہ فضول باتیں مت کیا کرو۔ میں تو بس سنبھل کر بیٹھ رہا

ہوں۔ تم بھی ذرا کھسک کر بیٹھو، شیروانی پر شکنیں پڑ جائیں گی۔"

"تو اتار کر رکھ لو۔ گاڑی سے نیچے اترنے کے بعد پہن لینا۔"

"ارے واہ اتار کر رکھ لوں۔ تاکہ ساری شخصیت خراب ہو کر رہ جائے۔"

دوسری طرف ظفری مضطرب صاحب کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

"خاموش بیٹھے رہیے مضطرب صاحب اگر ایک بھی شعر آپ کی زبان سے پھسلا تو یوں سمجھ لیجیے کہ آپ گاڑی سے پھسل کر نیچے گر پڑیں گے۔"

"ایں۔ شعر۔ ارے وہ ہاں۔ نہیں نہیں، بس یونہی یہ موسم یہ فضائیں، یہ رت، غضب۔"

مضطرب صاحب کا منہ ظفری کے چوڑے پنجے کے نیچے دب کر بند ہو گیا۔ ظفری نے پھر ان کے کان میں سرگوشی کی۔

"اگر فضاؤں، ہواؤں اور آسمانوں کا تذکرہ ہوا تو ہونٹوں کے ساتھ ناک بھی بھینچ جائے گی اور اس کے بعد قبرستانوں کا تذکرہ کرنا پڑے گا۔ سمجھے آپ؟" مضطرب صاحب نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلا دی۔ ظفری نے ہاتھ ہٹایا تو وہ گہرے گہرے سانس لینے لگے۔

"عجیب دعوت ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ ہمیں اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔" مضطرب صاحب نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں، آدم خوروں کے ایک قبیلے میں لے جائیں گے آپ کو اور وہاں سلاخوں پر بھون کر آپ کو کھایا جائے گا۔" سعدی نے جواب دیا۔ مضطرب صاحب ہنسنے لگے۔

کار برق رفتاری سے ہدایت پور کی طرف بھاگ رہی تھی اور پھر بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے محل کے صدر دروازے پر خود بیگم جہاں آراء، ان کے سیکرٹری طارق اور چند معزز لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔ کار صدر دروازے پر ہی روک دی گئی اور تمام افراد نیچے اتر آئے۔

پروقار بیگم صاحبہ بڑی محبت سے بیگم مطلق صاحبہ سے ملیں۔ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جس وقت وہ سعدی اور ظفری کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد واپس پلٹیں تو مطلق صاحب نے بھی

گردن جھکانے کی کوشش کی تھی۔ اور پھر جھینپے ہوئے انداز میں کھڑے ہو گئے تھے۔ بیگم جہاں آراء کے ہونٹوں پر سبک سی مسکراہٹ تھی۔ وہ پر اخلاق انداز میں انہیں اندر لے گئیں اور ایک عظیم الشان ڈرائنگ روم میں انہیں بٹھایا گیا۔

بیگم مطلق کے تو حواس گم ہوتے جا رہے تھے۔ یہ کروفر اور یہ شان دیکھ کر وہ ششدر تھیں اس سے قبل ایسا واسطہ نہیں پڑا تھا۔ سیدھی سادی خاتون تھیں۔ سیدھے سادے لوگوں سے ان کا واسطہ تھا۔ لیکن یہاں کے تو طور ہی مختلف تھے۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور ان کی اس کیفیت کو محسوس کر رہی تھیں اور ان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھائی جا رہی تھی۔ وہ بیگم صاحبہ کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"آپ لوگوں سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ہے۔ سعدی اور ظفری جیسے ہونہار بچوں کے بزرگ میرے لیے جس قدر قابل احترام اور قابل عزت ہیں اس کے بارے میں، میں صحیح الفاظ بیان نہیں کر سکتی، آپ نے میری یہ حقیری دعوت قبول کر کے میری جو عزت افزائی کی ہے اس کے لیے میں آپ کی احسان مند ہوں۔"

"بخدا آپ انکساری کی آخری حدود کو چھو رہی ہیں۔ بیگم صاحبہ شعر کی زبان میں عرض کرتا لیکن مجھے ممانعت کر دی گئی ہے کہ شاعری کو صندوق میں بند رکھوں اور آپ کے شایان شان گفتگو کروں۔" مطلق صاحب نے کہا۔

"او ہو تو آپ شاعر ہیں؟" بیگم صاحبہ نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"حضور والا، مطلق تخلص کرتا ہوں۔"

واقعی واقعی، بڑا اچھا تخلص ہے۔ پھر کبھی آپ کے اعزاز میں ایک مشاعرہ رکھیں گے۔"

"جی۔" مطلق صاحب مسرت سے اچھل پڑے۔

"جی ہاں، ہمیں بھی شعر و شاعری سے بڑا شغف رہا ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"اچھا۔" مطلق صاحب کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"جی ہاں نواب صاحب آف ہدایت پور تو اکثر مشاعرے منعقد کراتے رہتے تھے۔ ان میں بڑے بڑے شعرائے کرام شرکت کرتے تھے' لیکن ان کے انتقال کے بعد ہم اس نعمت سے محروم رہ گئے۔ بس حالات ہمیں اس کی اجازت ہی نہیں دیتے کہ ہم اس سلسلے میں اپنی خواہشات کی تکمیل کریں۔ لیکن ٹھیک ہے آپ سے ملاقات ہوگئی ہے۔ تو پھر اب اس سلسلے میں بھی آپ ہی کا سہارا لیا جائے گا۔"

"بندہ بسروچشم حاضر ہے' جس طرح سے حکم ہوگا' مشاعرے کا انتظام ہوجائے گا۔ ایسا مشاعرہ ہوگا جو صدیوں یاد رہے گا۔" مطلق صاحب فوراً انبساط سے جھوم کر بولے۔

بڑی مسرت ہوئی آپ لوگوں سے مل کر' ویسے بھی میں ان حیرت انگیز نوجوانوں کے بزرگوں کو دیکھنا چاہتی تھی' آپ لوگ تصور نہیں کر سکتے کہ مجھے سعدی' ظفری اور شکیلہ سے کس قدر محبت ہے۔ یہ سب مجھے اپنے ہی بچے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اب آج اس وقت جب آپ سب لوگ میرے سامنے موجود ہیں۔ میں اپنی ایک دلی خواہش کا اظہار کرتی ہوں کہ اگر آپ مجھے اپنے اہل خاندان میں سے ہی تصور کر لیں' تو یہ میری انتہائی خوش بختی ہوگی۔"

"جی میں نہیں سمجھا' بیگم صاحبہ۔" مطلق صاحب نے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ آپ لوگ کوئی بھی ہیں' کہیں بھی رہتے ہیں' مجھے بھی اپنوں ہی میں سے سمجھیں۔ کبھی کوئی ضرورت' کوئی الجھن' کوئی پریشانی مجھے ہو یا آپ کو ہو۔ میری خواہش ہے کہ ہم لوگ اس میں برابر کے شریک رہیں۔"

"بخدا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ آپ جیسا خلوص' آپ جیسا پیار کسی کو مل جائے تو اسے کچھ اور درکار ہوگا؟" مطلق صاحب فٹافٹ بول رہے تھے۔ باقی لوگ مسکرا رہے تھے۔ البتہ بیگم مطلق کی آنکھوں میں ناخوشگواری کے اثرات تھے۔ شوہر کی یہ بک بک انہیں زیادہ پسند نہیں آرہی تھی۔

سادہ دل بیگم صاحبہ ان کی بڑی تواضع کر رہی تھیں۔ انہوں نے کسی طور پر محسوس نہیں

ہونے دیا تھا کہ وہ بڑی شخصیت ہیں۔ برابر کا درجہ دیا تھا انہوں نے ان سب کو۔ البتہ یہ بات انہوں نے محسوس کر لی تھی کہ مطلق صاحب اور بیگم مطلق اس سطح کے لوگ نہیں ہیں جس کے یہ تینوں نظر آرہے تھے۔ فراخدل اور کشادہ ذہن کی مالک تھیں۔ اس لیے انہوں نے اس بارے میں چھان بین نہیں کی۔ کہنے لگیں۔

"اب آپ لوگ میری خواہش پر یہاں آئے ہیں تو ایک اور خواہش کی تکمیل بھی کریں۔ میں کچھ روز آپ لوگوں کو یہاں رکھوں گی۔ پھر جانے دوں گی۔"

"کچھ روز؟" سعدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ کیا حرج ہے۔ کاروبار تو ساری زندگی ہوتا ہی رہتا ہے۔ میری بھی کچھ خواہشات ہیں' تم ان سے انحراف کرو گے؟" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے بیگم صاحبہ' بس کاروباری معاملات ہی ہیں' بہت سی ضرورتیں ہوتی ہیں جنہیں نمٹانا ہوتا ہے۔ آپ کو تو اس کا علم ہے ہی۔" سعدی نے کہا۔

"دیکھو سعدی' اوّل تو مجھے تمہاری یہ بھول جانے کی عادت بالکل ناپسند ہے' چچی جان کہتے کہتے بیگم صاحبہ پر اتر آتے ہو۔ کیا میری شکل پر بیگم صاحبہ لکھا ہوا ہے۔"

"نہیں۔ اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔" سعدی بولا۔

"بہرطور کوئی بھی کام ہو ایک دو دن تو یہاں رکو۔ میں اس طرح نہیں جانے دوں گی۔"

"اوہ جو حکم' ویسے ہم ان تیاریوں کے ساتھ نہیں آئے تھے۔" سعدی نے کہا۔

"تیاریاں کیا کرتی ہیں' کیوں بہن کیا آپ کو کوئی مشکل پیش آئے گی۔" بیگم صاحبہ نے مطلق سے پوچھا۔

"نہیں کوئی مشکل تو نہیں ہے۔ بس گھر کو یونہی چھوڑ آئے تھے۔"

"آپ فکر نہ کریں' سب ٹھیک رہے گا۔" بیگم صاحبہ مصر ہوگئی تھیں۔ بہرصورت انہوں نے کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کو مجبور کر ہی لیا۔

سعدی اور ظفری کے لیے یہ غیر متوقع تھا' لیکن بیگم صاحبہ کے خلوص کے سامنے وہ بھی
کچھ نہ بول سکے۔ رات کا کھانا کھایا گیا۔ لیکن شام سے لے کر اب تک سمن نظر نہ آئی تھی' ان لوگوں
نے پوچھا بھی نہیں تھا اس کے بارے میں۔ البتہ بیگم مطلق نے بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے بچوں
کے بارے میں سوال کر ڈالا تھا۔

''ایک بچی ہے بس' اس کی اپنی مشغولیات ہیں' موجود نہیں ہے اس وقت' جونہی آئے
گی آپ کو سلام کرنے ضرور حاضر ہوگی۔'' بیگم جہاں آراء نے جواب دیا۔

مطلق صاحب موقع نکال کر ایک آدھ شعر دھکیل چکے تھے۔ البتہ انہیں کھل کھیلنے کا
موقع نہیں مل رہا تھا' کیونکہ اس موضوع پر بات ہی نہیں آتی تھی۔ بڑی مشکل سے گھیر گھار کر وہ اس
موضوع پر آتے لیکن درمیان میں کوئی اور بات نکل آتی۔ مضطرب صاحب بے چارے اب اس
محفل سے ہٹ گئے تھے۔ اور کسی کو دوست بنا کر اس محل کی سیاحت میں مصروف تھے۔

رات ہوگئی' تقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ تب بیگم صاحبہ نے ہنستے ہوئے
کہا۔

''بھئی میں اپنی فضول باتوں میں آپ لوگوں کو الجھائے ہوئے ہوں۔ نہ جانے آپ
لوگ کس وقت سوتے ہیں۔ میں بہن کو تو اپنے ساتھ ہی سلاؤں گی۔ باتیں کریں گے دیر تک۔'' بیگم
صاحبہ نے بیگم مطلق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ مطلق صاحب گہری سانس لے کر خاموش ہوگئے۔

سعدی' ظفری' شکیلہ اور مطلق صاحب وغیرہ کا بندوبست بھی ہوگیا تھا۔ سعدی اور
ظفری کو ایک ہی کمرہ ملا تھا۔ شکیلہ البتہ دوسرے کمرے میں تھی۔ مطلق صاحب نے مضطرب
صاحب کے ساتھ ایک رات گزارنا پسند کر لیا تھا۔ لیکن سعدی اور ظفری کو یقین تھا کہ صبح بڑی ہنگامہ
خیز ہوگی۔ دونوں جانی دشمن ہوں گے ایک دوسرے کے۔ کیونکہ اشعار کی چوری میں دونوں ہی اپنا
ثانی نہیں رکھتے تھے۔

سعدی اور ظفری اپنے ذہن میں بے شمار خیالات لیے ہوئے الگ الگ مسہریوں پر

دراز تھے' دونوں ہی کو نیند نہیں آتی تھی' یہ لمحات ان کے لیے بڑے عجیب سے تھے۔ گھریلو زندگی کو تو
وہ ایک طرح سے بھول ہی گئے تھے۔ طویل عرصہ اس طرح گزارا تھا کہ سڑکیں' گلیاں اور فٹ
پاتھ۔ گھر آنگن اور دیواریں محسوس ہوتے تھے۔ کھلا آسمان چھت تھی اور سڑکوں پر آوارہ پھرنے
والے بیشمار افراد ان کے اہل خاندان۔

پھر ان کی شاطرانہ چالوں نے مطلق صاحب کے گھرانے کو ان سے مانوس کرا دیا تھا۔
اور وہ اس گھر سے پوری طرح مخلص ہوگئے تھے۔ انہیں ایک گھر مل گیا تھا' جو ان کے لیے انتہائی
قابل قدر تھا۔ زندگی نے جن راستوں پر لا ڈالا تھا' ان راستوں سے واپسی مشکل تھی۔ لیکن وہ جعل
سازی اور فریب کے ذریعے روزی حاصل کرنے کی بجائے ایک ایسی لائن کی طرف مڑ گئے تھے جو
سماج اور معاشرے کی نگاہ میں اتنی بری نہیں تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ فطرتاً سب کچھ کر لینے پر
آمادہ ہو جاتے تھے۔ لیکن جب حالات نے انہیں اتنا تحفظ مہیا کیا تھا' تب دل ہی دل میں انہوں
نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ قانون یا اخلاق کے خلاف کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جو مالی منفعت تو
دے دے لیکن ذہنی کرب کا شکار بھی رکھے۔ اور ضمیر پر کچوکے پڑتے رہیں۔

تینوں کے درمیان یہ بات طے ہوگئی تھی کہ غیر قانونی کام کو کسی بھی طور پر ہاتھ نہیں لگانا
ہے اور ابھی تک وہ اپنے اسی عزم پر کاربند تھے۔

بیگم صاحبہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا' جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس میں کوئی غلط بات
شامل نہیں ہوئی تھی لیکن بہرصورت بیگم صاحبہ نے انہیں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے ڈالی تھی اور
بالکل اپنوں کے سے انداز میں انہیں یہاں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم سو نہیں رہے' پھر سونے کی اداکاری کیوں کر رہے ہو۔'' سعدی
نے ظفری سے کہا اور ظفری کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

''میرا خیال ہے' مجھے یہاں نیند نہیں آئے گی۔ اجنبی جگہ ہے۔'' ظفری نے کہا۔

''یار ظفری' انسان کس قدر جلد خود کو بھول جاتا ہے' تھوڑے دن پہلے ہم کسی بھی فٹ

پاتھ پر باسانی سوجایا کرتے تھے اکثر یوں بھی ہوا کہ پولیس والوں نے ہمیں ایک فٹ پاتھ سے ہٹایا تو باقی رات ہمیں کسی دوسری فٹ پاتھ پر گزارنی پڑی لیکن آج ان آرام دہ بستروں پر بھی ہم نیند سے محروم ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"ہاں بس انسانی فطرت ہے۔ ظفری گہری سانس لے کر بولا۔

"اس فطرت میں حقیقت پسندی ہمیشہ شامل ہونی چاہیئے ظفری۔" سعدی نے جواب دیا۔

"بھائی میاں یہ فلاسفری کا وقت ہے۔ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو۔ میرا خیال ہے صبح ناشتے کے بعد بیگم صاحبہ سے اجازت لے لیں گے۔ بلاوجہ یہاں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔" ظفری بولا اور سعدی مسکرانے لگا۔

"وہ تمہاری زوجۂ محترمہ کہاں ہیں؟ ان سے ملاقات نہیں ہوئی؟" سعدی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ثمن؟" ظفری بولا۔

"ہوں ہوں۔ کوئی چور لگتا ہے دل میں بڑے بھائی۔ زوجۂ محترمہ کے نام کے ساتھ ہی ثمن کا تصور کیوں ابھر آیا تمہارے ذہن میں؟"

"گویا تم مجھے گھسنے کی کوشش کر رہے ہو۔ بہر حال پتا نہیں ممکن ہے ہم سے ملنا پسند نہ کیا ہو۔" ظفری نے جواب دیا۔

سونے کی کوشش کے باوجود نیند نہیں آرہی تھی اس وقت غالباً رات کا ایک بجا تھا جب اوپر کے روشندان سے کوئی چیز ظفری پر گری اور ظفری چونک پڑا۔

اس نے اس چیز کو دیکھا۔ کاغذ میں لپٹا ہوا ایک گول سا پتھر تھا۔ بے اختیار ظفری کی نگاہیں چھت کی طرف اٹھ گئیں۔ اس چھت میں بھی روشندان موجود تھا۔ ظفری مسہری سے نیچے اتر آیا۔

"کون ہے؟" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ سعدی بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"افسوس روشن دان تنگ ہے اس لیے میں گردن بھی نہیں نکال سکتی، چلو باہر آجاؤ۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم جاگ رہے ہو گے۔" آواز ثمن ہی کی تھی۔

سعدی معنی خیز نگاہوں سے ظفری کو دیکھ رہا تھا اور ظفری گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"آج کیا مصیبت نازل ہوئی ہے آپ پر محترمہ؟"

"میں بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ باہر آجاؤ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" ثمن کی آواز سنائی دی اور ظفری سعدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلے جاؤ بھائی، غیر منکوحہ ہی سہی زوجہ تو ہیں۔" سعدی آہستہ سے بولا اور ظفری نے گردن جھٹک دی۔

"یار یہ کہیں مصیبت نہ بنا دے۔"

"ارے جا جا ایک لڑکی سے اتنا خوفزدہ ہے۔ تو دنیا میں آئندہ کیا کرے گا۔" سعدی نے ظفری کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تم پہنچ رہے ہو یا نہیں۔۔۔۔؟" روشندان سے ثمن آراء کی آواز سنائی دی۔

"باہر نکل کر کیا کروں محترمہ یہ تو بتا دیجئے۔" ظفری نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں تمہارے دروازے کے سامنے آرہی ہوں۔ بس اس کے بعد بتا دوں گی کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ ویسے سعدی تمہارے ساتھ ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"جاگ رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔ اور آپ کی یہ دھمکیاں بخوبی سن رہے ہیں۔" ظفری نے جواب دیا اور اوپر سے ایک ہلکی سی ہنسی کے بعد آواز بند ہو گئی۔ ظفری ایک گہری سانس لے کر دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

راہداری تھی جو سنسان پڑی ہوئی تھی۔ اس میں مدہم سی روشنی تھی' تھوڑی سی آگے چل کر یہ راہداری بائیں سمت مڑ جاتی تھی۔ اس طرف تین سیڑھیاں تھیں اور اس کے بعد کوٹھی کا عقبی حصہ شروع ہو جاتا تھا۔

سیڑھیوں سے ثمن برآمد ہوئی۔ مخصوص م ہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ جو بہر طور کسی طرح سونے کا نہیں تھا۔ بال بکھرے بکھرے سے تھے' چہرے پر وہی لاپروائی اور وہی شرارت موجود تھی۔ جو اس کی فطرت کا خاصہ لگتی تھی۔

"ہوں تو آپ حضرات بیگم ہدایت پور کے مہمان ہیں۔" اس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اگر آپ کی مرضی کے خلاف ہے تو واپس بھی جا سکتے ہیں۔ ویسے بیگم صاحبہ نے بڑی محبت سے بلایا تھا۔" ظفری بولا۔

"آؤ' مجھ سے اوور ایکٹنگ مت کیا کرو' ثمن نے کہا اور اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں اتر گئے۔ دونوں سیڑھیوں کی سیدھ میں بائیں باغ کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ گئے تھے۔ یہاں لمبی لمبی باڑھیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان بیٹھنے کی جگہ موجود تھی۔ ثمن پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئی۔ ظفری اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔

"بیٹھ جاؤ' کھڑے کھڑے کیا کسی کو آواز دینے کا ارادہ ہے؟" ثمن نے کہا اور ظفری گہری سانسیں لے کر بیٹھ گیا۔

"اگر کام میری مرضی کے مطابق نہ ہو جاتا تو میں تمہیں شوٹ کر دیتی۔" ثمن نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"سبحان اللہ تمہید عمدہ ہے۔ مرنے مارنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کون سے کام کی بات کر رہی ہیں آپ خاتون ثمن؟"

"دیکھو ظفری میں نہایت دوستانہ انداز میں تم سے پیش آتی رہی ہوں اور اس کی بنیادی

وجہ یہ ہے کہ میری فطرت میں ہی یہ چیز ہے۔ میں کبھی کسی کو خود سے کمتر نہیں سمجھتی۔ اور خود سے برتر نہیں سمجھتی۔ لیکن اگر کوئی میرے سامنے چالاک بننے کی کوشش کرے تو پھر مجھے اس پر تاؤ آ جاتا ہے۔"

"میں نے کوئی ایسی جرأت کی ہے خاتون؟"

"تم۔۔۔تم میری ماں کی نگاہوں میں میری پوزیشن بے حد خراب کر چکے ہو۔ میں ان سے آنکھ نہیں ملا پاتی جب سے مجھے صورتحال معلوم ہوئی ہے۔"

"کیا صورت حال معلوم ہوئی ہے آپ؟"

"یہی کہ دوہری چال چلتے رہے ہو۔ ایک طرف مجھے میری مرضی کے مطابق مطمئن کر دیا اور دوسری طرف ممی کو۔"

"میں نے بڑے وثوق سے یہ بات کہی تھی۔"

"اگر یہ سب کچھ کہہ دیا تھا تو اسے نباہتے رہتے۔ خواہ حالات کچھ بھی ہوتے۔"

"ارے واہ واہ۔ گویا اپنے آپ کو آپ کا چغد سمجھتا رہتا؟"

"چغد؟" ثمن نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں شوہر اور چغد میں مجھے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا شاید آپ نے میرے ساتھ آنے والے ان حضرت کو نہیں دیکھا۔ جن کا نام مطلق ہے۔ بیگم صاحبہ کے سامنے بالکل چغد معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں سیکڑوں کیس ایسے دیکھ چکا ہوں اور اس کے بعد مجھے آپ کا شوہر بنے رہنا چاہئے تھا اور پھر آپ آزادی سے میرے ساتھ جو بھی سلوک کرتیں۔"

"فضول باتوں سے پرہیز کرو' کیا سلوک کرتی میں تمہارے ساتھ؟"

"کوئی بھی' بیویاں اور وہ بھی ایسی بیوی جو کسی نواب کی بیٹی ہو اور تم جیسی ہو' خدا کی پناہ توبہ توبہ میں تو اپنی نسلوں کو وصیت کر جاؤں گا کم از کم تم جیسی لڑکی سے شادی نہ کریں۔"

"ظفری تم مسلسل میری توہین کیے جا رہے ہو۔ اب میں اتنی گھٹیا اور بری بھی نہیں

ہوں۔"

"کیسی بھی ہیں آپ، لیکن بہرحال میں آپ کا شوہر کسی قیمت پر نہیں بن سکتا۔"

"ارے تو میں بھی کب تمہاری صورت پر تھوک رہی ہوں۔ میں تو بس یہ چاہ رہی تھی کہ ممی کی نگاہوں میں میری پوزیشن خراب نہ ہوتی۔ اس کے بعد جب ہم ان حالات سے نمٹ جاتے تو پھر وہ جو بھی فیصلہ کر دیتیں۔ میری تم سے ایک مصنوعی قسم کی طلاق ہو جاتی کم از کم میری حیثیت تو برقرار رہ جاتی۔"

"خیر اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔"

"نہیں ظفری تم نے زیادتی کی ہے میرے ساتھ۔"

"اس کا ازالہ کر دوں؟"

"وہ کیسے؟"

"کہہ دوں بیگم صاحبہ سے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا غلط کہا تھا' ثمن میری جسم و جان ہے میری روح ہے' میری زندگی ہے۔ میرا سرمایہ حیات ہے' میری شریک سفر وغیرہ وغیرہ۔"

"بک بک بند کرو۔ بس میں تم سے سخت ناراض ہوں۔"

"کاش میں آپ کی ناراضگی دور کر سکتا۔ ثمن صاحبہ۔ خاص طور سے اس لیے کہ آپ بیگم جہاں آراء ہدایت پور جیسی ماں کی بیٹی ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"گویا بذات خود میری کوئی شخصیت نہیں ہے؟"

"نہیں' آپ ایک دلچسپ شخصیت کی مالک ہیں اور اگر آپ کبھی کوئی حماقت نہ کرنے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو اپنے دوستوں میں شامل کر سکتا ہوں۔"

"حماقت نہ کرنے کا وعدہ؟"

"جی ہاں۔"

"اس کی ذرا تفصیل بیان کرو۔" ثمن نے کہا۔

"بھئی دیکھیں ثمن صاحبہ' آپ نواب صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ میرے لیے قابل احترام ہیں۔ اس لیے کہ دنیا نوابوں کو قابل احترام سمجھتی آئی ہے۔ خود میرا نظریہ اس سلسلے میں وہ نہیں ہے جو دوسروں کا ہے' ممکن ہے میری طرح سے بہت سوں کا نظریہ یہ نہ ہو۔ لیکن دولت بہرصورت بعض اوقات انسان کو جھکا دیتی ہے' گو ہمارے تمہارے درمیان دولت کا رشتہ نہیں ہے اس لیے ایک دوست کی حیثیت سے ہم تمہیں قبول کر سکتے ہیں اچھی بھی ہو اچھی باتیں کرتی ہو تیز طرار ہو۔ اور مجھے ذاتی طور پر بھی اور میرے دوستوں کو بھی ایسے لوگ پسند ہیں۔ جو تیز طرار ہوں۔ چنانچہ اگر برابر کی حیثیت سے دوستی کرنا چاہو تو تینوں تمہاری دوستی کے لیے حاضر ہیں۔"

"میں سمجھ گئی۔ تم وہ حماقت والی بات بڑی خوبصورتی سے ٹال گئے۔"

"ہاں ثمن' میں عشق و محبت کی بات کر رہا ہوں' ایسی کوئی بات ہمارے درمیان کبھی نہیں ہونی چاہیے' کیونکہ اکثر ایسے دلچسپ واقعات کی تان محبت پر ٹوٹتی ہے۔ ہیروئن' ہیرو سے متاثر ہو جاتی ہے' اس کے بعد کچھ گانے گائے جاتے ہیں' پہاڑوں پر چھلانگیں لگائی جاتی ہیں۔ سبزہ زاروں میں گھڑ دوڑ ہوتی ہے۔ اس کے بعد بیگم جہاں آراء آف ہدایت پور اپنے اس گل موچھے کے ساتھ' میری مراد طارق سے ہے' بندوق لیے پیچھے دوڑتیں نظر آئیں گی' دھمکیاں دی جائیں گی' غربت کے طعنے دیے جائیں گے' اس کے بعد کچھ ٹریجڈیز ہوں گی اور کہانی کسی نہ کسی شکل میں ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسی کہانیوں کی گنجائش ہمارے پاس بالکل نہیں ہے۔"

"شکل دیکھی ہے اپنی بھی۔ میں بھلا تم سے عشق کروں گی؟"

"مجھ سے نہ سہی' سعدی سے سہی۔"

"بکواس بند کرو' سنجیدگی سے باتیں کرو کچھ۔" ثمن نے کہا۔ اور ظفری گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ان کے علاوہ بھی کوئی اور بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہر چند کہ میں تم سے ناراض تھی' تم نے مجھے بھی دھوکے میں رکھا۔ اگر تم میرے

دوست ہوتے تو وہ بات مجھے بھی بتا دیتے جو تم نے ممی کو بتائی تھی' میرا مقصد تو ان بندروں سے پیچھا چھڑانا تھا' اب اس کے لیے میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور تم نے دوسرا۔ مجھے بھی شریک راز بنا لیتے تو کیا ہوتا؟''

''ممکن ہے بات اس طرح نہ بنتی مس ثمن' بہرصورت وہ لوگ چلے گئے' اب کھیل ختم ہو گیا ہے۔ اب کیا رہ گیا ہے؟''

''ممی کی نگاہوں میں میری سبکی ہوئی ہے۔ میں اپنی پوزیشن بھی صاف نہیں کر سکتی اور خاص طور سے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میں نے ان سے اتنا سفید جھوٹ بولا ہے۔ نہ جانے وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہوں گی۔''

''چلیے یہ سب کچھ میں ٹھیک کر لوں گا۔ ویسے وہ بہت خوش تھیں اس بات سے کہ آپ نے یہ جھوٹ بولا تھا مس ثمن۔ اگر انہیں اس بات کا اطمینان نہ ہو جاتا تو مجھے یقین ہے کہ ان کی حالت بہت خراب ہو جاتی۔''

''ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے' مجھے اس کا احساس ہے۔'' ثمن آراء نے کہا۔

''چنانچہ پرانی باتیں بھول جائیے' اب دیکھیے وہ کتنی خوش ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کی پوزیشن بھی ان کے سامنے صاف کر دوں۔''

''نہیں نہیں' اب اس موضوع پر کوئی بات نہ نکالو ویسے ان کا رویہ میرے ساتھ برا نہیں ہے۔ اس طرح مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ خیر ظفری میں تم سے کچھ اور کام لینا چاہتی ہوں۔''

''وہ کیا؟''

''یہاں نہیں بتاؤں گی۔ یہ بتاؤ یہاں سے کب واپسی ہو گی؟''

''میرا خیال ہے کل بیگم صاحبہ سے اجازت لے لیں گے۔ حالانکہ ان کا ارادہ تو بہت طویل ہے' لیکن ہمارے لیے یہ مشکل ہو جائے گا۔''

''کل کس وقت وہاں پہنچو گے؟''

''بس دوپہر تک۔ میرا خیال ہے اگر بیگم صاحبہ نے زیادہ مجبور کیا تو دوپہر کے کھانے کے بعد۔''

''تو پھر کل نہیں [illegible]وں میں تمہارے پاس آؤں گی۔''

[illegible]وں خا[illegible] بات؟

''بہت خاص' ایک کیس میں تمہارے سپرد کرنا چاہتی ہوں۔'' ثمن نے جواب دیا۔

''اوہ ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ ویسے ثمن صاحبہ اگر آپ محسوس نہ کریں تو وہ رقم واپس لے لیں جو آپ نے مجھے دی تھی۔''

''کیوں؟'' ثمن نے پوچھا۔

''بھئی اب ہمارے اور آپ کے ایسے تعلقات ہو گئے ہیں کہ پیسوں کا لین دین کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''یہ فضول باتیں ہیں۔ لین دین اس وقت ہوا تھا جب ہمارے تعلقات اتنے اچھے نہیں تھے' اس کے علاوہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ تمہارا ذریعہ روزگار بھی ہے۔ میں نے تمہارے لیے ایک اور کیس پکڑا ہے۔ معاوضہ تمہیں وہی ملے گا جو تمہارا مقرر کردہ ہے۔ کام بھی بہت زیادہ مشکل نہیں ہے اور میرا خیال ہے تم ذہین آدمی ہو' اسے بآسانی کر لو گے۔''

''کام کیا ہے؟'' ظفری نے پوچھا۔

''یہ پرسوں ہی بتاؤں گی تمہیں' ایک اور لڑکی بھی میرے ساتھ آئے گی۔ میری دوست ہے' اونچے خاندان کی چشم و چراغ ہے لیکن بے چاری مشکلات میں پھنسی ہوئی ہے۔''

''ضرور تشریف لائیے۔ ہم آپ کا انتظار کریں گے' بلکہ ڈی ڈی ٹی کی طرف سے آپ کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہیں۔'' ظفری نے کہا۔

''اچھا اچھا اب اٹھ جاؤ یہاں سے' بس اتنی ہی باتیں کرنی تھیں تم سے۔''

''کیوں؟ بیٹھیں' دیکھیں چاند نکلنے والا ہے۔''

''اوہو۔ ہو۔ کہیں چاندنی ہمارے لیے خطرناک نہ ثابت ہو۔ میرا مقصد ہے جو وعدہ ہم لوگ آپس میں کر چکے ہیں وہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ اٹھ جاؤ' اٹھ جاؤ' میرے اندر وہ جراثیم ہی نہیں ہیں۔'' سمن نے کہا۔ اور ظفری ہنستا ہوا اٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

سعدی بدستور جاگ رہا تھا اور اس کا منتظر تھا۔ ''میں تو سمجھ رہا تھا کہ ابھی چند لمحوں کے بعد کہیں سے چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہوں گی۔ اور پھر تم پھٹے لباس اور خون آلود حلیے کے ساتھ نظر آؤ گے۔ لیکن یوں لگتا ہے جیسے سب خیریت ہو۔''

''ہاں سب خیریت ہے۔ سمن کو تمام صورت معلوم ہو گئی ہے بس اس کی شکایت کر رہی تھی۔''

''ہوں' کیا معاملہ طے پایا؟'' سعدی نے پوچھا۔

''انتہائی تسلی بخش وہ ایک اور کیس ہمارے حوالے کرنے والی ہے۔''

دوسرا دن انتہائی خوشگوار تھا۔ ابر آلود موسم میں وہ سب ذہنی شگفتگی محسوس کر رہے تھے۔ صبح کے ناشتے کے بعد مطلق صاحب نے واپسی کی خواہش کا اظہار کیا اور بیگم ہدایت پور اس سلسلے میں اصرار کرنے لگیں کہ ابھی کچھ وقت قیام کیا جائے۔ بہت کچھ کہا انہوں نے لیکن ظفری اور سعدی نے بھی ان سے معذرت چاہی اور کہا کہ اب تو وہ جب بھی بلایا کریں گی' وہ ایک ٹیلی فون پر آجایا کریں گے۔ بالآخر انہوں نے بیگم ہدایت پور کو اس کے لیے تیار کر ہی لیا۔ لیکن انہوں نے دوپہر کے کھانے سے قبل واپسی کی اجازت نہیں دی تھی۔ تقریباً تین بجے وہ لوگ وہاں سے واپس چل پڑے۔ دوپہر کے کھانے پر سمن بھی موجود تھی۔ جبکہ صبح کے ناشتے پر وہ نہیں آئی تھی۔ خاموش اور سنجیدہ۔ اس نے ان لوگوں سے کسی لگاوٹ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بیگم صاحبہ بھی خاموش ہی رہی تھیں' البتہ بیگم مطلق نے سمن کو بڑا چوما چاٹا تھا جس کا اس نے کچھ برا بھی نہیں منایا تھا۔ بلکہ

سعادتمندی سے ان کے سامنے گردن جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

واپسی بھی بڑی خوشگوار تھی۔ مطلق صاحب زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ لیکن سعدی اور ظفری کچھ خاموش خاموش سے تھے۔

شکیلہ نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ طویل سفر کے بعد وہ گھر پہنچ گئے' مطلق صاحب کے پاؤں تو زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ سعدی اور ظفری کو گھیر کر بیٹھ گئے۔ اور پوچھنے لگے کہ آخر اتنی بڑی خاتون سے ان کی ملاقات کیسے ہے۔ سعدی اور ظفری کو وہی الٹے سیدھے جھوٹ گھڑنے پڑے تھے' جس سے بے چارے مطلق صاحب مطمئن ہو گئے۔

رات کو تینوں پھر ایک جگہ جمع ہوئے۔ شکیلہ' سعدی اور ظفری کے سنجیدہ چہروں کو دیکھ کر مسکرا پڑی۔

''کیا بات ہے بھئی؟ وہاں سے واپسی کے بعد آپ لوگ بہت سنجیدہ سنجیدہ سے ہو گئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ذہنی طور پر بڑے متاثر ہوں بیگم جہاں آراء ہدایت پور سے۔''

''متاثر تو ہیں لیکن بیگم جہاں آراء سے نہیں' بلکہ ان کے رویے سے۔ انہوں نے ادائیگی کے بارے میں پوچھا تک نہیں۔۔۔۔''

''اپنائیت سمجھی ہو گی۔'' شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار شکیلہ ہماری توقعات کو ٹھیس لگی ہے' لیکن خیر کوئی بات نہیں۔ بعض لوگ تعلقات پیدا کر کے بڑی بچت کر جاتے ہیں۔'' سعدی نے کہا۔

''نہیں بھئی بیگم صاحبہ کے بارے میں اس قسم کے غلط خیالات مت قائم کرو' وہ بے حد عظیم خاتون ہیں۔ لو یہ لفافہ قبول کرو۔'' شکیلہ نے ایک لفافہ ان کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے۔۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔''

''پچیس ہزار ہیں' پچاس ہزار تھے۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ تم دونوں کسی طور زیادہ رقم قبول نہیں کرو گے۔ اس کے لیے بھی میں نے شدید انکار کیا تھا' لیکن وہ کہنے لگیں کہ اصول

اصول ہوتے ہیں۔ اگر وہ بچے مجھ سے کچھ اور نہیں لے رہے تو کم از کم یہ تو ان کا حق الخدمت ہے۔
اسے غصب کر کے میں خود کو پرسکون نہ رکھ پاؤں گی۔ بہرصورت میں نے مجبوراً لے لیا۔"

"بھئی ونڈرفل' یہ تو بہت عمدہ بات ہوئی' اس کا مقصد ہے کہ بیگم ہدایت پور سے محبت کی جا سکتی ہے۔ ویسے کیا خیال ہے کہ ہم لوگوں کا کاروبار مناسب رفتار سے آگے نہیں بڑھ رہا؟" ظفری بولا۔

"یقیناً یقیناً اور میرے خیال میں اس ماہ تو ہماری آمدنی میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے۔"

تینوں بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ ہدایت پور کی باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد اپنی اپنی نشست گاہوں میں پہنچ گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے بعد انہوں نے ثمن کا استقبال کیا۔ ثمن کے ساتھ ایک اور خوبصورت سی لڑکی تھی۔ معصوم سی شکل کی مالک' بڑی بڑی آنکھوں میں سادگی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ عمر بھی انیس بیس سال زیادہ نہیں ہوگی۔ بادی النظر میں لڑکی کافی حسین تھی۔ سعدی اور ظفری نے پرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا اور انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"یہ صفورا ہے۔ میری عزیز ترین دوست۔ شاید آپ لوگوں نے باسط اعظمی کا نام سنا ہو۔ مشہور شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ ان کی صاحبزادی ہیں صفورا اعظمی۔" ثمن نے تعارف کرایا۔

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔" سعدی اور ظفری بولے۔

"صفورا ان تینوں کے بارے میں بتا چکی ہوں تمہیں۔ بس یوں سمجھو کہ آپس میں گہرے دوست ہیں' اور دلچسپ ساتھی۔ تمہارے کام آ سکتے ہیں۔ یقینی طور پر میں ان سے زیادہ بھروسہ کسی پر نہیں کر سکتی۔" ثمن نے کہا اور صفورا گردن ہلانے لگی یوں لگ رہا تھا جیسے اسے مناسب گفتگو کرنے کے لیے الفاظ مل رہے ہوں۔ تب شکیلہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"صفورا آپ خود کو بالکل اجنبی نہ محسوس کریں۔ اول تو ثمن آپ کے تعارف کا ذریعہ

ہیں اور اس کے بعد ہم میں غیریت کا کوئی تصور باقی نہیں رہ جاتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر ثمن ہمارے پاس نہ بھی ہوتیں اور آپ کوئی مسئلہ لے کر آتیں آپ جیسی لڑکی سے ہمیں انتہائی ہمدردی اور محبت ہوتی جواب بھی ہے۔ ثمن نے کہا کہ آپ کسی الجھن کا شکار ہیں۔ ہمیں بتایئے' ہم آپ کی پوری پوری مدد کریں گے۔"

"شکریہ شکیلہ صاحبہ۔ دراصل معاملہ ایسا ہے کہ میں نے ثمن کے علاوہ کسی اور کو نہیں بتایا تھا۔ یہ معاملہ میں پولیس کے ذریعے بھی حل کرا سکتی تھی۔ میرے ایک عزیز پولیس کے بہت بڑے آفیسر ہیں۔ لیکن میری اپنی ناقص عقل میں پولیس کو اس مسئلے میں ملوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں اپنے ڈیڈی کو رسوا کر دوں۔ وہ یقینی طور پر یہ بات کبھی پسند نہیں کریں گے۔ کہ پولیس ان کی کسی ایسی مشکل میں ہاتھ ڈالے۔ تھوڑی سی سمجھ میں بھی رکھتی ہوں۔"

"یقیناً۔ یقیناً" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ صفورا کی باتوں میں معصومیت تھی جسے وہ بڑی اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔ پھر سعدی نے کہا۔

"آپ انتہائی بے تکلفی اور اعتماد کے ساتھ اپنی الجھن ہمیں بتا دیں اور اس بات سے مطمئن ہو جائیں کہ اس وقت جتنے افراد یہاں موجود ہیں' ان کے علاوہ یہ مسئلہ کسی اور تک نہیں پہنچ سکے گا۔ خواہ مخواہ صورت حال کچھ بھی ہو' آپ کو ہم پر یہ بھروسہ کرنا چاہیے۔ یقیناً ثمن صاحبہ نے بھی ہمارا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا ہوگا۔"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ مجھے آپ لوگوں پر مکمل اعتماد ہے' ویسے ثمن میری واحد سہیلی ہے جسے میں اپنی زندگی کے تمام واقعات بتا چکی ہوں۔ اس سے کوئی بات چھپی نہیں ہے۔"

"بس آپ مطمئن رہیے اور ہمیں اپنا مسئلہ بتایئے۔" سعدی نے نرم لہجے میں کہا۔ اور صفورا کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے ثمن کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میرے ابو کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔"

"کتنے عرصے سے؟" سعدی نے سوال کیا۔

"یہ تو میں نہیں جانتی' مجھے تو بس دو تین ماہ قبل معلوم ہوا ہے۔"

"یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوئی مس صفورا؟"

"وہ لمبی لمبی رقمیں دیتے ہیں اس کم بخت کو اور میں فون پر اس کی اور ڈیڈی کی باتیں سن چکی ہوں۔"

"اوہو یہ ہوئی نہ کام کی بات' آپ کے گھر کتنے ٹیلی فون ہیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"بہت سے ہیں' میں نے تقریباً تین ماہ قبل اس کی اور ڈیڈی کی بات چیت سنی تھی۔"

"کیا آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے مس صفورا؟" سعدی نے سوال کیا۔

"ہاں یقیناً۔"

"تو کیا وہ گفتگو آپ مجھے بتا سکیں گی؟"

"ہاں ضرور۔ میں نے تو اسے نوٹ کر کے رکھا ہوا ہے۔ آپ صرف یادداشت کی بات کرتے ہیں۔" صفورا نے جلدی سے اپنے ہینڈ پرس میں سے ایک چھوٹی سی بک نکالی اور اس کا صفحہ الٹتے ہوئے بولی۔ "اٹھائیس ستمبر' ساڑھے تین بجے شام۔"

"ہیلو مسٹر کون بول رہا ہے؟" ڈیڈی کی آواز۔

"میں ہوں جناب۔۔۔" فون کرنے والی کی آواز۔

"بول رہا ہوں۔" ڈیڈی کی آواز۔

"خادم کو پہچان گئے ہوں گے اعظمی صاحب؟" پہلی آواز۔

"اوہ تم؟"

"ہاں آپ مجھے بھول جاتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں اعظمی صاحب' بڑے گہرے تعلقات ہیں ہمارے۔ اور بڑا قریبی رشتہ ہے آپ سے۔"

"مجھے چرب زبانی ناپسند ہے۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے پندرہ ہزار روپے چاہئیں اعظمی صاحب! سخت ضرورت ہے۔ میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکا ہوں کہ تاریخوں میں دیر نہ کیا کریں ورنہ خواہ مخواہ پینلٹی لگ جاتی ہے۔ دیکھیے نا اب دس کے پندرہ ہو گئے۔ اگر صحیح وقت پر پیسے پہنچ جاتے تو یہ پینلٹی کیوں بھرنی پڑتی آپ کو؟"

"میں نے کہا نا مجھے چرب زبانی اور بکواس ناپسند ہے۔ کہاں ملو گے؟" یہ ڈیڈی کی آواز تھی۔

"وہیں جناب' کارپوریشن کے سامنے والے لیفٹ پاتھ پر۔ سلام کروں گا آ کر آپ کو۔ آپ وہ حقیری چیز میرے ہاتھوں میں تھما دیجیے' مگر اعظمی صاحب ایک بات آپ سے عرض کر دوں' میرے خلاف اگر کوئی کارروائی آپ نے کی تو آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آپ کی اپنی درگت کیا بنے گی۔"

"میں پہنچ جاؤں گا۔' یہ ڈیڈی کی آواز تھی اور اس کے بعد ڈیڈی نے فون بند کر دیا۔ صفورا نے نوٹ بک بند کرتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب! آپ تو واقعی ذہین ہیں مس صفورا۔ اچھا اس کے بعد کیا ہوا؟"

"بس ہونا کیا تھا' میں پہنچ گئی ڈیڈی کے پاس' اور میں نے پوچھا کہ یہ بدتمیز جاہل کون تھا؟ جو آپ سے ایسی الٹی سیدھی بکواس کر رہا تھا۔ ڈیڈی نے جب میرے منہ سے یہ باتیں سنیں تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پوچھنے لگے تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟ اور میں نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ میں نے اس کا فون سن لیا ہے۔ پہلی بار ڈیڈی نے مجھ سے سختی سے کہا۔ "صفورا کچھ اخلاقی آداب بھی ہوتے ہیں۔ تمہیں ہماری گفتگو نہیں سننی چاہیے تھی اور پھر خاص طور سے کاروباری گفتگو۔"

"ڈیڈی یہ کاروباری گفتگو تھی؟" میں نے ڈیڈی سے پوچھا۔

"تو اور کیا؟ مجھے اس شخص کو ادائیگی کرنی ہے' کچھ مال کی خریداری کی تھی میں نے اس سے۔ اس میں دیر ہو گئی۔ ظاہر ہے اس کی پریشانی برحق تھی۔"

"صرف پندرہ ہزار کی بات تھی اور آپ نے دیر کر دی۔ ایسی لاپروائی تو آپ نہیں کرتے ڈیڈی۔"

"ابھی صفورا میرا نہ جانے کیسے کیسے لوگوں سے واسطہ ہے۔ کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تم نے ایک ٹیلی فون سن لیا تو میری جان کو آ گئیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اور بیٹے اس طرح ٹیلی فون نہیں سنا کرتے آئندہ یاد رکھنا۔"

خیر جناب اس وقت تو میں خاموش ہو گئی، لیکن بیس بائیس دن کے بعد اتفاق سے جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اور ڈیڈی نے ایک ساتھ ہی ٹیلی فون اٹھا لیا۔ اور اس وقت جو ان لوگوں کے درمیان گفتگو ہوئی، وہ بھی میں آپ کو بتاتی ہوں۔ صفورا نے پھر اپنی نوٹ بک کا ایک صفحہ کھول لیا۔

"ابھی چند ہی روز تو ہوئے ہیں۔"

"جی صاحب وہ بیمار ہے اور بیماری بھی اچھی خاصی ہے۔ رقم تو لگانی پڑے گی صاحب، آپ کا تو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے لیکن میرا خون کا رشتہ ہے، میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور اس کی زندگی بچانے کے لیے مجھے پندرہ ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، ابھی چند روز قبل تم پندرہ ہزار لے چکے ہو، میں اتنی جلدی یہ رقم ادا نہیں کر سکتا۔"

"ارے چھوڑیے اعظمی صاحب لاکھ دو لاکھ مانگ لیتا تو بھی آپ کے لیے دینا مشکل نہیں ہوتا، لیکن میں چھوٹا سا آدمی ہوں، بہت بڑی رقم ہضم نہیں کر سکتا اس لیے تھوڑی تھوڑی کر کے مانگتا ہوں تاکہ آپ کو بھی پریشانی نہ ہو اور میرا بھی کام چلتا رہے اور پھر آپ یقین کریں وہ بیمار ہے۔ اور اس کی بیماری کے لیے مجھے رقم چاہیے۔"

"جہنم میں جائے وہ، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"یہ بات تو آپ بہت پہلے کہہ چکے ہیں صاحب، مگر رقم تو ادا کرنی ہی ہوگی۔ بتائیے

کس وقت اور کہاں پہنچوں؟"

"لعنت ہے تم پر۔ تم نے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی ہے۔" یہ ڈیڈی کی آواز تھی۔

"اور آپ نے بھی بہت کچھ کیا ہے صاحب۔ تفصیل میں جانے سے کیا فائدہ جو ہو چکا ہوتا ہے، بعض اوقات اسے بھولا نہیں جا سکتا، ہم بھی نہیں بھول سکتے اور آپ کو بھی نہیں بھولنے دیں گے۔ شام کو کارپوریشن کے بڑے دروازے کے سامنے آپ کا انتظار کروں گا۔" اور اس کے بعد فون بند ہو گیا تھا۔

"پھر کیا ہوا؟" سعدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ڈیڈی گئے اور رقم یقینی طور پر لے کر گئے، میں ان دو دفعہ کے معاملات کے بعد سے محتاط ہو گئی تھی۔ میں نے ثمن کو بھی فون کیا تھا اور اسے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اس کے بعد ہمارے درمیان یہ بات طے ہو گئی تھی کہ اب جب بھی کبھی ڈیڈی اس بلیک میلر سے بات کریں گے اور ان کے درمیان وقت طے ہو گا تو میں اور ثمن ان کا تعاقب کریں گے، لیکن بدقسمتی یہ رہی کہ چھ سات روز ثمن برابر میرے ساتھ رہی اور اس دوران ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ آٹھویں دن آنٹی جہاں آراء نے ثمن کو واپس بلا لیا اور نویں دن پھر اس بلیک میلر کا فون آ گیا۔

میں نے ثمن سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، لیکن اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ ثمن موجود نہیں تھی۔ جبکہ ڈیڈی کو شام کے چھ بجے اس شخص سے ملنا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈیڈی کا تعاقب کیا۔ میں تنہا تھی اور گھبرائی ہوئی تھی، ایک جگہ پکڑی گئی۔ ڈیڈی نے مجھے اپنا تعاقب کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ میرے پاس آ گئے اور میں بوکھلا گئی۔ میں کوئی بات نہیں بنا سکی تھی ان سے۔ چنانچہ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ میں ان کی اس پریشانی کو اچھی طرح جانتی ہوں۔

چند لمحات کے لیے ڈیڈی عجیب سے انداز میں مجھے دیکھتے رہ گئے۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ آپ یقین کریں کہ وہ زندگی میں ایک دو بار ہی مجھ پر ناراض ہوئے ہیں، لیکن اس دن وہ بے حد ناراض ہوئے تھے۔ انہوں نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

"صفورا! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ یہ گھٹیا باتیں ہیں۔ میں پہلے بھی تمہیں منع کر چکا ہوں اور تم مسلسل میرا فون سن رہی ہو۔ کیا چاہتی ہو آخر۔ کیا یہ کہ میں تمہیں یہاں سے کہیں اور بھجوا دوں؟ یا کوئی اور سخت سلوک کروں تمہارے ساتھ۔ واپس گھر جاؤ' میں بعد میں تم سے بات کروں گا۔"

ڈیڈی کا لہجہ ایسا تھا کہ میری آنکھوں میں آنسو نکل آئے اور پھر میں ان سے چھپے نہ جا سکی۔ اور واپس گھر آ گئی۔ سات ساڑھے سات بجے جب ڈیڈی گھر واپس آئے تو نارمل ہو چکے تھے انہوں نے بڑے پیار و محبت سے مجھے سمجھایا کہ یہ سب کاروباری معاملات ہیں اور ان میں میری مداخلت مناسب نہیں ہے۔

لیکن میں بگڑ گئی۔ میں نے کہا۔ "ڈیڈی میں جاہل نہیں ہوں کاروباری معاملات کو بھی اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ یہ تو بلیک میلنگ ہے' کھلی بلیک میلنگ۔" بہرصورت سعدی جناب میرا خیال ہے کہ میری گفتگو طویل ہوتی جا رہی ہے۔ ڈیڈی نے اسے کسی طور بھی بلیک میلنگ تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ نہایت سخت ہو گئے اس سلسلے میں۔ انہوں نے دوسرے تمام فون کاٹ کر صرف ایک فون رہنے دیا اپنی خوابگاہ میں' اور اس کے بعد میں ان کی کوئی گفتگو نہیں سن سکی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ڈیڈی اب بھی اس بلیک میلنگ کا شکار ہیں اور تیس چالیس ہزار روپے ماہانہ بڑی باقاعدگی سے اس بلیک میلر کو ادا کر رہے ہیں۔ یہ ڈیڈی کا معاملہ ہے میں بھی اس میں مداخلت نہ کرتی لیکن وہ بڑے پریشان رہتے ہیں اور میں ان کی پریشانی دور کرنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے مس صفورا' آپ بالکل مطمئن رہیں' کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی طرح ہمیں صرف ایک بار وہ دن اور وہ تاریخ معلوم ہو جائے جب وہ بلیک میلر آپ کے ڈیڈی سے رقم وصول کرتا ہے۔"

"اور تو کسی طرح یہ ممکن نہیں ہے' لیکن میں ایک کوشش کر سکتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"میں ایک انسٹرومنٹ بازار سے خرید ے لیتی ہوں اور اسے کسی بھی جگہ سیٹ کر لوں گی' اس پر ڈیڈی کی گفتگو سنتی رہوں گی اور جس دن بھی ڈیڈی کو اس بلیک میلر کا فون موصول ہوا' میں آپ کو اطلاع دے دوں گی۔"

"یہ نہایت ضروری ہے' بس ایک بار آپ کو یہ زحمت کرنا ہوگی' اس کے بعد کے معاملات ہم خود دیکھ لیں گے۔" سعدی نے کہا اور صفورا نے گردن ہلا دی تھی۔ تب ممن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم مطمئن ہو صفورا؟"

"ہاں۔ بالکل۔" صفورا نے جلدی سے کہا پھر ہینڈ پرس میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کی کچھ گڈیاں نکال کر سعدی کے سامنے ڈال دیں۔ "یہ پچیس ہزار روپے ہیں جناب عالی۔ آپ انہیں قبول فرمائیے۔ مزید بھی اخراجات ہوں گے اور وہ بھی ادا کر دوں گی۔"

"اوہ نہیں مس صفورا۔ ان کی جلدی نہیں ہے ابھی۔ آپ کا کام ہو جائے اس کے بعد ہم یہ رقم قبول کرنے کے مجاز ہوں گے۔"

"نہیں آپ رکھ لیجیے پلیز۔ میرے ڈیڈی کی پریشانی کے سامنے یہ رقم کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میرا بہت بڑا بینک بیلنس ہے بے کار پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ ڈیڈی کی پریشانیاں دور کرنے میں کام آ جائیں تو مجھے ذرا بھی زحمت نہیں ہوگی۔ آپ انہیں رکھ لیں۔ میں آپ کی بے حد شکر گزار رہوں گی۔" سعدی نے شانے ہلائے۔ ممن نے اسے اشارہ کر دیا تھا کہ نوٹ قبول کر لیے جائیں۔ چنانچہ اس نے گڈیاں اٹھا کر میز کی دراز میں ڈال لیں' پھر اس نے صفورا کو اپنا فون نمبر دیا۔ صفورا نے اسے اپنی اسی چھوٹی سی نوٹ بک میں نوٹ کر لیا جس میں نہ جانے کون کون سی دل چسپ چیزیں درج ہوں گی۔ ان لوگوں نے ممن اور صفورا کی تھوڑی سی خاطر مدارت کی۔ اس کے بعد ممن نے اجازت چاہی۔

ممن اور صفورا کے جانے کے بعد ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ڈائریکٹران سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

صفورا کے سلسلے میں غور ہونے لگا۔ باسط اعظمی کے بارے میں تفصیلات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ ذمہ داری ظفری کو سونپ دی گئی۔

"ٹھیک ہے میں اس شخص کے بارے میں تفصیلات معلوم کرلوں گا۔" ظفری نے جواب دیا۔

"اس دوران ہم صفورا کے ٹیلی فون کا انتظار کریں گے جو گفتگو صفورا نے اعظمی اور بلیک میلر کے درمیان بتائی ہے۔ اس پر غور کرو۔ یہ گفتگو کسی خاص سمت اشارہ نہیں کرتی۔"

"میرا خیال ہے بیکار سر کھپانے سے کوئی فائدہ نہیں' پہلے ہم ایک بار اس کی زیارت کر لیں اس کے بعد باقی معاملات بھی دیکھ لیں گے۔" سعدی نے کہا اور تینوں اس بات پر متفق ہو گئے۔

ثمن ان کے لیے خاصی منفعت بخش ثابت ہو رہی تھی۔ شکیلہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی یہ بیگم جہاں آراء ہدایت پور اور ان کی صاحبزادی ثمن تو ہمارے لیے سونے کی کان ثابت ہو رہی ہیں۔ اچھی خاصی رقم کمالی ہم نے ان لوگوں سے۔ میرا خیال ہے اب اگر دو تین ماہ تک کوئی کیس نہ ملا تو گزارہ کیا جا سکتا ہے۔"

"پیرومرشد کاروبار بڑھانا بے حد ضروری ہے۔ دیکھتے ہیں پہلے اس سلسلے میں کوئی صحیح کام ہو جائے۔ اس کے بعد کیسز تو آتے رہیں گے۔ آپ دیکھیں تو سہی یہ ادارہ کس طرح چمکتا ہے۔"

"بے شک ایک شعر ہے شاعر کا۔" مضطرب صاحب کی آواز دروازے سے سنائی دی۔

"دیکھیے مضطرب صاحب آپ خواہ مخواہ اچھی خاصی باتوں میں مداخلت کر کے بدشگونی نہ کیا کریں۔ وہ شاعر یقیناً مر چکا ہوگا۔ اور اگر نہیں مرا ہوگا تو نیم مردہ ہوگا۔ اپنے حالات کی وجہ

سے۔ چنانچہ اس کا شعر سنا کر آپ ہمیں بددل نہ کریں براہ کرم۔ براہ کرم۔"

"اوہو ہو ہو۔ اچھا اچھا ویسے واقعی یہ پیشگی ادائیگی والے کیسے مجھے بھی بے حد پسند ہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تشریف لے آیئے۔ وصول کر لیجیے اپنا حصہ کون منع کر رہا ہے آپ کو۔" سعدی نے کہا اور مضطرب صاحب دونوں ہاتھ ملتے ہوئے اندر آ گئے۔

تین دن کے بعد ظفری نے رپورٹ پیش کی۔ باسط اعظمی ایک خوشحال انسان تھا۔ بہت زیادہ دولت مند نہیں تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ خوشحال لوگوں میں شمار کیا جا سکے۔ کاروں کا ایک بڑا شوروم تھا اس کا۔ اس کے علاوہ اون رنگنے کی ایک فیکٹری بھی جس میں تقریباً پچاس افراد کام کرتے تھے۔ آدھا دن یعنی صبح نو بجے سے لے کر بارہ بجے تک فیکٹری میں رہتا ہے' اس کے بعد شوروم میں' حلقۂ احباب زیادہ وسیع نہیں ہے۔ محتاط اور خشک طبیعت کا آدمی ہے۔ کوٹھی میں پانچ ملازم اور بیٹی ہے۔ ملنے جلنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔

یہ تھی ظفری کی رپورٹ۔ لیکن اس سے کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں ہوتا تھا' اس کے باوجود سعدی نے ظفری کو مشورہ دیا کہ باسط اعظمی کا تعاقب جاری رکھا جائے۔ اور اندازہ لگانے کی کوشش کرے کہ اس کے اور مشاغل کیا ہیں؟ سعدی نے خود بھی اس ذمہ داری کا کچھ حصہ بانٹ لیا تھا اور بعض اوقات وہ خود بھی باسط اعظمی کا تعاقب کرتا تھا۔ میٹنگ میں کچھ اور باتیں بھی طے کی گئی تھیں۔ مثلاً اب ایک کار خرید لی جائے خواہ سیکنڈ ہینڈ کیوں نہ ہو۔ اس کے لیے سرمائے کے اشتراک کا فیصلہ بھی کر دیا گیا تھا۔ بہرصورت اس دن صبح ہی صبح جب کہ مضطرب صاحب دفتر کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی اور مضطرب صاحب نے ریسیور اٹھا لیا۔

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"فدوی کو اضطراب احمد مضطرب کہتے ہیں۔"

"کیا یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نہیں ہے۔"

"جی ہاں وہی ہے۔"

"پھر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں" نسوانی آواز نے کہا۔

"جی وہ میز کی نچلی سطح میں جالے لگ گئے ہیں' انہیں صاف کر رہا ہوں۔ ابھی چند لمحات قبل اگالدان دھو کر لایا تھا اور اس سے قبل۔۔۔۔"

"بس بس میں سمجھ گئی آپ چپراسی ہیں۔"

"کیا کہا؟ کیا کہا؟"

"چپڑاسی۔" لڑکی کی ہنسی آمیز آواز سنائی دی۔

"ہوں ہوں۔ ہوں ہوں۔ یہ فون میں آپ کے سر پر دے ماروں یا اپنے سر پر۔ یعنی ایک شاعر کی ایسی تضحیک' ایک دوست اور ایک معاون کار کے لیے ایسا نازیبا لفظ' عزیزہ میں ان حضرات کا شریک کار ہوں' میرے بغیر ان کی گاڑی نہیں چلتی' سمجھیں آپ؟"

"سمجھ گئی' سمجھ گئی' کیا پانچ بجے کے بعد آپ یہاں پر نہیں ہوتے؟"

"شام کو پانچ بجے کے بعد۔۔۔؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں اسی وقت کی بات کر رہی ہوں۔"

"ہوتا ہوں' یقیناً ہوتا ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"جی نہیں کل ساڑھے پانچ بجے شام آپ موجود نہیں تھے۔ گھنٹی بجتی رہی تھی کسی نے فون ہی نہیں اٹھایا۔"

"ایں کل ساڑھے پانچ بجے۔" مضطرب صاحب نے پر اضطراب انداز میں اپنا داہنا گال کھجایا۔ پھر بولے۔ "جی ہاں جی ہاں نہیں ہوں گا۔ یقیناً نہیں ہوں گا۔"

"کہاں تھے آپ؟"

"وہ جو دوسری منزل کے فراز احمد ایڈووکیٹ ہیں نا۔ کسی مقدمے کی پیروی کے لیے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اور ان کا ملازم رحیم بخش کا فوری بڑا صاحب ذوق اور سخن فہم ہے' چنانچہ

کبھی کبھی جما لیتا ہے مشاعرہ اور بھی چند افراد آ جاتے ہیں۔ وہیں تھا کل۔ لیکن آپ کون خاتون ہیں؟"

"یہ سعدی ظفری وغیرہ نہیں آئے ابھی تک؟"

"نہیں ابھی نہیں آئے۔ بس پہنچنے والے ہیں۔"

"کم از کم کتنی دیر میں؟"

"بس پندرہ منٹ سے آدھے گھنٹے کے اندر اندر یا ممکن ہے اس سے پہلے بھی آ جائیں۔ آپ یوں کیجیے کہ مجھ سے گفتگو کرتی رہیے' بس اس دوران میں وہ پہنچ جائیں گے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"کیا گفتگو کروں آپ سے؟"

"شعر و سخن سے دلچسپی ہے آپ کو؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں' کوئی خاص نہیں۔"

"عام ہی سہی' رات کے مشاعرے کا حال سناؤں آپ کو؟ مصرع طرح تھا۔

ع کیا خوب تسلی کے لیے گڑ کا ملیدہ۔

"ملاحظہ فرمایا آپ نے ملیدہ۔ اس مشکل زمین میں غزل کہنی تھی اور وہ بھی فی البدیہہ۔ ایک شاعر پر اس سے زیادہ نازک وقت اور کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن شاعر تو صنف شاعری میں قدم رکھتے ہی زندگی پر خار داریوں۔۔۔۔ اوہو ہو ہو آ گئے یہ لوگ۔ معاف کیجیے گا۔ پھر کبھی سہی۔ میں ریسیور سعدی کو دے دوں۔"

"جی ہاں۔" دوسری طرف سے کسی قدر سکون بھری آواز سنائی دی اور مضطرب صاحب نے ریسیور سعدی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ہیلو۔" سعدی نے کہا۔

"میں صفورا بول رہی ہوں سعدی صاحب۔"

"اوہ آپ کیسی ہیں مس صفورا؟"

"کل شام کو ساڑھے پانچ بجے میں سخت پریشان ہوگئی تھی۔ یمن کو بھی میں نے ٹیلی فون کیا تھا' وہ بھی نہیں ملی۔ خود بیگم جہاں آراء بھی کہیں گئی ہوئی تھیں۔ آپ یقین کریں شدید ذہنی کوفت اور الجھن کا شکار رہی رات بھر۔"

"خیریت تو ہے صفورا صاحبہ؟"

"فون ملا تھا' میں نے دوسرے فون پر سنا' پچیس ہزار روپے کا مطالبہ ہے۔ پہلے جسے اس نے بیمار بتایا تھا اس کی حالت نازک بتاتا ہے۔ کافی تلخ کلامی ہوئی ڈیڈی سے اور اس نے ایک عجیب وغریب دھمکی دی۔"

"کیا؟" سعدی نے پوچھا۔

"کہنے لگا' دیکھو مسٹر اعظمی بعض سودے زندگی اور موت کی حیثیت رکھتے ہیں' تم بھول رہے ہو کہ اپنی ذراسی ہٹ دھرمی سے تم سب کچھ کھو دو گے۔ تنہا رہ جاؤ گے اس دنیا میں' اور تنہائی کی زندگی گزارنا آسان کام نہیں ہے۔"

"ہوں۔" سعدی نے کہا۔ "اور کیا بات ہوئی مس صفورا؟"

"بس بالآخر ڈیڈی نے اس کا مطالبہ منظور کر لیا۔ آج شام کو ساڑھے پانچ بجے کارپوریشن کے بڑے گیٹ کے سامنے یہ رقم وصول کر لی جائے گی۔" صفورا نے جواب دیا۔

"ویری گڈ صفورا۔ میرا خیال ہے آج سے ہمارا کام شروع ہوگیا۔ ویسے کام تو اسی دن سے شروع ہوگیا تھا جس دن سے آپ آئی تھیں۔ آپ کے ڈیڈی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی گئی ہیں اور آج شاید وہ بلیک میلر بھی منظر عام پر آجائے گا۔"

"خدا کرے آپ کامیاب ہوجائیں۔ میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو بتا دیں۔"

"بس ایک آخری بات اور بتائیں مس صفورا؟"

"جی فرمایئے۔"

"آپ کے ڈیڈی گھر سے جائیں گے یہ رقم لے کر یا وہیں دفتر وغیرہ سے؟"

"نہیں ساڑھے پانچ بجے کا وقت ایسا ہے کہ وہ دفتر ہی سے جائیں گے۔ آپ انہیں اعظمی موٹرز سے پک کر سکتے ہیں۔ یا اگر کوئی تبدیلی ہو تو میں آپ کو رنگ کروں۔"

"میرا خیال ہے تبدیلی ہوگی نہیں' آپ مطمئن رہیں۔ فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" سعدی نے کہا اور صفورا نے شکریہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

شکیلہ اور ظفری اس دوران ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو سن کر ساری صورت حال کا اندازہ لگا چکے تھے۔ فون بند کرنے کے بعد سعدی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا حکم ہے سیون سیون زیرو۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تعاقب' اسی وقت سے تعاقب' مسٹر اعظمی تمہارے کہنے کے مطابق اس وقت اپنی رنگائی والی فیکٹری میں ہوں گے تم سائے کی طرح ان کے پیچھے لگ جاؤ اور ان کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھو۔"

"اوکے چیف۔" ظفری نے کہا۔ اور سعادت مندی سے باہر نکل گیا۔

رنگائی کی فیکٹری سے نکل کر باسط اعظمی حسب معمول شوروم آیا اور ٹھیک پانچ بجے اس نے اپنی سیٹ چھوڑ دی' پھر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر آہستہ خرامی سے چل پڑا۔ اس کے چہرے سے حزن وملال عیاں تھا۔ پریشانی بھی صاف محسوس ہورہی تھی۔ ظفری موٹر سائیکل پر اس کا تعاقب کرتا رہا۔

ٹھیک ساڑھے پانچ بجے کارپوریشن کے بڑے گیٹ کے سامنے اس نے کار روک دی۔ دبلے پتلے بدن کا ایک مجہول سا شخص جس کے بدن پر بھکاریوں جیسے چیتھڑے جھول رہے تھے۔ آگے بڑھا اور بھیک مانگنے کے سے انداز میں کھڑکی پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔

ظفری کی باریک بین نگاہوں نے اس لفافے کو دیکھ لیا تھا۔ جواب بھکاری کی گدڑی میں منتقل ہو چکا تھا۔ بھکاری دعائیں دیتا ہوا پیچھے ہٹ گیا اور کار برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

اب باسط اعظمی کا تعاقب کرنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ ظفری نے موٹر سائیکل اس طرح فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی جیسے اس میں کوئی خرابی ہو گئی ہو۔ پھر وہ نیچے بیٹھ کر پلگ صاف کرنے لگا۔

اس کی نگاہیں اس فقیر قسم کے آدمی کا تعاقب کر رہی تھیں جو وہیں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد ایک چوراہے پر اس نے ٹیکسی روکی۔ اور محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ظفری نے جلدی سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی تھی۔ ٹیکسی کا نمبر اس نے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

شہر کے ایک نواحی علاقے میں اوسط درجے کے ایک مکان کے سامنے ٹیکسی رک گئی اور فقیر قسم کا آدمی اندر داخل ہو گیا۔ ٹیکسی کے واپس جانے کے بعد ظفری نے اپنی موٹر سائیکل مکان سے خاصی دور ایک درخت کے ساتھ کھڑی کر دی۔ اب اسے اس مکان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھیں۔

مکان کے قرب و جوار میں بھی دوسرے مکانات تھے لیکن ذرا فاصلے پر۔ نئی بستی آباد ہو رہی تھی۔ بہت سے پلاٹ خالی پڑے ہوئے تھے۔ قریب ترین مکان بھی تقریباً سو گز دور تھا۔ ظفری چند لمحات سوچتا رہا۔ اس کا ذہن کوئی صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ فوری طور پر اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی سوائے اس کے کہ مکان کی نگرانی کرے۔ اسے اب تک زبردست کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اتنی آسانی سے یہاں تک پہنچ جانا تقدیر کی ہی بات تھی۔ بہرحال وہ اس علاقے میں گشت کرتا رہا۔ وہ مکمل طور پر اس مکان کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ اکا دکا افراد ہی اسے نظر آئے تھے۔ لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ پھر اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ قرب و جوار کے علاقے پر نگاہ دوڑاتے ہوئے اس نے کئی بار چونے کی سفیدی پر کالی سیاہی سے لکھے ہوئے اس بورڈ کو دیکھا تھا جس پر اسٹیٹ ایجنسی لکھا ہوا تھا۔

نئے خیال کے تحت ظفری جلدی سے اسٹیٹ ایجنسی کی طرف چل پڑا۔ موٹر سائیکل اس نے ایجنسی کے سامنے روک دی۔ یہ سیمنٹ ڈپو اسٹیٹ ایجنسی اور سب کچھ تھا۔ تین آدمی یہاں بیٹھے ہوئے تھے جن میں ایک مالک لگتا تھا اور دوسرے یونہی۔ تینوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ظفری موٹر سائیکل کھڑی کر کے دکان پر پہنچ گیا۔ سلام دعا کے بعد اس نے کسی کرائے کے مکان کی بات کی۔ اور ان میں سے ایک نے مکان دکھانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ ابتدائی باتوں کے بعد وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ تینوں اس علاقے کے باشندے تھے اور یہاں سے پوری طرح واقف تھے۔ جو شخص ظفری کو مکان دکھانے لایا تھا اس کا نام اکرام تھا۔

ظفری دوستانہ انداز میں اس شخص سے باتیں کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اکرام نے اسے دو مکان دکھائے اور ظفری اسے گھیر کر اس جگہ لے آیا جہاں اس کا مطلوبہ مکان موجود تھا۔

"یہ مکان خالی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں بابو صاحب۔ اس میں حاکم علی رہتا ہے۔"

"حاکم علی؟ نام تو سنا ہوا لگتا ہے۔"

"بس ایسا ہی آدمی ہے صاحب۔ جوا کھیلتا ہے اس مکان میں بدمعاش قسم کے لوگ بھی آتے ہیں۔ ایک پگلی بہن رہتی ہے۔ جو کبھی باہر نہیں نکلتی۔ بہت کم لوگوں نے اسے دیکھا ہے۔"

"کتنے عرصہ سے رہتے ہیں یہ لوگ یہاں؟"

"پتا نہیں صاحب۔ جب ہم نے ایجنسی کھولی تھی تو یہ لوگ یہیں تھے۔"

"حاکم علی کے بیوی بچے نہیں ہیں؟"

"میں نے کہا نا' اس بہن کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔"

"نوجوان بہن ہے؟"

"نہیں صاحب عمر رسیدہ ہے بے چاری۔ ایک یہ مکان ہے صاحب۔" اکرام نے ایک اور مکان دکھاتے ہوئے کہا۔ ظفری اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال اس نے اکرام کو مطمئن کرنے کے لیے یہ مکان پسند کیا اور کرائے وغیرہ کی بات کر کے بولا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ آئے گا اور مکان کی بات مکمل کرے گا۔

حاکم علی کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات حاصل ہونا مشکل ہی تھیں۔ یہ بات طے ہو گئی تھی کہ وہ ایک جرائم پیشہ شخص تھا اور یہاں رہتا تھا۔ جواء وغیرہ کھیلتا تھا۔ بہر حال وہ کوئی بہت بڑا بلیک میلر نہیں تھا۔ نہ جانے اس نے باسط اعظمی کو کس چکر میں پھانسا ہوا تھا۔ یہاں تک تو جو کچھ معلومات حاصل ہو سکتی تھیں ہو گئی تھیں۔ اس سے آگے صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ اس نے باسط اعظمی کو کس چکر میں پھانسا ہوا ہے۔ کیا باسط اعظمی خود اس سلسلے میں تعاون کرے گا؟ ظفری تھوڑی دیر کے لیے سوچتا رہا۔ پھر موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے وہاں سے چل پڑا۔ اس وقت دفتر جانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ گھر کی جانب چل پڑا۔

سعدی اور شکیلہ گھر پر ہی موجود تھے، مطلق صاحب کے ساتھ نشست جمی ہوئی تھی، خوش گپیاں ہو رہی تھیں، سعدی نے سنسنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا اور ظفری نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

بہر صورت شام کے کھانے کے بعد فراغت ہو گئی، مطلق صاحب کو زیادہ چہکنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اور اس کے بعد وہ تینوں کمرے میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ظفری نے سعدی اور شکیلہ کو تمام رپورٹ دی، اور سعدی اور شکیلہ بھی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"اس کا مقصد ہے کہ وہ بلیک میلر عام نوعیت کا ہے یعنی کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے۔"

"بات صرف یہ رہ جاتی ہے سعدی کہ آخر اس نے باسط اعظمی کو کس چکر میں پھانسا ہے؟" شکیلہ بولی۔

"میں راستے میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کیا باسط اعظمی خود بھی اس سلسلے میں تعاون کر

سکتا ہے؟" ظفری نے کہا۔

"میرا خیال ہے نہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"کیوں؟ اگر اسے اس بلیک میلر سے نجات ملنے کی توقع ہو جائے تو کیا وہ ہم سے تعاون نہیں کرے گا؟"

"میں نے کہا نا نہیں، کیا تم مفورا کی باتیں بھول گئے؟"

"کون سی باتیں؟"

"باسط اعظمی نے کتنی سختی سے اسے منع کیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی چھان بین نہ کرے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باسط اعظمی اپنا راز اپنے سینے تک ہی رکھنا چاہتا ہے۔"

"پھر تو بڑی مشکل پیش آئے گی سعدی۔"

"ہاں، ظاہر ہے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے تو ہم نے پچیس ہزار روپے حاصل کیے ہیں۔ کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"سوچو، پھر سوچو۔" ظفری نے کہا اور سعدی گردن ہلا کر خاموش ہو گیا۔

تینوں ہی موجودہ پروگرام سے متفق ہو گئے تھے۔ سعدی نے ٹیلی فون پر باسط اعظمی کا نمبر ملایا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ باسط اعظمی اس وقت اپنی رنگائی والی فیکٹری میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"باسط بول رہا ہوں۔"

"میں آپ کا ایک نیا خادم بول رہا ہوں جناب، بس کچھ ایسی گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو ممکن ہے آپ کو اس وقت پسند نہ آئے۔ لیکن مستقبل میں آپ یوں سمجھ لیجیے کہ ہم آپ کے لیے رحمت کے فرشتے ثابت ہوں گے۔"

"کیا بکواس ہے؟ کون ہو تم؟"

"نام تو اپنا نہیں بتا سکتا۔ صاحب البتہ اپنے یار کا نام بتا دوں تو آپ مجھے جان جائیں

گے۔ میرے یار کا نام حاکم علی ہے۔"

"کیا؟" باسط اعظمی کی آواز میں لرزش تھی۔

"جی ہاں حاکم علی۔"

"میں کہتا ہوں تم کون ہو اور کیوں مجھ سے بکواس کر رہے ہو؟"

"صاحب حاکم علی کچھ عرصے سے اپنا یار تھا' لیکن اب ہم نے یہ یاری ختم کر دی ہے۔ اس کی ساری حرکتیں ہمارے علم میں ہیں صاحب' اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ سسرا بڑے عرصے سے آپ کو پریشان کر رہا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں صاحب کہ جو کچھ بھی آپ اسے دے چکے ہیں یا دیتے ہیں' اس کا دس پرسنٹ اگر آپ ہمیں دے دیں تو ہم آپ کو اس سے نجات دلا دیں گے۔ بس یہ بتائیں کہ ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"تم کوئی بدمعاش اور فراڈ قسم کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ خواہ مخواہ مجھے پریشان کرنے کے لیے تم نے ٹیلی فون کیا ہے۔" باسط اعظمی کی آواز عجیب سی تھی۔

"تو پھر فون بند کر دیں صاحب' اگر اپنی بات میں کوئی جان نہیں ہے تو آپ کی مرضی اور اگر کچھ سمجھتے ہیں تو قاعدے کی بات کریں۔" سعدی نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا اور چند لمحات کے لیے دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"تم مجھ سے ملاقات کر سکتے ہو' تھوڑی دیر کے بعد باسط اعظمی نے پوچھا۔

"ضرور کر سکتے ہیں صاحب' جب اور جہاں حکم دیں۔" سعدی بولا۔

"میرے شوروم پر آ جاؤ' شام کو تین ساڑھے تین بجے کے قریب میں تم سے ملاقات کروں گا۔"

"جو حکم سرکار' پہنچ جائیں گے۔" سعدی نے کہا اور پھر تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد فون بند ہو گیا۔ باسط اعظمی کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا جا رہا تھا' ایک دوسرا سیٹ رکھا ہوا تھا جس پر دوسری طرف سے ہونے والی گفتگو صاف سنائی دیتی تھی۔ وہ تینوں اس بات پر غور کرنے لگے۔

ظفری نے کہا۔

"یوں لگتا ہے جیسے باسط اعظمی اپنے اس بلیک میل ہونے سے زیادہ خوفزدہ نہ ہو یا کسی دوسرے کو اس میں شریک نہیں کرنا چاہتا ہو۔"

"بھئی یہ تو ظاہر ہے ظفری' اسے خوف ہوگا کہ اس کا راز ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچ جائے گا۔ یہ ایک فطری چیز ہے۔ اور ظاہر ہے اسی خوف سے وہ کسی کو اپنا شریک راز بنانا نہیں چاہتا ہوگا۔ بہر صورت تم مل لو اس سے' لیکن ہوشیار رہنا صورت حال کچھ گمبھیر معلوم ہوتی ہے۔" سعدی نے کہا۔

"میں ملوں اس سے؟" ظفری نے کہا۔

"ہاں جیسا تم کہو۔ مجھ سے کہتے ہو تو میں مل لیتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے سعدی اس سائڈ کو تو سنبھالو۔ ادھر حاکم علی کو میں دیکھتا ہوں۔" ظفری بولا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے ایسا کر لیتے ہیں۔ میں ساڑھے تین بجے باسط اعظمی سے مل لوں گا۔" سعدی نے جواب دیا۔ شکیلہ ان دونوں سے متفق تھی' چنانچہ اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہ ہوئی۔ شام کو ٹھیک ساڑھے تین بجے سعدی' باسط اعظمی کے شوروم پر پہنچ گیا۔ موقع کی مناسبت سے اس نے لباس عامیانہ پہنا تھا۔ بالوں کے اسٹائل میں تھوڑی سی تبدیلی کی تھی۔ اس طرح مکمل طور سے نہ سہی معمولی حد تک اس کی شخصیت بدل گئی تھی۔

شوروم بہت شاندار تھا۔ باسط اعظمی تک رسائی مشکل سے ہوئی۔ بہر حال اس نے سعدی کو بلا لیا۔ طویل و عریض کمرے میں وہ تنہا تھا۔ شریف صورت اور تھکا تھکا سا انسان۔ اس نے اداس نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ اور گہری سانس لے کر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سعدی اطمینان سے بیٹھ گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

''نام میں کیا رکھا ہے صاحب کام کی بات بولو۔ میں نے فون پر آپ سے بات کی تھی۔'' سعدی نے کہا۔

''ہاں اور تمہاری بکواس میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔'' باسط نے سرد لہجے میں کہا۔

''لمبی چوڑی باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں صاحب۔ آپ نے ہمیں بلایا ہے کوئی کام لینا ہے ہم سے تو بتاؤ۔''

''میں نے تمہیں صرف اس لیے بلایا ہے کہ تم سے اس بکواس کا مطلب معلوم کروں جو تم نے مجھ سے فون پر کی تھی۔''

''وہ بکواس تھی؟''

''سو فیصدی بکواس۔ میں کسی حاکم علی کو نہیں جانتا۔ اگر تمہارا کوئی ساتھی حاکم علی ہے اور اس نے تمہیں بلیک میلنگ کی کوئی کہانی سنائی ہے تو یقیناً وہ نشے میں ہوگا۔ میں اتنا معمولی انسان نہیں ہوں کہ کسی بلیک میلر سے نمٹ نہ سکوں۔ سمجھے تم؟''

''جی صاحب سمجھ گیا۔ لیکن ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ حاکم علی سے اب اپنی چل گئی ہے۔ کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔ آپ کچھ بھی کہیں ہمیں معلوم ہے کہ آپ اسے اچھی خاصی رقومات دیتے رہے ہیں۔'' سعدی نے کہا۔

''بس میں تمہیں اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔'' اعظمی نے کہا اور سعدی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''میں کسی مناسب وقت آپ کو فون کروں گا۔ اگر کوئی بات ذہن میں آجائے تو۔۔۔۔خدا حافظ۔۔۔۔'' سعدی باہر نکل آیا۔

''ہاں اس نے ارادہ بدل دیا۔ بظاہر ایک سنجیدہ اور شریف سا انسان معلوم ہوتا ہے۔ تھکا تھکا سا، جیسے حالات سے پریشان ہو مالی حالت بہتر ہے۔ نہ جانے بلیک میلنگ کی وجہ کیا ہے؟'' سعدی نے کہا۔

''پھر تمہیں بلانے کی وجہ کیا تھی؟'' شکیلہ بولی۔

''ممکن ہے اس وقت وہ حاکم علی کا نام سن کر متاثر ہوگیا ہو اور بعد میں اس نے سوچا ہو کہ حاکم علی کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر وہ کسی اور مصیبت میں نہ پھنس جائے۔''

''ہاں اس کا امکان ہے۔''

''پھر اب کیا کیا جائے؟'' سعدی نے کہا اور تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

حاکم علی۔ صرف حاکم علی۔ ہم اسے جال میں پھانس سکتے ہیں لیکن اس کے لیے خطرات مول لینا ہوں گے۔''

''ہاں، کچھ کام دکھانا ہی پڑے گا۔ کیوں مرشد۔ کیا ارادہ ہے؟'' ظفری کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ایک بار اور حاکم علی کے ٹھکانے کا جائزہ لے لیا جائے اس کے بعد کوئی مناسب فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔''

اسی رات سعدی اور ظفری شوخ، عامیانہ قسم کے لباسوں میں ملبوس ہوکر حاکم علی کے مکان پر پہنچ گئے۔ حلیے میں معمولی سی تبدیلی کرلی گئی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو اندر سے حاکم علی نکل آیا۔ اس نے گہری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ''کیا بات ہے بھائی، کس سے ملنا ہے؟''

''حاکم علی سے؟''

''میں ہی ہوں۔''

''امیر الدین نے تمہارا پتا بتایا تھا۔ امیر الدین چھٹی کو جانتے ہونا؟''

''امیر الدین۔۔۔چھٹی۔۔۔۔؟'' حاکم علی پرخیال انداز میں بولا، پھر گردن ہلا کر کہنے لگا۔ ''یاد نہیں آیا۔ بہرحال کام بتاؤ؟''

''کوئی کام نہیں حاکم علی بھائی۔ کھیل ہو رہا ہے نا آجکل؟'' سعدی نے پوچھا اور حاکم علی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

''کیسا کھیل؟''

''شک کر رہے ہو؟''

''میں اجنبیوں سے بے تکلف نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ میں کسی امیر الدین کو نہیں جانتا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' حاکم علی اس انداز میں پیچھے ہٹا جیسے دروازہ بند کرنا چاہتا ہو لیکن سعدی نے اپنا پاؤں دروازے میں اڑا دیا۔

''کھیل تو اندر ہو رہا ہے۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور حاکم علی اسے گھورنے لگا۔

''پولیس کے آدمی ہو؟'' اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

''ہرگز نہیں۔ پولیس کے ہوتے تو تمہیں صاف بتا دیتے۔ ویسے تم اپنے اتنے گہرے دوست کو بھول رہے ہو۔ امیر الدین نے تو کہا تھا کہ تم بہت با اخلاق آدمی ہو۔''

''میں کسی امیر الدین کو نہیں جانتا۔ سمجھے تم؟ اور تم یہ دھینگا مشتی مت کرو یہاں' اندر کوئی کھیل ویل نہیں ہو رہا۔ اگر تمہارا تعلق پولیس سے ہے تو جاؤ علاقے کے ایس ایچ او سے بات کرو۔ میرا نام حاکم علی ہے۔''

''حاکم علی' حاکم علی' ہمارا تعلق پولیس سے نہیں ہے دوست۔ ہم بہر طور تمہاری ہی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم نے ٹھیک سے ہم سے بات نہیں کی تو یقین کرو۔ بڑے نقصان میں رہو گے۔'' سعدی نے بدستور دروازے پر پاؤں اڑائے اڑائے کہا۔

حاکم علی کے بارے میں جیسا کہ ظفری نے بتایا تھا' زیادہ لڑائی جھگڑائی کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا اور یوں بھی کچھ مشکوک سی شخصیت تھی اس کی۔ نشے باز تھا۔ اس لیے زیادہ مدافعت نہیں کر سکا اور چند لمحات کے بعد اس نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی' لیکن اس کا چہرہ بدستور غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایک چھوٹا سا صحن تھا' اس کے بعد دالان اور دالان کے بعد دو تین کمرے تھے' سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا' اور دوسری طرف روشنی ہو رہی تھی۔

''کھیل ہو رہا ہے حاکم علی؟'' سعدی نے پوچھا۔

''میں نے کہا نا کوئی کھیل نہیں ہو رہا۔''

''ہوتا تو ہے؟''

''ہاں ہوتا ہے' لیکن اس وقت نہیں ہو رہا۔'' حاکم علی نے جواب دیا۔

''یقین کرو ہم شرافت سے کھیلنا چاہتے ہیں۔''

''شارپنگ کرتے ہو؟'' حاکم علی نے سوال کیا۔

''نہیں سیدھا سادھا کھیل۔''

''امیر الدین کا نام کیوں لیا تھا تم نے؟ جبکہ میں کسی امیر الدین کو نہیں جانتا؟''

''بس یہ سمجھ لو کہ تم سے تعارف حاصل کرنے کے لیے' لیکن تم مانے ہی نہیں۔''

''کیسے مانتا' جبکہ میں کسی امیر الدین کو جانتا ہی نہیں ہوں۔'' اس کے علاوہ میں بیوقوف بھی نہیں ہوں' اتنا سمجھتا ہوں کہ تم جس انداز میں یہاں آئے ہو اس کا کوئی خاص مقصد ہے۔ جوا کھیلنے کے لیے بہت سے اڈے پڑے ہوئے ہیں۔ بہت بڑی بڑی جگہیں ہیں' حاکم علی کے ہاں ہی کیا رکھا ہوا ہے۔ اب بھی اگر تم اپنی آمد کا صحیح مقصد نہیں بتاؤ گے تو پھر میں بھی تم سے کوئی تعاون نہیں کر سکوں گا۔''

''بیٹھنے کی پیشکش کرو حاکم علی' کچھ کھلاؤ پلاؤ' کم از کم چائے ہی سہی' تو پھر تمہیں کام کی بات بتائیں' بس یوں سمجھ لو کہ تمہارا ہی فائدہ ہے' ویسے واقعی اندر کوئی نہیں معلوم ہوتا۔''

''ہاں' گیارہ بجے کے بعد لوگ یہاں آتے ہیں۔''

''اوہو یہ بات ہے' بہرحال اس اطلاع کا شکریہ! تو حاکم علی دراصل ہم تمہیں قتل کرنے آئے ہیں۔'' ظفری نے انتہائی لاپروائی اور سکون کے ساتھ کہا۔ اور حاکم علی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ انتہائی ہونق نظر آ رہا تھا۔

دیر تک وہ سکتے کے سے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر چیخ کر بولا۔ ''حاکم علی کو مارنے والے مر گئے سالے۔ کیوں مارو گے مجھے۔ کیوں قتل کرنے آئے ہو؟ کس نے بھیجا ہے تمہیں؟''

''ارے ارے' یار کمال کے آدمی ہو۔ مذاق بھی نہیں سمجھتے۔ یہ صرف مذاق تھا۔'' سعدی نے کہا۔

''بس تم لوگ نکل جاؤ یہاں سے۔ میں نے تمہیں اندر بلا کر غلطی کی ہے۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ فوراً نکل جاؤ۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''اچھا تو یوں بھی نہیں ہوگا حاکم علی۔ تمہاری شامت ہی آ گئی ہے۔'' سعدی نے اس بار بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور ظفری کو اشارہ کر دیا۔ ظفری نے پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ حاکم علی خوفزدہ نظر آنے لگا۔ وہ تھوک نگلتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا اور پھر وہ دیوار سے لگ گیا۔

سعدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ''ہاں حاکم علی تم امیر الدین کو نہیں جانتے؟'' اس نے کہا۔

''یقین کرو۔ یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔ مگر اس نے تمہیں میرے پاس بھیجا بھی ہے تو کام بتاؤ۔ میری زندگی کے دشمن کیوں بن گئے تم؟'' حاکم علی خوفزدہ لہجے میں بولا۔

''کیا سیٹھ باسط اعظمی کا نام بھی تمہارے لیے اجنبی ہے؟'' سعدی نے پوچھا۔ اور حاکم علی چونک پڑا۔ اور پھر یکلخت اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اب اس پر خوف کی جگہ غصے کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

''او یہ بات ہے؟'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں یہی بات ہے۔''

''اور اب تم مجھے قتل کر دو گے؟'' تاکہ نصرو گھوسی کی اصلیت چھپی رہے' کیوں؟''

''نصرو گھوسی؟''

''ہاں سیٹھ باسط اعظمی۔ اور آج سے بیس بائیس سال قبل کا نصرو گھوسی۔'' حاکم علی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تم اسے کب سے جانتے ہو حاکم علی؟'' سعدی نے پوچھا۔

''بچپن سے۔ تقریباً پینتالیس سال سے۔ گلے میں بستے ڈال کر کمیٹی کے اسکول میں

پڑھنے جاتے تھے۔ نہر پر بھینسوں کو نہلانے لے جاتے تھے۔ بیر کے درختوں کے ساتھ ہی بیر توڑ کر کھاتے تھے۔ آدھی زندگی ساتھ گزاری تھی ہم نے۔ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے سمجھے تم؟'' حاکم علی نے کہا۔ سعدی اور ظفری دل چسپی سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

''لیکن اب تم اسے بلیک میل کر رہے ہو؟''

''ہاں' وہ اسی قابل ہے' ذلیل کمینہ انسان' تم اس کے حمایتی بن کر آئے ہو' مجھے قتل کرنے۔ کر دو مجھے قتل اور مجھے قتل کرنے کے بعد اس کمرے میں بھی چلے جانا۔ وہاں ایک شخصیت اور موجود ہے' جسے قتل کرنا ضروری ہوگا' سمجھے تم؟ جانتے ہو وہ شخصیت کون ہے؟ سیٹھ باسط اعظمی کی بیوی۔ اس کی بیٹی کی ماں اور میری بہن۔ میرے قتل کے بعد اسے قتل کرنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ تمہارے آقا کو سکون نہیں ملے گا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو' فریب کر رہے ہو حاکم علی۔ ہم آسانی سے فریب کھانے والوں میں سے نہیں۔ کون ہے وہاں' دکھاؤ اور حاکم علی پاؤں پٹختا ہوا اس کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ درمیانہ عمر کی ایک دبلی پتلی عورت کو گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا جو نیم دیوانی سی تھی۔ لیکن اس کے خدوخال میں اب بھی جاذبیت تھی اور ان میں صفورا کی شکل صاف جھلکتی تھی۔

''یہ ہے میری بہن غفورن' نصرو گھوسی کی بیوی' سیٹھ باسط اعظمی کی منکوحہ اور اس کی ماڈرن بیٹی صفورا کی ماں' سمجھے تم؟ برادری میں سب کے سامنے بیٹھ کر بتیس روپے آٹھ آنے کے مہر پر اس نے اسے خدا کے نام کے ساتھ اپنی بیوی بنایا تھا' چار سال گزارے تھے اس کے ساتھ۔ معمولی سا اختلاف ہوا تھا اس سے تو وہ اپنی بیٹی کو لے کر پاکستان بھاگ آیا۔ کیا حالت ہو گئی تھی میری بہن کی' جینے کے لالے پڑ رہے تھے' سالوں علاج کرایا میں نے اس کا۔ ساری بھینسیں بک گئیں اور پھر میں اسے لے کر پاکستان آ گیا' محنت مزدوری کرتا اور اپنی بہن کو زندہ رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتا۔ ایک ہی بہن اپنی کو زندہ رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتا۔ ایک ہی بہن تھی میری' شادی بھی نہیں کی میں نے اس کی وجہ سے۔ کہاں کہاں لیے لیے گھومتا رہا۔ وہ اپنی بچی کے

لیے پاگل ہوگئی تھی اور مجبوراً میں نے اسے نشہ آور دوائیں کھلانا شروع کر دیں۔ میں خود بھی اس کا غم برداشت نہ کر سکا تھا بابو صاحب۔ قتل کر دو مجھے۔ لیکن پہلے یہ بتا دو کہ کیا میں قتل کیے جانے کے ہی قابل ہوں۔ وہ کم بخت بیس سال کے بعد مجھے ملا۔ پورے بیس سال کے بعد بابو صاحب' اور اب نصرو گھوسی سیٹھ اعظمی بن چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میری بہن بے قصور تھی۔ اتنی معمولی سی بات کی اتنی بڑا سزا دی ہے اس نے' تو وہ گڑگڑانے لگا' میرے پیروں پر پڑ گیا' کہنے لگا کہ اب وہ بہت بڑا آدمی ہے' سوسائٹی میں اس کی عزت ہے' میں اس عزت کو نیلام نہ کروں' اسے اپنا بہنوئی نہ کہوں' اس کی بیوی کو بیٹی نہ کہوں۔ اس کی [illegible] وہ اس راز کی قیمت مجھے ادا کرنے پر رضا مند ہو گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے زیادہ گڑبڑ کی تو وہ اپنے اثر رسوخ سے کام لے کر مجھے موت کے گھاٹ اتروا دے گا۔ میری بہن کو مروا دے گا' نجانے کیا کچھ کہا اس نے بابو صاحب۔ اور میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے پاس پیسہ موجود ہے' یہ بھی دیکھ لیا تھا میں نے ان بیس سالوں میں کہ پیسے کے زور پر دنیا کا ہر کام ہو سکتا ہے۔ مجھے اپنی بہن عزیز تھی' اب تم چاہو تو اسے بلیک ملینگ سمجھ لو۔ میری بھی ضرورتیں تھیں۔ میری بہن نشے کی عادی ہو چکی ہے۔ ٹیکے لگوانے پڑتے ہیں اسے اور بھی بہت اخراجات ہیں میرے' جوا کھیلتا ہوں' خرچہ ہوتا ہے۔ اور میں زبان بند رکھنے کی قیمت وصول کرتا ہوں اس سے۔ اس طرح میرے انتقام کی آگ بھی پوری ہوتی ہے۔ باقی یہ بات میں جانتا ہوں کہ وہ ان تمام باتوں سے کتنا خوش ہے۔ چلو ٹھیک ہے' لیکن ایک بات سن لو' پہلے میری بہن کو قتل کر دو۔ اس کے بعد مجھے قتل کر دینا۔ کیونکہ میرے بعد اگر وہ زندہ رہ گئی تو اس کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا' اس کا کوئی اور سہارا نہ ہوگا۔ قتل کر دو مجھے قتل کر دو۔'' حاکم علی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ظفری اور سعدی گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ ان دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' پھر سعدی نے حاکم علی کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں حاکم علی ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ تمہاری بہن کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں

گے۔ لیکن تم بڑے بزدل انسان ہو اور اس کے ساتھ ساتھ شاید بے غیرت بھی۔''

''کیوں۔ میں بے غیرت کیوں ہوں؟''

''تم نے دولت قبول کر لی حاکم علی' برسر عام سیٹھ باسط اعظمی کی عزت اتار کر نہ رکھ دی' اسے اس کی اصل تصویر نہ دکھا دی۔ انسان دولت مند ہو جائے تو اپنی اصلیت کو کیوں بھول جاتا ہے۔ یہ تو تمہارا فرض تھا حاکم علی کہ تم دنیا والوں کو اس کی اصل تصویر دکھا دیتے۔ ماں کو بیٹی سے ملا دیتے۔ تم نے دولت قبول کر کے بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے۔''

''مجبوری تھی بابو صاحب' مجبوری تھی' میں اپنی بہن کی زندگی چاہتا ہوں۔ اس نے مجھے بھی تو دھمکی دی تھی کہ وہ مجھے مروا دے گا۔ تم یقین کرو میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میں خود بھی اسے قتل کر سکتا ہوں۔ لیکن ہم گردن میں ہاتھ ڈال کر' گلے میں بستے لٹکائے' کمیٹی کے اسکول جایا کرتے تھے۔ لیکن اب میں یہ کام نہیں کر سکتا' کبھی نہیں کر سکتا۔'' حاکم علی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''ہوں۔'' سعدی نے کہا۔ ''تم افسردہ نہ ہو۔ حاکم علی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم آئے تھے اس کی وجہ سے لیکن اب ہم تمہارے ساتھی ہیں' تمہیں ہم اس بوجھ سے آزاد کر دیں گے۔'' سعدی نے کہا اور حاکم علی انہیں متشکرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''ہیلو۔'' سمن نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ مفورا بھی اس کے ساتھ تھی۔ تینوں نے ان کا استقبال کیا تھا۔

''یقیناً بہادر جاسوس' تم نے کوئی پوائنٹ حاصل کر لیا ہے ورنہ ملاقات کے لیے اتنا اصرار نہ ہوتا۔'' سمن آراء نے کہا اور ظفری نے گردن خم کر دی۔

''بلیک میلر پکڑا جا چکا ہے۔ شہزادی سمن آراء ہدایت پور۔'' ظفری نے کہا۔

''واقعی واقعی سچ بتاؤ۔'' سمن پر اشتیاق انداز میں بولی۔

''ہاں سمن بیٹھو' بلیک میلر کی گرفتاری کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ ہی تمہیں ایک الجھے سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔'' سعدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب‘ کیا مطلب؟“ سمن تعجب سے بولی۔

”فرصت ہے تمہیں‘ خاصی بھاگ دوڑ کرنی ہوگی؟“

”ہاں‘ بالکل فرصت ہے۔“ صفورا نے کہا۔

”مس صفورا اعظمی۔ آپ کو اپنی والدہ یاد ہیں۔“ سعدی نے پوچھا۔ اور صفورا کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ اس نے نفی کے انداز میں گردن ہلا دی پھر بولی۔

”میں بہت چھوٹی تھی جب ان کا انتقال ہو گیا تھا۔“

”یہ بات آپ کو آپ کے والد صاحب نے بتائی ہوگی؟“

”ہاں۔“

”آپ کے والد نے دوسری شادی کیوں نہیں کی؟“

”میری وجہ سے۔“

”بہت چاہتے ہیں وہ آپ کو؟“

”ہاں۔“

”آپ کے دوسرے عزیز بھی ہوں گے؟“

”عزیز کوئی نہیں ہے۔ ڈیڈی کے احباب مجھے بہت عزیز رکھتے ہیں۔“

”صفورا صاحبہ‘ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نے آپ کا کیس حل کر لیا ہے۔ لیکن حالات ایسے ہیں کہ آپ کے ڈیڈی کا بلیک ہوتے رہنا ہی بہتر ہے۔ دوسری شکل میں آپ لوگ بہت سی پریشانیوں کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔“

”کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ پھر آپ نے کیا کیا ہمارے لیے؟“ صفورا نے کہا۔

”ہم اپنا کام انجام دے چکے ہیں۔ لیکن بلیک میلنگ کی وجہ اگر آپ کو بتا دی گئی تو آپ برداشت نہ کر سکیں گی۔“

”آپ صرف اس بلیک میلر کو ختم کر دیں۔ وجہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔“

”سوچ لیں صفورا صاحبہ۔“ سعدی بولا۔

”نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“

”بلیک میلر کا نام حاکم علی ہے۔۔۔۔ اور وہ آپ کا ماموں ہے۔“ سعدی نے کہا۔ سمن اور صفورا دونوں ہی ششدر رہ گئی تھیں۔ ”اس کے بعد ضروری ہے کہ میں آپ کو پوری کہانی سنا دوں۔“ سعدی بولا۔ اور پھر اس نے حاکم علی کی پوری داستان بیان کر دی۔ صفورا کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ بمشکل اسے اس کہانی پر یقین آیا تھا اور جب اسے یقین آیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”خدا کے لیے‘ خدا کے لیے مجھے میری امی کے پاس لے چلو۔ خدا کے لیے۔۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔۔“ وہ سعدی کے پاؤں پڑ گئی تھی۔ سمن بھی رنجیدہ تھی۔

سعدی‘ شکیلہ اور سمن نے بمشکل اسے سنبھالا تھا۔ سمن بھی بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ ”معاملہ بہت نازک ہے۔ صفورا۔ اتنا نازک کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ انکل اعظمی کی ساری شخصیت۔۔۔۔“

”اس کے بعد بھی تم یہ بات کر رہی ہو سمن۔ کیا شخصیت ہے‘ اس دودھ والے کی‘ اس نے۔۔۔ اس نے میری ماں کے ساتھ۔ یہ سلوک کیا۔ اس نے۔۔۔۔ اس نے۔“ صفورا غصے سے دیوانی ہو رہی تھی۔ اور پھر اسی جنون کے عالم میں اس نے فون پر جھپٹا مارا‘ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے کے بعد بولی۔

”کون بول رہا ہے؟“

”باسط اعظمی۔“ جواب ملا۔

”تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟“ جواب دو۔“ صفورا غرائی۔

”آپ۔۔۔ آپ کون ہیں خاتون؟“ دوسری طرف ہکلائی ہوئی آواز ابھری۔

”باپ کا نام بتاؤ باسط اعظمی۔ یہ اعظمی کون ہے؟ کون تھا تمہارا باپ‘ جواب نہیں دو

گے؟"

"کون ہوتم؟ باسط اعظمی بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔

"نصرو گھوسی' گھٹیا نسل کے ہو۔ نام بدل دیا۔ باپ بھی بدل دو۔ ورنہ باپ کے نام سے پہچان لیے جاؤ گے۔ عزت خاک میں مل جائے گی۔ لوگ جان لیں گے تمہیں۔ بتاؤ' میری ماں کہاں ہے؟ غفورن کہاں ہے؟ بتاؤ نصرو تمہاری بیوی کہاں ہے جسے تم ہندوستان میں چھوڑ آئے تھے؟"

صفورا تم۔۔۔ تم۔۔۔ یہ تم ہو؟ میں سمجھ گیا۔ اچھی طرح سمجھ گیا۔ تم [illegible] سے مل چکی ہو۔ شاید۔ تم صفورا تم۔۔۔ وہ بہت کمینہ۔۔۔"

"سنو۔ سنو باسط اعظمی۔ سنو میرے عظیم باپ۔ میری بات سنو۔ ان میں سے کسی کو برا بھلا کہنے سے قبل میری باتوں کے جواب دو۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ۔۔۔ بہت برا ہوگا۔ اتنا برا کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"تم کہاں سے بول رہی ہو صفورا' مجھے بتاؤ۔"

"مجھے بتاؤ۔ حاکم علی میرا ماموں ہے؟" صفورا نے اس کی ان سنی کر کے کہا۔

"چند لمحات کے تذبذب کے بعد باسط اعظمی نے۔ "ہاں وہ تمہارا ماموں ہے۔ لیکن زبان بند رکھنے کے لیے وہ ذلیل مجھ سے۔۔۔"

"میری ماں کا نام غفورن ہے؟"

"ہاں۔"

"تم نصرو دودھ والے ہو؟"

"ہاں ہاں یہ سب ٹھیک ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔"

"ڈیڈی میری ماں زندہ ہے؟ آپ کو علم ہے۔ میری ماں زندہ ہے۔ اور آپ نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ خدا بھی اسے معاف نہیں کرے گا۔ جھوٹی شان و عظمت کے لیے۔۔۔

میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گی ڈیڈی۔ سوائے اس کے کہ اب۔۔۔ میں اپنی ماں کے پاس رہوں گی۔ مجھے آپ۔۔۔ میری ماں کے ساتھ۔۔۔" صفورا نے ٹیلی کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ معمولی سے گھر میں اس وقت بڑی بڑی شخصیتیں جمع تھیں۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور' سیٹھ باسط اعظمی' سمن' ظفری اور سعدی۔ باسط اعظمی کی بے چین نگاہیں اس دروازے کی طرف جمی ہوئی تھیں جس کے دوسری طرف صفورا وغیرہ موجود تھیں۔ بالآخر صفورا اپنی ماں کے ساتھ باہر نکلی۔ شکیلہ ان کے ساتھ تھی۔ باسط کھڑا ہو گیا تھا۔

"صفورا۔ میری بچی۔ میری۔" وہ بے اختیار [illegible] نے اسے روک دیا۔

"باسط صاحب' پہلے اپنی بیوی سے ملیں۔ اب یہی صفورا تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔ افسوس آپ نے ایک انسان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔"

"ہاں مجھے احساس ہے بیگم صاحبہ۔ غفورن کو میں نے ابتداء میں ایک معمولی سی بات پہ چھوڑا۔ لیکن بعد میں جھوٹی انا اور نام و نمود کی خاطر۔ نصرو گھوسی کو باسط اعظمی بتانے کے لیے میں نے یہ سب کچھ کیا۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔ انتہائی شرمندہ ہوں۔"

"نصرف۔۔۔ نصرو ہے نا یہ؟ کہیں چلا گیا تھا رے تو۔ اتنی دیر میں واپس آیا ہے۔ نکھٹو کہیں کے۔ دیکھو میری بیٹی آئی ہے۔ یہ اپنی صفو ہے۔ بڑی ہو گئی ایک دم۔ ہائے میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے۔ میں مر رہی ہوں حاکم۔" غفورن نیم دیوانگی کے عالم میں بول رہی تھی۔

"سب کچھ لے آیا ہوں غفورن اب تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں نے نوکری کر لی ہے۔ چل اپنے گھر چلیں۔ چل صفورا۔"

"چل۔ آ جا صفو۔ گھر چلیں آ جا۔" غفورن نے ایک ہاتھ سے باسط اعظمی کو پکڑا اور دوسرے سے صفو کو پکڑ لیا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا بیگم صاحبہ۔ تب ٹھیک ہو جائے گا حاکم بھائی۔ میں علاج

کراؤں گا غفورن کا۔ میں اسے بالکل ٹھیک کر کے پیش کروں گا آپ کے سامنے میرا وعدہ ہے۔“

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ بیگم جہاں آراء نے کہا۔ اور باسط اعظمی اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

بیگم ہدایت پور کو باسط اعظمی نے ہی اس مسئلے میں گھسیٹا تھا۔ ان کی معرفت ہی معاملات طے ہوئے تھے۔ بہر حال حاکم علی کے گھر سے واپسی میں حسن نے کہا۔

”ثابت ہوا امی کہ یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کافی خطرناک ادارہ ہے۔ اسے [illegible] رہنا [illegible] مسکرائے [illegible]

☆......☆......☆

سعدی آٹھ دن کے بعد اسپتال سے واپس آیا تھا۔ یہ تمام دن بڑے پریشان کن گزرے تھے۔ دفتر کھلتا ضرور تھا لیکن دفتر میں کسی کا دل نہیں لگتا تھا۔ سب کا ذہن سعدی میں الجھا ہوا تھا۔ بہر حال وہ صحت یاب ہو کر آ گیا تھا۔ کراٹے کلب کے ماہانہ امتحان میں وہ زخمی ہو گیا تھا۔ تین پسلیوں میں چوٹ آئی تھی۔ ظفری مقابلہ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا ورنہ دونوں کے بستر ساتھ ہوتے۔ ہاں ٹیٹو نے اپنے مقابل کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ شکیلہ بھی ٹھیک رہی تھی۔ بہر حال سعدی تو اسپتال چلا گیا تھا۔ ظفری نے اس کے بعد کراٹے کلب کا رخ نہیں کیا تھا۔ اسپتال اور پھر دفتر کی مصروفیت کا بہانہ تھا۔ مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ کو بتایا گیا تھا کہ سعدی موٹر سائیکل سے گر پڑا ہے۔ پھر سعدی کو اسپتال سے فرصت مل گئی۔ چوٹ گہری نہیں تھی۔ پسلیوں پر ورم آ گیا تھا اور خون رک گیا تھا جو تحلیل ہو گیا اور اس کی حالت درست ہو گئی۔

دفتر کی پہلی میٹنگ میں صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد سعدی نے اعلان کیا کہ وہ صرف دماغ ہے۔ بدن نہیں۔ چنانچہ وہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دماغی شعبہ سنبھالے گا اور ذہنی دوڑ کے لیے جسمانی تربیت ضروری نہیں ہے چنانچہ کراٹے کلب کی شمولیت ختم' ظفری بھلا کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ سعدی کا ساتھ دے گا۔ ٹیٹو نے کہا کہ بلیک بیلٹ ضرور حاصل کرے گا۔ شکیلہ نے بھی تربیت جاری رکھنے کا اعلان کیا تھا۔

”ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی آمدنی اتنی ہے کہ ہم کراٹے کے لڑاکوں سے بھی کام لے سکتے

ہیں۔ بلکہ اب ضروری ہوگیا ہے۔ کہ اسٹاف بڑھایا جائے اور اس کے لیے علیحدہ دفتر قائم کیا جائے۔" سعدی نے کہا۔

"میں متفق ہوں۔ اس کے علاوہ ہمیں کارکردگی بھی بڑھانی ہوگی۔" ظفری نے کہا۔

"اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔" شکیلہ نے منظوری دے دی۔ ان دنوں کوئی کیس نہیں تھا۔ اس لیے اس سلسلے میں کام شروع ہوگیا۔ اس دفتر کے بالکل سامنے والا دفتر حاصل کرلیا گیا اور پھر یہاں "جاسوسوں" کی نشست گاہ بنادی گئی۔ اس کے بعد جاسوسوں کی تلاش شروع ہوگئی۔ کام کے لوگوں کا ملنا آسان نہیں تھا۔ اس سلسلے میں سب کوشش کررہے تھے۔ پھر ٹیٹو نے دو افراد کی سفارش کی۔ یہ کراٹے کلب کے لوگ تھے۔ لیکن اسی کے ہم پلہ ایک جادو تھا۔ اور دوسرا ڈنھل۔"

"بھائی لوگوں کی کھوپڑی خالی ہے۔ بھیجہ بھی بدن میں گھل مل گیا ہے لیکن اس خالی کھوپڑی میں جو چیز رکھ دو وہی رہے گی۔ یہ صرف عمل کریں گے۔ دونوں بلیک بیلٹ ہیں اور بیکار ہیں۔" ٹیٹو نے ان کا تعارف کرایا۔

"قابل اعتماد ہیں؟"

"کسی اونٹ کی مانند!" ٹیٹو نے اونٹ کے بارے میں ایک نیا انکشاف کیا۔

"تعلیم یافتہ ہیں؟"

"پکے تعلیم یافتہ ہیں۔ ڈنھل ہوٹل فریسکو میں روم ویٹر کے طور پر کام کرچکا ہے اس لیے اردو بھول گیا ہے اور بس انگریزی بولتا ہے۔ جادو نے بھی چھ سال اسکول پر احسان کیا ہے۔"

"تنخواہ؟" سعدی نے پوچھا۔

"پیٹ بھر کھانا۔ کپڑا اور رہائش گاہ۔ باقی جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔"

"گڈ! ان کی نوکری بھی ان کی تعلیم کی طرح پکی۔ دو چار ایسے اور مل جائیں تو لے آؤ ٹیٹو۔" سعدی نے کہا۔ اس کے بعد ان لوگوں کی تربیت شروع ہوگئی۔ مضطرب صاحب نے سب سے زیادہ جاسوسی ناول پڑھے تھے ان دنوں اور واقعی کام کے آدمی بن گئے تھے۔ اس لیے ان

لوگوں کی تربیت کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی تھی۔ اور وہ خود بھی اس دوسرے دفتر میں منتقل ہوگئے۔ اس کے علاوہ افسر خریداری بھی انہیں ہی بنادیا گیا۔ چنانچہ اس دوسرے دفتر میں انہوں نے ایسے انتظامات کیے کہ سعدی ظفری اور شکیلہ دنگ رہ گئے۔ الیکٹریشن کو بلاکر مضطرب صاحب نے جاپانی انٹرکام سیٹ نصب کرائے تھے اور اس طرح نصب کرائے تھے کہ کسی کو نظر نہ آسکیں۔ بس میز کے نیچے لگے بٹن دباؤ اور ضرورت پوری کرلو۔ بہرحال ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ترقی کی منازل طے کررہا تھا اور بڑی عمدگی سے یہ جاسوسی کا ادارہ پروان چڑھ رہا تھا۔ بہت سی خریداریاں کی گئی تھیں اور زندگی بہت عمدگی سے گزرنے لگی تھی۔

پھر دو اور افراد کا اضافہ ہوگیا' ان میں ایک راشد تھا تعلیم یافتہ نوجوان' لیکن لاابالی فطرت کا مالک۔ بہت ذہین تھا اور یہ ظفری کی دریافت تھی۔ دوسرا قاسم تھا' یہ بھی اچھا خاصا پڑھا لکھا تھا۔ اور اس نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے اغراض و مقاصد سمجھ کر اپنی ملازمت کی پیشکش کردی تھی' گویا معقول ترین لوگوں کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوگئی تھی۔

اس دوران چھوٹے موٹے بہت واقعات پیش آئے لیکن کوئی باقاعدہ کیس نہیں ملا تھا۔

اس دوپہر موسم خاصا گرم تھا۔ اور وہ لوگ اپنے ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھے ہوئے انگڑائیاں لے رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور سعدی نے اٹھایا تھا۔ دوسری جانب سے کھردری سی آواز سنائی دی۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ؟"

"ہاں۔ فرمائیے کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

"یہاں کے کسی ذمہ دار کارکن سے۔"

"آپ بے تکلفی سے اپنا مقصد بیان کرسکتے ہیں۔"

"اس ادارے کے بارے میں سنا ہے کہ معاوضہ لے کر لوگوں کی ہر طرح سے امداد کرتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟" سوال کیا گیا۔

"یقیناً۔ بشرطیکہ اس امداد میں قانون کو الجھن پیش نہ آتی ہو۔ میرا خیال ہے ان الفاظ میں میرا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' رات کو ساڑھے سات بجے فائزرس کی چھت پر مجھ سے ملاقات کرو۔"

"ہوٹل فائزرس؟" سعدی نے سوال کیا۔

"ہاں۔ اسی کی بات کر رہا ہوں۔ فائزرس پر روف گارڈن ہے۔ اسی گارڈن میں آجاؤ۔ میں تمہیں نہیں پہچانتا لیکن اگر تمہارے کوٹ کے کالر میں گلاب کی تین کلیاں لگی ہوئی ہوں تو میں تمہیں پہچان لوں گا۔"

"اتنے گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت ہے۔ آپ مجھے اپنا نام بتایئے۔ میں اسی نام سے آپ کو تلاش کر لوں گا۔ حلیہ بھی بتا دیں تو بہتر ہے۔"

"پلیز اس سلسلے میں ردوقدح مت کرو۔ مجھ سے مل کر تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ جو کچھ میں نے کیا وہ بہتر تھا۔"

"ٹھیک ہے مجھے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہے آپ کوئی کیس میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"ہاں۔ اور تمہارے منہ مانگے معاوضے پر۔"

"بہت بہتر' میں شام سات بجے ہوٹل فائزرس کی چھت پر آپ سے ملاقات کروں گا۔" "خدا حافظ۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سعدی نے فون بند کر دیا۔

ظفری موجود نہیں تھا۔ لیکن شکیلہ سامنے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہمارے شایان شان۔" سعدی نے جواب دیا۔

"ہوٹل فائزرس کی چھت پر؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اور کوئی بات نہیں بتائی؟"

"نہیں' ظاہر ہے ساری گفتگو فون پر ہی طے نہیں ہو جاتی۔" سعدی نے جواب دیا۔

شام کو سات بجے وہ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس ہو کر ہوٹل فائزرس پہنچ گیا۔ ہفتے کا آخری دن تھا۔ فائزرس کی چھت پر بہت رش تھا' یوں بھی موسم دن بھر سخت گرم رہا تھا۔ لیکن شام ٹھنڈی ہو گئی تھی اس لیے فائزرس میں آنے والوں نے چھت کا ہی انتخاب کیا تھا اور تقریباً تمام میزیں بھر چکی تھیں۔ فائزرس کی چھت کو گارڈن کی شکل دے دی گئی تھی اور یہاں مصنوعی طریقے سے گھاس اگائی گئی تھی۔ پھول لگائے گئے تھے اس لیے یہاں کا ماحول بے حد حسین ہو گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے تراشے ہوئے درختوں میں بجلی کے رنگین قمقمے جھانک رہے تھے اور ان کے درمیان لگی ہوئی میزوں سے نقرئی قہقہے ابھر رہے تھے بہت سے لوگ بیٹھنے کی جگہ حاصل نہ کر پانے کی وجہ سے کھڑے ہوئے مشروبات سے شغل کر رہے تھے۔ کچھ گھاس پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ سعدی مختلف میزوں کے درمیان چکراتا پھرا۔

دس منٹ گزر گئے' اس کے کوٹ کے کالر میں گلاب کے تین ادھ کھلی کلیاں لگی ہوئی تھیں جو ملاقات کے خواہشمند کی فرمائش پر لگائی گئی تھیں لیکن ابھی تک کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ بہت سے لوگ مختلف تفریحات میں مشغول تھے۔ دفعتاً سعدی کے اوپر تیز روشنی پڑی اور وہ چونک پڑا۔

اس نے اس لڑکی کو دیکھ لیا تھا۔ جو نارنجی بلاؤز اور کالے اسکرٹ میں ملبوس بے حد اسمارٹ نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینک لگی ہوئی تھی اور ہاتھ میں کیمرہ لٹکا ہوا تھا۔

سعدی نے اس کی طرف دیکھا اور لڑکی نے رخ بدل لیا۔ جیسے اس بات کا اظہار کر رہی ہو کہ تصویر سعدی کی نہیں لی گئی بلکہ فلیش لائٹ کے جھماکے میں وہ بھی آ گیا ہے۔ لیکن یہ روشنی اتنی بھرپور تھی کہ سعدی کو یقین تھا کہ یہ تصویر اسی کی لی گئی ہے۔ آخر کیوں؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ویسے لڑکی کو اس نے نگاہ میں رکھ لیا تھا۔ وہ اس بات کو نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔

بہرطور وہ گھومتا رہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے ویٹر سے ایک مشروب طلب کر کے فوری طور پر اس کی قیمت ادا کر دی اور پھر ایک دیوار سے ٹک کر اس کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتا رہا۔ اس کی نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھیں۔ جب آدھے گھنٹے سے زیادہ گزر گیا تو اس کے ہونٹ مایوسی سے سکڑ گئے اس نے سوچا کہ یا تو کسی نے مذاق کیا ہے یا پھر اس کا ملاقاتی پہنچ نہیں سکا۔ جب ایک گھنٹہ گزر گیا تو اس نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کیا۔ اب وہ اس ملاقات سے مایوس ہو گیا تھا۔

وہ روف گارڈن کے نیچے جانے والے راستے کی جانب چل پڑا۔ تب ہی عقب سے وہ لڑکی اس کے قریب پہنچ گئی۔

''مسٹر پلیز!'' اس نے نرم اور مہین آواز میں کہا اور سعدی رک گیا۔ اس کے چہرے کے عضلات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔

''جی فرمایئے۔''

''آپ واپس جا رہے ہیں؟''

''کیوں کیا خیال ہے آپ کا؟ اور تصویر بنانا چاہتی ہیں آپ میری؟'' سعدی نے کسی قدر خشک لہجے میں پوچھا۔

''اوہ نہیں' میں آپ کی اس مایوسی کو دور کرنا چاہتی ہوں۔'' لڑکی نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' سعدی چونک کر بولا۔

''میرے ساتھ آنا پسند کریں گے؟''

''نہیں۔ میں فضول قسم کی باتوں میں دل چسپی لینے کا عادی نہیں ہوں۔ ہاں اگر آپ مجھے اپنا مقصد بتا دیں تو میں اس بارے میں غور کر سکتا ہوں۔''

''اوہ گڈ۔ گڈ۔ مقصد یہی ہے کہ آپ جس سے ملنے یہاں آئے تھے میں آپ کو اس

کے پاس پہنچانا چاہتی ہوں۔'' لڑکی نے جواب دیا اور سعدی گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''بڑی ڈرامائی سچویشن پیدا کی ہے آپ لوگوں نے' کہاں ہیں وہ صاحب جو مجھ سے ملاقات کے خواہشمند تھے؟''

''اسی لیے عرض کر رہی ہوں۔'' میرے ساتھ آیئے۔''

''چلیے۔'' سعدی نے دونوں شانے ہلا کر کہا اور لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ''یہ ایک گھنٹہ کس سلسلے میں ضائع کیا گیا ہے میرا؟'' راستے میں لڑکی کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے سوال کیا اور لڑکی عجیب سے انداز میں سعدی کو دیکھنے لگی۔ پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

''میں کیا عرض کر سکتی ہوں جناب' بس جو حکم تھا' میں نے اس کی تعمیل کی ہے۔''

''شاید میری تصویر بھی آپ نے اسی حکم کے تحت لی ہو گی؟''

''شاید؟'' لڑکی دلآویز انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔

''لیکن میں آپ کا یہ کیمرہ چھین کر فائرز رس کی چھت سے نیچے بھی پھینک سکتا ہوں۔''

''ہاں ہاں۔ یہ کر سکتے ہیں آپ؟ لیکن کسی کی تصویر لینا اتنی بری بات تو نہیں ہے۔ اور پھر میں یہ بھی کہہ سکتی ہوں آپ سے کہ میں نے روف گارڈن کے مہمانوں کی تصویر لی تھی' فلیش لائٹ میں آپ بھی آ گئے۔''

''خیر آپ جو کچھ بھی کہنا چاہیں کہہ سکتی ہیں' لیکن میں تصویر لینے کی وجہ آپ سے نہیں پوچھوں گا بلکہ وہی شخص مجھے بتائے گا جس نے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔'' سعدی بولا۔

لڑکی روف گارڈن کے ایک نیم تاریک گوشے کی طرف جا رہی تھی۔ یہ گوشہ نیم تاریک اس لیے تھا کہ یہاں قرب و جوار میں کوئی درخت موجود نہیں تھا۔ جن کی مدھم روشنیاں روف گارڈن کے تمام حصوں کو منور کر رہی تھیں۔ بس یہی ایک گوشہ ایسا تھا جسے تاریک کہا جا سکتا تھا۔ ویسے مدھم روشنی یہاں بھی پہنچ رہی تھی۔ اور یہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی شکلیں نمایاں طور پر دیکھی

جاسکتی تھیں۔

سعدی نے دیکھا کہ ایک خوبصورت میز کے گرد پڑی ہوئی چار کرسیوں میں سے صرف ایک کرسی پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ چست و چالاک بدن کا مالک' دراز قامت' قد کی لمبائی بیٹھے ہوئے کے باوجود نمایاں ہو رہی تھی۔ انتہائی نفیس تراش کا سوٹ پہنے ہوئے' لیکن انتہائی کرخت چہرے کا مالک' موٹے موٹے ہونٹ اور آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ میز پر رکھے ہوئے ہاتھوں کی تمام انگلیوں میں قیمتی انگشتریاں نظر آ رہی تھیں' جن سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ یقیناً قیمتی ہیروں کی انگوٹھیاں تھیں۔ اس کے عقب میں نیچی دیوار تھی جس کے پاس تین سیاہ سوٹوں میں ملبوس نوجوان کھڑے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً ملازم قسم کے لوگ تھے اور اس طرح مودب کھڑے ہوئے تھے جیسے اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی بجا آوری کے لیے تیار ہوں۔

لڑکی اس کے نزدیک پہنچ کر جھکی۔

''آپ کا مطلوبہ شخص پرنس دلاور۔'' اس نے کہا اور کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس کو میز پر رکھ کر عجیب سی نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔

''ہوں' کیا نام ہے تمہارا؟'' اس کی آواز میں بھیڑیوں جیسی غراہٹ تھی۔

سعدی کو اول تو اس کے دیکھنے کا انداز ہی پسند نہیں آیا تھا اور پھر اس کے تخاطب نے اس کی کھوپڑی اور بھی گھما دی اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔

''تم ہی نے ٹیلی فون کیا تھا؟''

''نہیں۔ میرے اس خادم نے'' کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے پیچھے کی جانب اشارا کیا۔

''کیا بات تھی؟'' سعدی نے کھردرے اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ وہ اسی طرح کھڑا

رہا تھا۔ کرسی پر بیٹھا ہوا شخص اسے گھورتا رہا۔ اور پھر اس نے سامنے رکھے ہوئے گلاس سے مشروب کے دو گھونٹ لیے اور بولا۔

''ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا چیز ہے؟''

''اس سلسلے میں وہاں آ کر معلومات حاصل کرو۔'' سعدی غرائی ہوئی آواز میں بولا اور واپسی کے لیے پلٹنے لگا۔

''ٹھہرو' کہاں چل پڑے؟ مجھے تم سے بات کرنی ہے' ادھر آؤ' بیٹھ جاؤ۔'' اس بار اس شخص نے اپنی آواز کو نرم بنانے کی کوشش کی تھی۔

سعدی چند لمحات اسے گھورتا رہا' پھر لاپروائی سے اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی تھی۔ جو خوف ہی کی علامت کہی جا سکتی تھی۔

کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے ایک تیز آواز کے ساتھ مشروب کا گلاس میز کی سطح پر رکھ دیا اور دونوں کہنیاں میز پر رکھ کر تھوڑا سا آگے کو جھک آیا۔

''بہت خودسر اور مغرور معلوم ہوتے ہو۔''

''میرا انٹرویو لینے کے لیے بلایا تھا تم نے مجھے؟'' سعدی بولا۔

''نہیں۔ تم پرنس دلاور سے واقف نہیں ہو۔ اس لیے تمہارے انداز گفتگو میں یہ جرأت جھلک رہی ہے۔''

''شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے مسٹر کہ میں ایک آزاد ملک کا آزاد شہری ہوں اور کسی پرنس ورنس کی برتری کو قبول نہیں کرتا۔ آپ کو اگر میری ضرورت تھی تو آپ نے مجھے یہاں طلب کیا' ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں یقیناً آپ جانتے ہوں گے ورنہ وہاں رنگ کیوں کرتے' ان دونوں باتوں کی روشنی میں اگر آپ مجھ سے کوئی گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میرا۔ یہاں رکنا آپ ہی کے حق میں نقصان دہ ہو سکتا ہے۔''

"بہت بول رہے ہو۔ یہ جاسوسی کا ادارہ ہے نا۔ تو لوگ بہت شاطر معلوم ہوتے ہو۔"

"آپ کا اندازہ درست ہے پرنس دلاور۔ ہم شاطر بھی ہیں اور قاتل بھی' سمجھے آپ؟" سعدی نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہوں' معاوضہ لے کر کام کرتے ہو؟"

"ظاہر ہے' فی سبیل اللہ یہ کام شروع نہیں کیا۔" سعدی نے جواب دیا اور کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے پھر گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ مشروب کے مزید تین چار گھونٹ لے کر اس نے گلاس خالی کیا اور پھر ایک انگلی اٹھا کر کسی کو اشارہ کیا۔ پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص آگے بڑھ آیا۔ پرنس دلاور نے اپنا ہاتھ کھول دیا اور اس شخص نے نوٹوں کی کئی گڈیاں نکال کر پرنس دلاور کے سامنے ڈال دیں۔ پرنس دلاور نے بڑی حقارت سے ان نوٹوں کو سعدی کی جانب کھسکا دیا اور بولا۔

"یہ رکھو اور اگر مزید ضرورت ہو تو کاغذ کے یہ ٹکڑے تمہیں ادا کر دیے جائیں گے۔ ان کے عوض پرنس دلاور کا ایک کام کرنا ہے۔"

"جی فرمایئے۔"

"پرنس دلاور کے نام کے ساتھ اگر کوئی تم سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا خواہشمند ہو' تو تم اس کی اطلاع مجھے دو گے۔ سمجھے؟ وہ کیس تم نہیں لو گے۔ اور اس سلسلے میں جو کچھ تم سے کہا جا رہا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ایک طرح سے پیشگی رقم ہے۔ اس سلسلے میں کوئی تردد نہ کرنا۔ تمہیں جتنی بھی رقم کی ضرورت ہو' جب بھی تم سے رابطہ قائم کر کے سوال کی جائے' تم مانگ سکتے ہو' بس اب جاؤ۔"

"لیکن پرنس دلاور ان نوٹوں کو قبول کرنے سے پہلے میں آپ سے کچھ سوالات ضرور کروں گا۔"

"رینا سے کر لو۔ رینا سے پوچھ لو۔" مغرور اور بد دماغ آدمی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور لڑکی دو قدم آگے بڑھ آئی۔

"پلیز مسٹر' پلیز۔ آیئے میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ براہ کرم نوٹ اٹھا لیجیے۔"

اچھی خاصی رقم تھی' یقیناً دس دس ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں ہوں گی اور یہ گڈیاں چھ سات کی تعداد سے کم نہیں ہوں گی۔

سعدی سب کچھ کر سکتا تھا لیکن نوٹوں کو چھوڑنا اس کے بس کی بات نہیں تھی اور بہر حال یہ بات لڑکی سے معلوم ہو ہی جائے گی کہ یہ نوٹ اسے کس سلسلے میں دیے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو دوسری بات ہے اگر نہ ہوئی تو ان نوٹوں کو چھوڑنا حماقت۔ چنانچہ اس نے گڈیاں اٹھا کر لاپروائی سے جیبوں میں ٹھونس لیں اور پھر پرنس سے کچھ کہے بغیر لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ لڑکی اب کافی نرم نظر آ رہی تھی۔

"پرنس کی باتوں کی پروا مت کرنا۔ یہ ان کی عادت ہے۔"

"ہو گی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" سعدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم بھی خاصے خودسر معلوم ہوتے ہو۔"

"لڑکی فضول باتوں سے پرہیز کرو' میرا موڈ خراب ہو گیا ہے' میں اس وقت کوئی نرم رویہ اختیار کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میری وجہ سے اپنے اس موڈ میں تبدیلی پیدا کر لو۔ پرنس سے ملنا ضروری تھا' ورنہ میں شاید خود ہی تم سے بات چیت کر لیتی۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"وہ آخر ہے کیا چیز؟"

"آؤ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" لڑکی بولی۔ شاید اس کے لیے کوئی میز مخصوص تھی۔ کیونکہ جس گوشے میں وہ سعدی کو لے کر گئی تھی وہاں پڑی ہوئی میز خالی تھی اور اس پر ریزرو کی تختی

لگی ہوئی تھی۔

لڑکی نے وہ تختی الٹی کر کے رکھ دی اور سعدی کے لیے کرسی گھسیٹ دی۔ پھر اپنی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"پرنس نے میرا نام تمہارے سامنے لیا۔ رینا ہے' میرا نام' اس طرح میرا تو تم سے تعارف ہو گیا۔ لیکن تمہارا نام مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔"

"سعدی۔" سعدی نے جواب دیا۔

"شکریہ مسٹر سعدی۔ پرنس دلاور عادل آباد کے پرنس ہیں' نواب علی ضرغام اس ریاست کے نواب تھے۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ پرنس دلاور ان کے ولی عہد ہیں' ڈی ڈی لمیٹڈ کا نام کسی طور پر پرنس کے کانوں تک پہنچا تھا۔ دراصل پرنس دلاور کے خلاف ایک سازش ہو رہی ہے اور اس سازش کے بانی کچھ اپنے ہی لوگ ہیں' ان سازشیوں نے شاید کسی طرح ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمائندے سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ طے کیا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کارکنوں کو معاوضہ دے کر ان سے اپنے مفادات کی حفاظت کرائیں' ایک پرنس سے معاوضے کے سلسلے میں کسی قسم کی سودا بازی بالکل غیر مناسب ہو گی۔ آپ کو میں اپنے طور یہ پیغام دے رہی ہوں کہ اگر کوئی فرد یا کوئی شخص آپ سے پرنس کے خلاف امداد حاصل کر چکا ہے۔ یا کرنے والا ہے تو آپ اس سلسلے میں براہ راست دل چسپی نہیں لیں گے۔ بلکہ آپ کی دل چسپی پرنس کے لیے ہو گی۔ آپ پرنس کے مفادات کی حفاظت کریں گے' یہ آپ کے لیے مالی طور پر بھی سود مند ہو گا اور ویسے بھی۔ بس میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ ابھی تک آپ سے پرنس کے خلاف کوئی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے یا نہیں؟"

"ابھی تک نہیں کی گئی ہے' یہ میں اس لیے بتا رہا ہوں کہ پرنس دلاور نوٹوں کی چند گڈیاں میری جیب میں ٹھونس چکے ہیں لیکن اگر پرنس کے خلاف کسی قسم کی امداد حاصل کرنے کی

کوشش ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ذریعے کی گئی تو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ارکان یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ اس امداد کی نوعیت کیا ہے۔ اگر پرنس دلاور جارح ہوئے اور دوسرا مظلوم۔ تو معاوضہ کچھ بھی ہو' مظلوم کی حمایت کی جائے گی۔ اور اگر یہ سازش پرنس کے خلاف اپنے کسی مفاد کے تحت کی جا رہی ہے تو میرا وعدہ ہے کہ ہم پرنس کے مفاد کی نگرانی کریں گے۔"

"ان چکروں میں نہ پڑیں مسٹر سعدی۔ میں دوستانہ طور پر کہہ رہی ہوں۔ کام پرنس ہی کے لیے ہونا چاہیے۔"

"خیر وہ الگ بات ہے کام کی نوعیت معلوم ہونے کے بعد ہی میں اس کا فیصلہ کر سکوں گا۔"

"نہیں پلیز نہیں۔ مجھے اجازت دو کہ میں پرنس کو یہ اطلاع دے دوں کہ تم رام ہو گئے ہو۔"

"وہ تمہارا اپنا فعل ہے۔ ابھی تک تو میں رام ہی ہوں۔ لیکن جو حقیقت ہے وہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' اس وقت چونکہ پرنس کے رویے نے تمہارا ذہن بھی گرم کر دیا ہے اس لیے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ اور ہاں یہ ایک ٹیلی فون نمبر بھی رکھ لو' اگر کبھی مجھ سے گفتگو کی ضرورت پیش آ جائے تو اس فون پر تمہیں صرف میں ملوں گی۔"

"ٹھیک ہے" سعدی نے کہا۔ لڑکی نے اپنے پرس سے ایک چٹ نکال کر اس پر فون نمبر لکھا اور سعدی کی طرف بڑھا دیا۔ سعدی نے اسے دیکھے بغیر جیب میں رکھ لیا تھا۔

"اب بتاؤ کیا خدمت کروں تمہاری؟"

"کچھ نہیں شکریہ۔ میں مشروب پی چکا ہوں۔"

"میرے ساتھ کچھ اور سہی۔"

"نہیں بس شکریہ۔"

"مجھے احساس ہے کہ پرنس کے رویے کی وجہ سے تم اتنے بددل ہو گئے ہو ورنہ چہرے

مہرے سے تم کوئی بد دماغ آدمی معلوم نہیں ہوتے۔ ویسے اب میں اپنے طور پر تم سے یہ سوال کر رہی ہوں کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا ہے؟"

"وہی جو تم لوگ سمجھے ہو۔ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ۔ لیکن بہرطور ملکی مفاد یا انسانی مفاد کے خلاف ہم کوئی کام نہیں کرتے۔"

"اس کے باوجود یہ ادارہ چلا رہے ہو؟" لڑکی نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ اور بڑی خوش اسلوبی سے۔ اچھا، میں اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔" سعدی نے کہا۔ لڑکی نے گردن خم کر دی تھی۔ وہ اسی جگہ بیٹھی رہی۔ سعدی اپنی جگہ سے اٹھ کر واپس چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار برق رفتاری سے سڑکوں پر دوڑ رہی تھی اور اس کا ذہن پرنس دلاور میں کھویا ہوا تھا۔

اس شخص کا ہتک آمیز رویہ سعدی کو برا لگا تھا، لیکن پھر اس نے اپنا دماغ ٹھنڈا کر لیا۔ ساٹھ ستر ہزار کی رقم جیب میں موجود تھی۔ اس رقم کے حصول کے لیے ہر طرح کے لوگوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

رات کو ظفری اور شکیلہ سے میٹنگ ہوئی اور طے کر لیا گیا کہ پرنس دلاور کی اپنی شخصیت کچھ بھی ہو یہ ستر ہزار روپے کی رقم حلال جائے گی اور مزید رقم کے ملنے کی امید کو چھوڑا نہیں جائے گا۔ سمن آراء ہدایت پور آ گئی تھیں۔ اتفاق سے دفتر میں ظفری رہ گیا تھا۔ اسی سے ملاقات ہوئی۔

"ہیلو دولہا میاں اکیلے بیٹھے ہو۔ دفتر تو بہت شاندار ہو گیا ہے تمہارا۔"

"شکریہ۔ اس وقت۔۔۔؟"

"اٹھو مجھے ہدایت پور چھوڑ آؤ۔ میری گاڑی کا حادثہ ہو گیا ہے۔ آٹو مکینک کے پاس چھوڑ دی ہے۔"

"اوہ۔ کوئی خطرناک حادثہ تو نہیں۔۔۔"

"ارے نہیں بس معمولی سا، میرے کہیں چوٹ نہیں آئی۔ اب تکلف نہ کرو مجھے جلدی ہے۔" اور ظفری اس سے انکار نہیں کر سکا۔ لاکھ جلدی کی لیکن ہدایت پور سے واپسی میں رات ہو گئی۔ اس وقت وہ شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ جب اس نے کسی کو سڑک کے عین درمیان دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑے دیکھا۔ ظفری نے بریکوں پر دباؤ ڈال دیا۔ کوئی لڑکی تھی نوجوان بھی تھی اور خوبصورت بھی۔ لباس بہت عمدہ تھا لیکن بری طرح مسلا ہوا اور بے ترتیب۔ گاڑی رکتے ہی وہ ظفری کی طرف جھپٹی۔ "خیریت ہے محترمہ؟ یہاں اس ویرانے میں؟" ظفری نے کسی قدر حیرت سے کہا۔

"مجھے شہر کے کسی بھی علاقے میں چھوڑ دو۔ تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔" وہ لجاجت سے بولی اور ظفری کے جواب کا انتظار کیے بغیر عقبی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ ظفری نے چند سیکنڈ گردن گھما کر اس کی شکل دیکھی اور پھر گہری سانس لے کر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"سنو، لمبی ڈرائیونگ سے آ رہے ہو۔ ایسا ہی لگتا ہے حلیے سے؟" لڑکی کی آواز ابھری۔

"ٹھیک ہے لیکن آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟"

"میرے بارے میں کچھ مت پوچھو۔ لمبی ڈرائیونگ کرنے والے عموماً اپنے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھتے ہیں۔ تمہارے پاس کافی یا کوئی اور ایسی چیز ہو گی۔ جو کھائی یا پی جا سکے۔"

"بدقسمتی سے میری ڈرائیونگ اتنی لمبی نہیں تھی کہ کھانے پینے کی کوئی چیز ساتھ رکھتا۔ آپ شاید بہت بھوکی ہیں؟"

"ہاں بہت بھوکی ہوں، سب سے پہلے کچھ کھلا دو۔ تمہاری بڑی نوازش ہو گی۔ پیسے میرے پاس موجود ہیں۔ بس کسی ایسی جگہ گاڑی روک دو جہاں کچھ کھانے کو مل سکے۔"

"کسی پریشانی کا شکار معلوم ہوتی ہیں آپ۔"

’’ارے ہاں۔ ہاں۔ بس ہیرو بننے کی کوشش مت کرو۔ ذرا سی لفٹ دے دی ہے تو میری ذات پر مسلط مت ہو۔ مجھے بس کسی مناسب جگہ پر چھوڑ دو! میں اپنا بندوبست خود کرلوں گی۔‘‘ ظفری نے ایک لمحے اس کا جائزہ لیا اور پھر خاموشی سے ونڈ اسکرین پر نظریں جما دیں۔ کسی مالدار گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔ الفاظ میں شستگی تھی۔ غالباً پڑھی لکھی تھی۔ نہ جانے کن حالات کا شکار ہے۔ بہرطور ظفری نے اپنے طور پر فیصلہ کرلیا۔ اس کے دل میں کوئی برائی تو تھی نہیں۔ لیکن لڑکی کے معیار کے مطابق اس نے لڑکی کو کوئی سڑک چھاپ چیز کھلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایک عمدہ سے ریسٹورنٹ تک لے آیا۔

’’یہ ایک ہوٹل ہے۔ اگر آپ۔۔۔۔‘‘

’’اوہ تم سمجھے نہیں۔ کیا میں اس حالت میں ہوں کہ کسی ہوٹل میں جا کر کھانا وغیرہ کھا سکوں؟‘‘

’’میں اندر سے کچھ لے آتا ہوں۔‘‘

’’نہیں پلیز۔ بس کوئی پھل فروٹ' کوئی بھی ایسی چیز جسے میں فوری طور پر اپنے معدے میں اتار سکوں۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ میں بھوک کی کس منزل میں ہوں۔‘‘

’’تو پھر دو لمحے انتظار کر لیجیے۔ میں آپ کو آپ کے شایان شان کھانا کھلاؤں گا۔‘‘ ظفری نے جواب دیا اور کار آگے بڑھا دی۔

چند لمحات کے بعد وہ اس مکان میں داخل ہو رہا تھا' جوان لوگوں نے خصوصی ضروریات کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ جب گاڑی مکان کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تو دفعتاً لڑکی نے ظفری کی گردن پر کوئی وزنی چیز رکھ دی۔ ظفری نے پلٹ کر دیکھا وہ پستول کی نال تھی۔

’’تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو؟ شاید کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے تمہیں۔ میں کوئی غلط لڑکی نہیں ہوں۔ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ میں تمہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔‘‘

’’محترمہ آپ پرسکون رہیے۔ میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ یہاں آپ کو کھانے

پینے کی چیزیں دستیاب ہو جائیں گی۔ اور پھر جہاں فرمائیں گی میں آپ کو چھوڑ دوں گا آپ بالکل مطمئن رہیں۔‘‘ ظفری نے کار روک دی' انجن بند کیا اور نیچے اتر آیا۔

’’آئیے! آپ بھروسہ کیجیے مجھ پر۔‘‘ ظفری نے نرم گوئی سے کہا۔ اور لڑکی جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔

’’اس کے باوجود مجھے افسوس ہے کہ میں یہ پستول ہاتھ سے نہیں رکھوں گی۔ دراصل میں جن حالات کا شکار ہوں' ان کے تحت مجھے کسی پر بھی اعتبار نہیں ہے۔‘‘

’’کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو یہ پستول میری گردن پر رکھے رکھے سفر کر سکتی ہیں' آئیے۔‘‘ ظفری نے جواب دیا اور اندر داخل ہوگیا۔ اس مکان میں کوئی نہیں رہتا تھا لیکن ضرورت کی تمام چیزیں یہاں موجود تھیں۔ ظفری اسے سیدھا کچن میں لے گیا۔ ریفریجریٹر میں بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ یہ سب کچھ انتظام بھی بس خاص خاص مواقع کے لیے کیا گیا تھا کوئی بھی چیز ایسی نہیں تھی جو زیادہ دن رکھنے سے خراب ہو جاتی۔

لڑکی نے بدستور پستول ہاتھ میں رکھا اور ریفریجریٹر میں اسے جو کچھ نظر آیا اسے اٹھا کر حلق میں ٹھونسنے لگی۔ ظفری تھوڑے سے فاصلے پر کھڑا دیوار سے ٹکا اسے گھور رہا تھا۔

لڑکی کافی خوش شکل تھی۔ بڑی بڑی سی شریری سی آنکھیں کسی قدر بھورے سے بال' متناسب قد اور متناسب اعضاء چہرے کی کشادگی' روشن پیشانی' بلاشبہ اسے اچھے خاندان سے ظاہر کرتی تھی۔ ظفری کو اس پر کافی رحم آیا وہ جس انداز سے کھا رہی تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ بہت ہی بھوکی تھی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوگئی تو ظفری آہستہ سے بولا۔

’’اگر آپ محسوس نہ کریں تو اب آرام سے تشریف رکھیں میں بہت اچھی کافی پلاؤں گا آپ کو۔ پستول اپنے پاس رکھیے یہ ضرورت کے وقت کام آئے گا آپ کے۔ بشرطیکہ اس کی ضرورت پیش آئے۔‘‘ لڑکی اب کچھ نڈھال سی ہوگئی تھی۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

’’تمہارا بہت بہت شکریہ۔ درحقیقت تم اس وقت میرے لیے فرشتہ ہی ثابت ہوئے

ہو۔ خدا کے لیے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی یا غیر انسانی حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا۔ میں جن حالات کا شکار ہوں اگر تم انہیں سن لو تو دکھ ہوگا۔ یوں بھی کسی مظلوم کی مدد کرنا ثواب ہے۔''

''آپ بالکل مطمئن رہیں۔ جایئے جس کمرے میں چاہیں تشریف رکھیے۔ پستول آپ کا ساتھی ہے ہی۔ میں کافی بنا کر لاتا ہوں۔''

''نہیں۔ میں تمہیں تنہا کافی نہیں بنانے دوں گی۔ میرے سامنے کافی بناؤ میں یہاں بیٹھ جاتی ہوں۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ اور ظفری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''شاید آپ سمجھ رہی ہوں گی کہ میں کافی میں کوئی خواب آور دوا ملا کر آپ کو بے ہوش کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''ہاں۔ مجھے معاف کرنا۔ میرا یہی خیال ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ آپ تشریف رکھیے میں کافی بناتا ہوں۔'' ظفری نے جواب دیا اور پھر بہت ہی عمدہ کافی بنا کر اس کی ایک پیالی لڑکی کو پیش کر دی۔ دوسری پیالی خود لے کر وہ اس کے سامنے اسی طرح دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔

''اگر آپ باورچی خانے سے ہی رخصت ہو جانا چاہتی ہیں تو میں آپ کو نہیں روکوں گا۔ لیکن اگر مناسب سمجھیں تو آیئے کمرے میں چلیں کچھ بات چیت ہوگی ممکن ہے میں آپ کے کسی کام آ سکوں۔'' لڑکی ایک لمحے تک سوچتی رہی اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔ پھر اس نے گردن ہلائی اور کافی کی پیالی لیے ہوئے کچن کے دروازے سے باہر نکل آئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ صوفے پر آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ لڑکی اب بھی چوکی تھی اور پستول اس کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ اس نے کافی کا آخری گھونٹ لیا اور شکریہ ادا کرنے کے بعد پیالی میز پر رکھ دی۔

''مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم واقعی شریف آدمی ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟''

''ظفری۔''

''مجھے سائرہ کہتے ہیں۔ بس عجیب و غریب حالات کا شکار ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ کچھ ایسے لوگ دشمن ہو گئے ہیں جو بیحد خطرناک ہیں اور میں ان سے بآسانی نہیں نمٹ سکتی۔ بہت دور سے آئی ہوں۔ یہاں کچھ لوگوں سے ملنا چاہتی تھی لیکن اس شہر میں اجنبی ہوں اگر تم واقعی ایک شریف آدمی ہو تو انسانیت کے ناتے میری مدد کرو۔''

''کس سے ملنا چاہتی ہیں آپ؟'' ظفری نے پوچھا۔

''ایک فرم ہے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔ غالباً کوئی جاسوسی کا ادارہ ہے۔ میں اس فرم کے کسی رکن سے ملنا چاہتی ہوں۔ ان کا پتا میرے پاس موجود ہے۔'' لڑکی نے لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک چٹ تلاش کی۔ ظفری متحیرانہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں یہ کوئی فراڈ نہ ہو۔ بھلا اس طرح ظفری کو ملنا اور پھر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا نام۔

بہرطور لڑکی نے اپنے پاس لکھا ہوا پتا اس کے سامنے کر دیا۔ ظفری نے اس پتے کو دیکھا اور گردن ہلاتا ہوا بولا۔

''اگر یہ کوئی ادارہ ہے یا کوئی فرم ہے تو آپ کے علم میں یہ بات ہوگی ہی کہ ان لوگوں سے صبح ہی ملاقات ہو سکتی ہے۔''

''ہاں مجھے احساس ہے لیکن اگر تم چاہو تو میں تم پر اعتماد کر سکتی ہوں۔ بشرطیکہ تم بھی مجھ پر اعتماد کرو۔ میں کوئی غلط لڑکی نہیں ہوں کسی برے ارادے سے تم تک نہیں پہنچی۔ بس یوں سمجھ لو کہ میرے حالات' میری پریشانیاں مجھے اس وقت ہر قدم اٹھانے پر مجبور کر چکی ہیں۔ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں رات تمہارے اس مکان کے کسی کمرے میں گزار لوں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے تم یہاں تنہا ہی رہتے ہو۔''

''ہاں یہی سمجھ لیں۔ ویسے اگر آپ چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے رات آپ یہاں گزار لیں۔ کل صبح گیارہ بجے میں آپ کو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں لے چلوں گا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' ظفری بولا۔

"گیارہ بجے کیوں؟ کیا یہ دفتر صبح نو بجے نہ کھل جاتا ہوگا؟" لڑکی نے پوچھا۔

"اگر نہیں کھلتا ہوگا تو کل ضرور کھل جائے گا۔" ظفری نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔ بس آپ اپنے لیے کمرے کا انتخاب فرمالیں بلکہ اگر مناسب سمجھیں تو اسی کمرے میں اپنا ٹھکانہ بنالیں اور دروازے وغیرہ اندر سے بند کرلیں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ میں اتفاقیہ طور پر آپ سے ملا ہوں کسی طور آپ کا دشمن نہیں ہوسکتا۔ آپ یہاں آرام سے وقت گزار سکتی ہیں لیکن براہ کرم مجھے الجھن میں چھوڑ کر یہاں سے فرار نہ ہوجایئے گا۔ میں آپ کو ہر قیمت پر اس فرم تک پہنچادوں گا۔"

"نہیں۔ میں فرار نہیں ہوں گی تم مجھے شریف آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن۔۔۔لیکن خدارا میرے بارے میں کسی سے ذکر مت کرنا۔ میرے دشمن میری تاک میں ہیں۔"

"بالکل مطمئن رہیے۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔" ظفری نے جواب دیا۔

لڑکی نے ظفری کی ہدایت کے مطابق کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ کھڑکیاں وغیرہ سب لاک کرلیں۔

ظفری باہر نکل آیا تھا۔ اس وقت اس عمارت سے کہیں جانا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے گھر ٹیلی فون کیا۔ شکیلہ نے فون ریسیو کیا تھا۔ ظفری نے اسے تمام صورت حال بتائی اور اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ سعدی بھی ٹیلی فون پر پہنچ گیا تھا۔ تمام صورت حال سننے کے بعد سعدی نے کہا۔

"میں شکیلہ کو بھیج رہا ہوں۔ شکیلہ اور تم اگر چاہو تو رات وہاں گزار سکتے ہو۔ صبح کو اسے لے کر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر پہنچ جاؤ۔ دفتر صبح ساڑھے آٹھ بجے کھل جائے گا۔" سعدی نے جواب دیا اور ظفری نے فون بند کردیا۔

پھر وہ شکیلہ کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد شکیلہ بھی وہاں پہنچ گئی۔

"کہاں ہے وہ؟"

"کمرے میں بند ہے میرا خیال ہے اسے اس وقت ڈسٹرب کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ویسے عجب وغریب لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ نہ جانے بے چاری کن حالات کا شکار ہے۔"

"کچھ اور نہیں بتایا اس نے اپنے بارے میں؟"

"نہیں کچھ نہیں۔"

"تمہیں پہچانتی تو نہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہیں دیکھ کر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا نام لے لیا ہو۔ صرف تمہاری ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے؟"

"ایسا لگتا تو نہیں۔ لیکن ابھی کوئی فیصلہ کن بات کہی بھی نہیں جاسکتی۔" ظفری پرخیال انداز میں بولا۔

دوسری صبح تقریباً سات بجے ہوں گے کہ لڑکی کمرے سے باہر نکلی۔ پستول بدستور اس کے پاس موجود تھا۔ ظفری ابھی تک اپنے کمرے میں گھسا ہوا تھا۔ البتہ شکیلہ جاگ رہی تھی۔ اس نے دور ہی سے لڑکی کو دیکھ لیا۔ وہ چوروں کی طرح سامنے کے کمرے میں جھانک رہی تھی۔ شکیلہ کے قدموں کی آہٹ سنی تو چونک کر سیدھی ہوگئی اور پستول کا رخ اس کی طرف کردیا تھا۔

شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی "ہیلو"۔ شکیلہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اور لڑکی اس کا جائزہ لینے لگی۔

"ہیلو" وہ شکیلہ کو اوپر سے نیچے تک گھورتے ہوئے بولی۔

"عجیب مہمان ہیں آپ ہر دم پستول اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔" شکیلہ نے مسکرا کر کہا۔

"کون ہیں آپ؟" کیا مسز ظفری ہیں؟"

"خدانخواستہ۔ ایسی فضول باتیں نہ کریں۔ آیئے میرا خیال ہے رات آپ سوئی نہیں

سکیں؟"

"آپ۔ آپ مجھے جانتی ہیں؟ آپ کو میرے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟ رات کو تو آپ یہاں موجود نہیں تھیں؟" لڑکی نے پے در پے سوال کر ڈالے۔

"ہاں۔ رات کو میں یہاں موجود نہیں تھی۔ ظفری نے مجھے بلوایا ہے۔ اس نے کہا کہ ایک خاتون یہاں مہمان ہیں اس لیے میری یہاں ضرورت ہے۔ اسی لیے میں صبح ہی یہاں پہنچ گئی۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"اوہ آپ ظفری کی کون ہیں؟"

"آیئے نہ باتیں بیٹھ کر کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ ویسے میں ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ کچن چلیں۔ ورنہ بیٹھیں۔ میں ناشتہ لے کر ابھی حاضر ہوتی ہوں۔" شکیلہ نے متانت سے کہا۔

"نہیں۔" میں آپ کے ساتھ کچن میں ہی چل رہی ہوں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ اور پھر وہ شکیلہ کے ساتھ کچن میں داخل ہو گئی شکیلہ تمام انتظامات کر چکی تھی۔ یوں بھی یہاں تمام چیزیں موجود تھیں۔ چنانچہ اس نے ناشتہ تیار کرنا شروع کر دیا اور جب کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں پھیلنے لگی تو ظفری بھی دروازے میں نمودار ہو گیا۔

"آپ دونوں خواتین شاید خاموشی سے ناشتہ کرنے کا ارادہ کر چکی ہیں' لیکن صاحب ہم بلا کے تیز ہیں۔ ناشتہ کمرے ہی میں لے آیئے تو بہتر ہے۔ ورنہ آپ لوگوں کو کافی پریشانی سے دوچار ہونا پڑے گا۔" اس نے کہا۔

"چلو چلو لا رہی ہوں۔" شکیلہ نے جواب دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ناشتے کے دوران سائرہ بار بار نگاہیں اٹھا کر کبھی ظفری کو دیکھتی اور کبھی شکیلہ کو۔ اور جب اس کی نگاہیں شکیلہ سے ملیں تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شکیلہ بھی مسکرا دی تھی۔

"کیوں کیا خیال آ گیا تھا؟" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس کیا بتاؤں۔ جن حالات کا شکار ہوں ان کے تحت میری شخصیت ہی مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ آپ لوگ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ نہ جانے میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے' پستول کے زور پر کھانے کو مانگا تھا۔ ظفری صاحب سے۔ پھر مہمان بن گئی اور ابھی تک آپ لوگوں کے سر پر سوار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم یقیناً ایسے حالات کا شکار ہو گی کہ انسانوں پر سے تمہارا اعتبار اٹھ گیا ہو گا؟"

"ہاں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔ لیکن مجھے معاف کیجیے گا کہ میں اپنے بارے میں آپ لوگوں کو تفصیل سے نہیں بتا سکوں گی ویسے میں نے اپنا نام آپ کو درست بتایا ہے۔ آپ ناشتے کے بعد میرا آخری کام اور کر دیں۔ مجھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچا دیں۔" لڑکی نے کہا۔

"یقیناً یقیناً' بالکل بے فکر رہو' ہم تمہاری اس خواہش کی بھی تکمیل کریں گے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ناشتے سے فارغ ہو گئے۔ پھر کافی دیر تک انتظار کیا گیا اور اس کے بعد شکیلہ اس کے لباس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر تم پسند کرو تو میں تمہارا یہ لباس استری کر دوں۔ کافی مسلا ہوا ہے۔"

لڑکی نے جھجکتے ہوئے انداز میں شکیلہ کو دیکھا اور پھر بولی۔ "اگر ایسا ہو جائے تو... تو میں بے حد شکر گزار رہوں گی۔"

"آؤ۔" شکیلہ نے جواب دیا۔ ظفری اسی جگہ بیٹھا رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی تو لڑکی کی شکل و صورت ہی بدلی ہوئی تھی۔ مسلا کچلا لباس بہتر ہو چکا تھا' اس کا چہرہ بھی سنور گیا تھا بال سلیقے سے بنا لیے گئے تھے۔ اس کے چہرے میں خاصی تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ بلاشبہ وہ بے حد حسین اور معصوم سی نظر آ رہی تھی۔ ظفری نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور لڑکی کے چہرے

پر شرم کے آثار دوڑ گئے۔

"میں شرمندہ ہوں آپ سے مسٹر ظفری۔" اس نے کہا۔

"ارے ارے بھئی ان تمام باتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے آپ کی کسی بھی بات کا برا نہیں مانا۔ ہم آپ سے کہہ چکے ہیں کہ ہم نے آپ کو حالات کے ہاتھوں مجبور سمجھا ہے۔ اس لحاظ سے معافی تلافی کا کوئی ذکر نہیں ہونا چاہیے۔"

"بہت بہت شکریہ' سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کا کس طرح شکریہ ادا کروں؟"

"واہ مسلسل شکریہ ادا کیے جا رہی ہیں اور اب بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ شکیلہ کہاں گئی؟"

"وہ آ رہی ہیں' شاید کچن گئی ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا اور اسی وقت شکیلہ بھی اندر داخل ہو گئی۔

"چلو اٹھو ظفری' میرا خیال ہے وقت ہو چکا ہے۔"

"ہاں یقیناً۔" ظفری نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کار میں بیٹھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر جا رہے تھے۔ سب سے پہلے ان کا استقبال کرنے والا ٹیٹو تھا۔ جو اپنے مخصوص لباس سے ملبوس تیز نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹیٹو سے کوئی بات کیے بغیر اندر داخل ہو گئے۔ سائرہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا بورڈ پڑھ چکی تھی اور کسی قدر مطمئن نظر آ رہی تھی۔ سعدی نے اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر سائرہ کا استقبال کیا تھا۔

"میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کسی ذمہ دار شخص سے ملنا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"تشریف رکھیے۔ آپ ایک ذمہ دار شخص کے سامنے ہی ہیں۔" اس نے کہا۔ اور سائرہ دونوں کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"آپ حضرات کا شکریہ' بے حد شکریہ۔ براہ کرم مجھے اپنا پتا دے دیجیے۔" اگر کبھی حالات نے میرے ساتھ کچھ انصاف کیا تو میں آپ سے دوبارہ ملنے کی کوشش کروں گی۔"

"حالات بڑے ستم ظریف ہوتے ہیں خاتون سائرہ۔ آپ کو اس بات کا تو یقین ہوگا

کہ میں اتفاقیہ طور پر آپ ہی کو ملا تھا' کسی باقاعدہ ادارے کے تحت آپ کے سامنے نہیں پہنچا تھا۔"

"ہاں یقیناً' لیکن اس بات کا یہاں کیا ذکر ہے۔" سائرہ نے تعجب خیز لہجے میں پوچھا۔

"یہ پہلا اتفاق تھا۔ دوسرا اتفاق یہ ہے کہ میرا تعلق ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے ہے۔ یہ مسٹر سعدی ہیں' میں ظفری ہوں اور یہ مس شکیلہ ہیں۔ ہم تینوں ہی اس ادارے کے پروپرائٹر ہیں یعنی وہ جو اس ادارے کو چلا رہے ہیں اور جنہوں نے اس ادارے کی بنیاد ڈالی ہے۔"

"کیا؟" سائرہ کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں لیکن ان کے ہونٹوں پر انبساط بھری مسکراہٹ تھی' پھر اس نے سعدی کی طرف رخ کر کے کہا۔

"کیا۔۔۔۔ کیا یہ سب درست ہے جناب؟ کیا۔۔۔۔ کیا ظفری صاحب درست کہہ رہے ہیں؟"

"خدا کی قسم یہ میری زندگی میں روشنی کی پہلی کرن ہے۔ ورنہ تاریکی کے علاوہ میری دنیا میں کچھ نہیں تھا۔" سائرہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ وہ اس دل چسپ اتفاق سے بڑی محظوظ ہوئی تھی' ظفری اور شکیلہ نے اپنی اپنی کرسیاں سنبھال لیں۔ سائرہ نے ادھر ادھر دیکھا' پھر کہنے لگی۔

"باہر کا ماحول پرسکون ہوگا؟ میرا مطلب ہے کسی کی آمد کا کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں' یہ ادارہ آپ کے لیے ایک مضبوط قلعے کی مانند ہے۔"

"شکریہ۔ میں سائرہ ضرغام ہوں' آپ نے ریاست عادل آباد کا نام تو سنا ہوگا۔ میں عادل آباد کے نواب علی ضرغام کی بیٹی ہوں۔"

"اوہ نواب علی ضرغام کا نام تو معروف ہے۔"

"ہاں بہت اچھے انسان تھے لیکن بدنصیبی نے انہیں انہی کے جال میں گرفتار کرا دیا۔ اور وہ موت کا شکار ہو گئے۔"

"گویا طبعی موت نہیں مرے نواب صاحب؟" سعدی نے پوچھا۔

"جی نہیں' انہیں قتل کیا گیا ہے۔"

"قاتلوں کے بارے میں جانتی ہیں؟"

"جی ہاں جانتی ہوں۔ اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں آپ کو پوری کہانی سناؤں گی۔ سعدی صاحب۔ دراصل ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا نام میں نے اپنی ایک شناسا سے سنا تھا۔ انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اس ادارے نے ان کی امداد کی تھی اور انھیں بہت بڑی مشکل سے بچالیا تھا۔ میں نے ٹیلی فون پر آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن میرا ٹیلی فون ٹیپ کرلیا گیا تھا اور ایسے انتظامات کردیے گئے تھے کہ میں براہ راست آپ لوگوں سے رابطہ قائم نہ کرسکوں۔ پھر میں نے کچھ خطوط لکھے آپ کو لیکن یہ خطوط بھی میرے دشمنوں نے ان لوگوں تک پہنچادیے اور انھیں یہ علم ہوگیا کہ میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی معرفت ان کے خلاف کوئی کارروائی کرانا چاہتی ہوں۔ اور اس طرح میں آپ لوگوں سے رابطہ قائم نہیں کرسکی۔ اور ان لوگوں نے میرے خلاف وہ اقدامات کرلیے جنھوں نے مجھے بے بس کردیا۔ میں آپ کو کچھ اور تفصیل بتاؤں گی کیونکہ میں زیادہ گہری لڑکی نہیں ہوں۔ اب تک اپنی ریاست ہی میں رہی ہوں۔ اس شہر میں بھی پہلی ہی بار آئی ہوں اور اس سے قطعی ناواقف ہوں۔ اس شہر میں ہمارے ایک عزیز بھی رہتے ہیں جو محکمۂ پولیس کے کوئی بڑے افسر ہیں۔ میں ان سے کبھی نہیں ملی۔ لیکن میرے ڈیڈی ان سے اکثر ملتے رہا کرتے تھے اور ان کے دوستوں میں سے تھے۔ لیکن۔۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتی کہ وہ محکمۂ پولیس میں کیا عہدہ رکھتے ہیں۔ کہاں رہتے ہیں؟ کچھ بھی نہیں معلوم مجھے ان کے بارے میں۔"

"نام تو معلوم ہوگا آپ کو ان کا؟" سعدی نے پوچھا۔

"ہاں۔ آفتاب احمد خان صاحب۔" لڑکی نے جواب دیا۔ اور سعدی، ظفری اور شکیلہ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ پھر سعدی نے ظفری اور شکیلہ کو ہلکا سا اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ ابھی آفتاب احمد خان کے بارے میں کوئی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چند لمحات کے بعد سعدی نے کہا۔

"آپ براہ کرم اپنے بارے میں تمام تفصیلات بتادیں اور سنیں سائرہ صاحبہ، آپ کی

ان محسنہ یا دوست نے جنھوں نے آپ کو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہوگا۔ ہم ہر وہ کیس لے لیتے ہیں جو کسی قانون کے خلاف نہ جاتا ہو، آپ کا معاملہ تو خاص طور سے ہمارے لیے توجہ کا باعث ہے اس لیے کہ آپ تنہا پریشانی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ لیکن اب آپ کو یہ اطمینان دلایا جاسکتا ہے یہاں پہنچنے کے بعد آپ اپنے دشمنوں سے قطعی محفوظ ہوگئی ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی کاروباری مسئلہ ہو یا نہ ہو لیکن آکر آپ ایک دوست کی حیثیت سے بھی ہم سے ہر تعاون کی توقع رکھ سکتی ہیں۔ اب آپ بالکل دل جمعی سے اپنے بارے میں بتائیے۔ ہم آپ کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔"

"شکریہ۔ تقدیر نے پہلی بار روشنی کی ایک کرن دکھائی ہے میرے لیے یہ اتفاق ہی بڑی ڈھارس کا باعث ہے کہ میں اتفاقی طور پر ہی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے اہم لوگوں سے جاٹکرائی۔ اس کا مقصد ہے کہ برے دور کی چڑھان ختم ہوگئی ہے اور سکون کے ڈھلان سامنے آگئے ہیں۔"

"یقیناً، یقیناً ایسا ہی ہے۔ ہاں تو آپ بتائیں گی ہمیں تفصیل؟" سعدی نے کہا۔

"جی جی۔ ضرور۔ میں ذرا واقعات کی ترتیب کرلوں۔ بس یوں سمجھیے کہ ریاستوں کا جو حال ہوچکا ہے۔ وہ تو آپ کے علم میں ہوگا۔ نوابین بس اپنے دور کو پیٹ رہے ہیں ہر چند کہ وہ محاورہ صادق ہے کہ ہاتھی لاکھ لٹے پھر بھی سوا لاکھ کا۔ مالی پریشانیاں نہیں ہیں۔ بے پناہ جائیداد ہے۔ جس کی آمدنی اتنی ہے کہ نوابی برقرار رکھی جاسکتی ہے۔ بس وہ اختیارات چھن گئے ہیں۔ میری والدہ کا انتقال میرے بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ والد صاحب ذرا دوسری فطرت کے مالک تھے۔ میرا مطلب ہے نوابی ان میں ختم نہیں ہوئی تھی۔ والدہ کے انتقال کا صدمہ یقیناً انھیں ہوا ہوگا، کیونکہ ایک طویل رفاقت رہی تھی، لیکن نوابیت نے ان کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور والد صاحب تعیشات میں ڈوبے رہے تعیشات کا یہ سلسلہ نیا نہیں تھا بلکہ والدہ کی حیات میں بھی یہ جاری تھا جسے چاہا نواز دیا، جسے چاہا دھتکار دیا۔ جسے چاہا آسمان پر پہنچادیا۔ وہ نہ جانے کون خاتون تھیں جو والد صاحب کی منکوحہ بھی تھیں، لیکن ان کا علم شاید میری والدہ کو بھی نہ تھا۔ یہ تو یقیناً انھیں پتا ہوگا کہ والد

صاحب صرف انھی پر اکتفا نہیں کرتے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کی کوئی سوکن بھی ہے۔ بہر طور وہ محترمہ تو کبھی سامنے نہ آسکیں' لیکن والدہ کے انتقال کے بعد ایک بچے کی پرورش والد صاحب نے کی۔ ہر چند کہ یہ پرورش محل خاص میں نہیں ہوئی تھی بلکہ اس سے ملحقہ ایک حصے میں ہوئی تھی لیکن دنیا یہ جان چکی تھی کہ پرنس دلاور نواب ضرغام ہی کی اولاد ہیں۔"

"کیا نام لیا آپ نے؟" ظفری بری طرح چونک پڑا۔ سعدی اور شکیلہ کی آنکھیں بھی ایک لمحے کے لیے حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"ہاں وہ پرنس دلاور ہی کے نام سے مشہور ہیں' میرے سوتیلے بھائی۔ عمر میں مجھے کافی بڑے ہیں اور شیطنت میں شاید شیطان سے بھی بڑے ہیں۔" سائرہ نے ان لوگوں کے چونکنے پر توجہ دیے بغیر کہا۔ لیکن ظفری' سعدی اور شکیلہ شدید حیرانی کا شکار ہو گئے تھے۔ انھیں بخوبی علم ہو گیا تھا کہ پرنس دلاور نے ان سے جس لڑکی کے بارے میں کہا تھا وہ یہی تھی اور اس کی وجوہات بھی تقریباً سامنے آ چکی تھیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے رابطے کی کوششیں پرنس دلاور کے علم میں آ چکی تھیں اور پرنس دلاور نے اسی لیے ان سے رابطہ قائم کر کے پہلے ہی سے ان کا منہ بند کر دیا تھا اور اپنی دانست میں وہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا خطرہ ختم کر چکا تھا۔ بہرصورت انھیں سائرہ کی کہانی پر توجہ دینی پڑی۔ سائرہ کہہ رہی تھی۔

"پرنس دلاور نے محل ہی میں تربیت پائی۔ والد صاحب چونکہ خود اپنی زندگی کو رنگین بنانے میں مصروف رہتے تھے اس لیے محلاتی معاملات پر ان کی نگاہ گہری نہ رہی۔ بہت عمدہ تندرستی تھی بڑی شاندار صحت کے مالک تھے۔ بے شمار افراد ان کی صحت برقرار رکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ کون کس فطرت کا مالک ہے اور کس انداز میں ان کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ وقت گزرتا گیا۔ پرنس دلاور کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ ان کی حیثیت سے وہ ان کے ولی عہد نہیں تھے کیونکہ ان کی والدہ کی حیثیت مشکوک تھی اور خود کبھی نواب ضرغام نے اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا کہ پرنس دلاور کو محل میں ان کے بیٹے کی حیثیت حاصل ہے۔ بس وہ پرنس کی

پرورش کر رہے تھے اور پرنس کی تمام ضرورتیں پوری ہو جایا کرتی تھیں۔"

"محل کے دوسرے لوگوں کو بھی پرنس کی حیثیت کا پتا تھا وہ جانتے تھے کہ پرنس بس ایک لاوارث لڑکے کی حیثیت سے پرورش پا رہے ہیں اور ان کا کوئی عمل دخل ریاست میں نہیں ہے؟"

"خیر پھر ہم جوان ہو گئے پرنس عیاشیوں اور بدفطرتی میں علی ضرغام سے بہت آگے تھے۔ کیونکہ نواب صاحب نے نوابی شان بھی برقرار رکھی تھی اور جو کچھ کیا تھا وقار کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن پرنس کی شہرت بہت بری ہے۔ عادل آباد میں وہ ایک خطرناک بھیڑیے کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ وہ میرے سوتیلے بھائی ہیں لیکن میرے اور ان کے درمیان اتنے فاصلے رہے کہ ہم کبھی ایک دوسرے کے قریب نہ آ سکے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ دل ہی دل میں میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ میری حیثیت بہرطور نواب ضرغام کی بیٹی کی تھی۔ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ کوئی بھائی یا بہن نہیں ہے میرا۔ اس کا یہی مقصد تھا کہ نواب صاحب کی موت کے بعد تمام ریاستی اثاثے میری جانب منتقل ہو جاتے۔ والد صاحب قبلہ کو کبھی اس بارے میں کوئی تشویش نہیں ہوئی کہ میرا مستقبل کیا ہوگا؟ میرے ہمدردوں کی بڑی کمی رہی ہے سعدی صاحب۔ بہرطور مجھے بھی اس سلسلے میں کوئی تشویش نہیں تھی کیونکہ میرے والد صاحب حیات تھے اور میرے تمام مسائل بہرطور انھی کے شانوں پر تھے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ ایک رات انھیں قتل کر دیا گیا۔"

"صبح کو ان کے کمرے سے ان کی لاش برآمد ہوئی تھی۔ انھیں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ محل میں کہرام مچ گیا۔ یعنی جو کچھ ہو سکتا تھا ہوا۔ ریاستی پولیس کے افسران نے لاش اپنی تحویل میں لے لی اور تحقیقات ہونے لگیں۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میرے خلاف محل میں کوئی سازش ہو سکتی ہے لیکن سعدی صاحب میرے کمرے سے منشیات برآمد ہوئیں' نشہ آور انجکشن نکلے اور کچھ ایسی دستاویزات نکلیں جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ نواب صاحب کی قاتل میں ہوں۔ جس پستول سے نواب صاحب کو قتل کیا گیا تھا اس کے دستے پر میری انگلیوں کے نشانات تھے۔

لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ وہ نشانات کس طرح پستول کے دستے پر پائے گئے۔ ممکن ہے کبھی میں نے اسے استعمال کیا ہو۔ مجھے نشانہ بازی کا شوق ہے اور میں بڑے اچھے نشانے لگا سکتی ہوں۔ اکثر میں اپنے شوق کی تکمیل اسی ریوالور سے کرتی رہتی تھی۔ بلاشبہ وہ نشانات میری انگلیوں کے تھے لیکن میں نے اپنے ڈیڈی کو قتل نہیں کیا تھا۔ صورت حال کچھ اس طرح ترتیب دی گئی کہ نواب صاحب کے کمرے میں میری تحریر میں کچھ خطوط نکلے۔ ان میں درج تھا کہ مجھے اتنی رقم دی جائے کیونکہ کوئی شخص مجھے بلیک میل کر رہا ہے لیکن یہ ساری کی ساری تحریریں جعلی تھیں بلیک میلر کے جو خطوط میرے کمرے سے ملے ان میں یہی درج تھا کہ اگر اسے رقم نہ ادا کی گئی تو میرے تمام معاملات نواب صاحب کے علم میں لے آئے جائیں گے۔''

''معاملات یوں تھے کہ میں عیاش طبع ہوں' نشہ آور ادویات کی عادی ہوں اور بڑی بڑی رقمیں مختلف سلسلوں میں نواب صاحب سے وصول کرتی رہی ہوں یہ سلسلے بلیک میلر کے بھی تھے یعنی میں اپنی بدنامی سے بچنے کے لیے بلیک میلروں کو بھی اچھی خاصی رقم ادا کرتی تھی اور نواب صاحب سے یہ رقومات وصول کرتی رہتی تھی۔ سارا کام انتہائی خوش اسلوبی سے کیا گیا تھا۔ ہر سطر مکمل تھی کہانی کی شکل جو بن گئی تھی۔ آپ اس کا اندازہ لگا چکے ہوں گے یعنی نشے میں میں نے نواب صاحب سے کچھ رقم طلب کی۔ نواب صاحب نے انکار کر دیا اور میں نے نشے کی کیفیت میں نواب صاحب کو قتل کر دیا۔ میں ایک عیاش طبع شہزادی تھی الزامات جس انداز میں سامنے آئے اس کی تردید کسی طرح ممکن نہیں تھی۔ مجھے میرے کمرے میں نظر بند کر دیا گیا اور نواب صاحب کی موت کی اطلاع عام کر دی گئی۔ پرنس دلاور نے منظر عام پر آ کر وہ واویلا کیا کہ لوگ کانپ اٹھے۔ اس نے کہا کہ وہ تو ایک ناکارہ مہرہ ہے۔ عضو معطل جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ نواب صاحب کا سوتیلا بیٹا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اسے ریاست میں سے کچھ نہیں چاہیے۔ سارے کا سارا اثاثہ وقف کر دیا جائے۔ وہ بس نواب صاحب کے قاتلوں کی تلاش میں ہے اس نے اتنا رونا پیٹنا مچایا کہ سچ مچ تمام ہی لوگ متاثر ہو گئے اور پرنس دلاور کے بارے میں لوگوں کی رائے بہت اچھی

ہو گئی۔ پرنس دلاور ایک طرح سے تارک الدنیا ہی ہو گیا تھا گویا اس پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ میں اپنے مخالفوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ میرا ذہن کبھی بھی پرنس کی طرف نہیں گیا تھا۔ ڈیڈی کی موت کا مجھے جو بھی صدمہ ہوتا کم تھا۔ میں خود ذہنی طور پر معطل ہو گئی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے خلاف سازش کس نے کی۔ نشہ آور ادویات میرے کمرے سے برآمد ہوئی تھیں لیکن آپ یقین کریں سعدی صاحب میں نے زندگی میں کبھی کوئی نشہ آور چیز دیکھی بھی نہیں ہے کبھی کسی بلیک میلر سے میرا سابقہ نہیں پڑا۔ بہر طور میں نظر بند رہی اور لوگوں کی رائے پرنس دلاور کے حق میں بہتر ہوتی گئی۔ کچھ لوگ مجھے اس قتل کی سزا دینے کے درپے تھے۔ لیکن یہ پرنس دلاور تھا جس نے انھیں سختی سے روکا اور سامنے آ کر کہا کہ کچھ بھی ہے سائرہ اس کی بہن ہے جب تک علی ضرغام کے بارے میں تحقیقات مکمل نہیں ہو جائیں گی اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ وہ خود ان سارے معاملات کی نگرانی کرے گا اور اگر سائرہ قاتل ہوئی تو پھر وہ خاموش ہو جائے گا اور فیصلہ ان لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دے گا جو اس سلسلے میں راست اقدام کرنے کے مجاز ہیں۔ میں نے چند روز تک خود کو ان حالات میں بے بس پایا اور خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن اس کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ اس طرح تو میں بے موت ماری جاؤں گی لہٰذا میں نے اپنے طور پر کوششیں شروع کر دیں۔ میں نظر بند ضرور تھی لیکن میرے بھی کچھ دوست محل میں موجود تھے۔ ان کے ذریعے میں مختلف طریقوں سے عمل کرتی رہی اور پھر اسی دوران مجھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں۔ لیکن میرے دوست ان سازشوں کے سامنے کچھ نہ ثابت ہوئے۔ پرنس دلاور نے ہر راستہ بند کر دیا تھا۔ میں آپ کو اس کے بارے میں مختصراً بتا چکی ہوں۔ جب پرنس دلاور نے یہ دیکھا کہ میں اس سلسلے میں کچھ کرنے کی خواہشمند ہوں اور ایک معصوم لڑکی کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھی تو اسے تھوڑی سی تشویش ہوئی۔ وہ اگر چاہتا تو فوری طور پر مجھے قتل کرا سکتا تھا۔ لیکن اس طرح بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں کیونکہ نواب صاحب نے کوئی وصیت نہیں چھوڑی تھی۔ پرنس دلاور کو اس کا علم تھا۔ تمام لوگ یہ جانتے تھے کہ وہ

صرف محل سے وابستہ ایک کردار کی حیثیت رکھتا ہے نواب صاحب کے بیٹے کی نہیں۔ اس حیثیت کو حاصل کرنے کے لیے اسے شدید محنت کرنا تھی۔ چنانچہ اس نے ایک اور پروگرام ترتیب دیا۔"

"ایک رات پرنس دلاور میرے سامنے عریاں ہو گیا۔ وہ میرے سامنے آیا اور مجھے اس سازش کی تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا اب وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔ اس نے کہا کہ میں نواب صاحب کی جائیداد کی واحد حقدار نہیں بن سکتی۔ اور وہ کسی طور پر اس جائیداد میں میری شمولیت پسند نہیں کرے گا۔ اس نے کہا کہ وہ بھی نواب صاحب کا بیٹا ہے ساری عمر اس کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہی ہے آخر اس کی ماں بھی نواب صاحب کی منکوحہ تھی۔ وہ کوئی بھی تھی لیکن بہرطور وہ نواب صاحب کا بڑا بیٹا ہے اور میں اس سلسلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میں رونے لگی میں نے اس سے کہا کہ میں نے تو کبھی جائیداد وغیرہ کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ اس نے میرے ڈیڈی کو کیوں قتل کر دیا؟ میں شور مچانے لگی تھی کہ اس نے میرا منہ بھینچ لیا۔ غالباً کلوروفام سے بھیگا ہوا رومال میرے چہرے پر رکھ دیا گیا تھا۔ میں بے ہوش ہو گئی اور پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک بند گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ اس کے عقبی حصے میں کوئی نہیں تھا۔ جو کوئی بھی تھا ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ غالباً کلوروفام میرے سسٹم پر زیادہ گہرا اثر نہیں ڈال سکا تھا۔ چنانچہ میں سمجھ گئی کہ صورت حال کیا ہے اور پھر میں نے فرار ہونے کی کوشش شروع کر دی۔ میرے ہاتھ پاؤں نہیں باندھے گئے تھے کیونکہ انھیں اطمینان تھا کہ میں گہری بے ہوشی کا شکار ہوں۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ کھسکتی گئی دروازے تک پہنچی گاڑی کا دروازہ پورے طور پر بند تھا۔ ذرا سی کوشش کرنے پر وہ کھل گیا اور میں اس گاڑی سے کود پڑی۔۔ میرے بدن پر کچھ خراشیں اور چوٹیں آئیں لیکن میں خود کو سنبھال کر وہاں سے چل پڑی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کس سمت جا رہی ہوں۔ میں نے کھیتوں اور میدانوں میں چھپ چھپ کر طویل ترین سفر طے کیا۔ آپ تصور تک نہیں کر سکتے کہ مجھے اس دوران کتنی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔"

"میں نے گندے جوہڑوں سے پانی پیا ہے اور ایسے پھلوں سے اپنے پیٹ کی آگ

بجھائی ہے جسے شاید جانور بھی کھانا پسند نہ کریں۔ مجھے جو بھی چیز ملی میں نے کھائی اور اپنا یہ سفر جاری رکھا۔ راستے میں کئی بار کچھ گاڑیاں ملیں لیکن میں اتنی خوفزدہ تھی کہ میں نے ان میں سے کسی سے بھی مدد کی درخواست نہیں کی۔ بالآخر مجھے ظفری صاحب نظر آ گئے اور میں نے ان سے درخواست کر ڈالی۔ یہ ہے میری کہانی۔" سائرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر خاموش ہو گئی۔

ظفری، سعدی اور شکیلہ اس کی کہانی سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ چند لمحات وہ سائرہ کو دیکھتے رہے جس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

"لیکن پرنس دلاور نے آپ کو اس طرح اغوا کیوں کیا؟"

"میں جانتی ہوں۔ اب میں اتنی بیوقوف بھی نہیں ہوں مجھے یقین ہے کہ ریاست میں میرے فرار کی خبر اڑ چکی ہوگی۔ سب کو یہی بتایا گیا ہوگا کہ نواب صاحب کو قتل کرنے کے بعد گرفتار ہو گئی اور پھر موت کے خوف نے مجھے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔" سائرہ نے جواب دیا۔

بات سمجھ میں آتی تھی اگر سعدی کی ملاقات پرنس دلاور سے نہ ہو چکی ہوتی تو شاید سائرہ کی کہانی میں کچھ شبہ ہوتا۔ لیکن اب یہ کہانی ان کی نگاہوں میں بالکل صاف تھی۔ سعدی نے پوچھا۔

"کیا خیال ہے مس سائرہ پرنس دلاور آپ کو کہاں لے جانا چاہتے تھے؟ اگر وہ آپ کو کسی ویرانے میں لے جا کر قتل کر دیتا اور آپ کی لاش کہیں چھپا دیتا تو اس کے راستے کا کانٹا تو صاف ہو جاتا آپ کبھی نہ ملتیں اور اس کے بعد وہی ریاست اور جائیداد کا وارث قرار پاتا۔"

"نہیں۔ اس کا کردار ہمیشہ ہی مشتبہ رہا ہے۔ ریاست کے لوگوں کی نگاہوں میں بھی اس نے کوئی مقام حاصل نہیں کیا بلکہ ایک برے آدمی کی حیثیت سے مشہور رہا ہے۔ جیسا کہ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ والد صاحب نے کوئی وصیت نہیں چھوڑی کیونکہ انھوں نے اچانک ہی موت کو گلے لگا لیا تھا۔ اس لیے جائیداد فوری طور پر پرنس دلاور کے نام منتقل نہیں ہو سکتی تھی۔ ہاں اگر عوام کے سامنے مجھے ایک قاتلہ کی حیثیت سے پیش کر دیا جاتا تو عوام کی ہمدردیاں سمیٹ سکتا تھا وہ

مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مجھے یقین ہے لیکن وہ ایسے حالات پیدا کرنے کا خواہشمند تھا کہ ریاست کا ایک ایک فرد مجھے اپنے باپ کی قاتلہ سمجھ لے۔ میں نہیں جانتی کہ اس نے میرے خلاف سازشوں کے کیسے کیسے جال بچھائے ہیں اور اس کا آئندہ پروگرام کیا ہے۔'' سائرہ نے کہا اور سعدی گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔

''بہرطور ہم اپنے وہی الفاظ دہرائیں گے مس سائرہ کہ اب آپ ایک مضبوط حصار میں پہنچ گئی ہیں ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم پرنس دلاور کو شکست دے کر آپ کی پوزیشن صاف کر دیں گے لیکن ایک بات کا یقین ضرور دلا سکتے ہیں کہ پرنس دلاور اب آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ہم یہ کوشش کریں گے کہ اس سازش کو منظرِ عام پر لے آئیں۔''

''مجھے آپ لوگوں سے بڑی توقعات ہیں تقدیر نے مجھے آپ تک پہنچا دیا ہے یہ میری خوش بختی ہے، میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے لیے کام کریں۔ میں جائیداد اور ریاست پر لعنت بھیجتی ہوں۔ لیکن اپنے باپ کی قاتل بن کر مشہور ہونا میں کبھی پسند نہیں کروں گی۔ اس کے بجائے میں موت پسند کروں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو آپ پولیس کے ان افسر یعنی آفتاب احمد صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور مجھے ان سے ملا دیں۔'' سعدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں نے کہا نا کہ ریاست سے نکلتے ہی آپ کی تقدیر کے ستارے چمک اٹھے ہیں اور مشکلات کا لمحہ لمحہ خاتمہ ہوتا جا رہا ہے آفتاب احمد صاحب ڈی آئی جی پولیس ہیں اور ہمارے بہترین کرم فرماؤں میں سے ہیں۔ آپ تھوڑا سا توقف کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد انھیں آپ سے ملا دیا جائے گا۔''

''کیا واقعی؟'' سائرہ کی آنکھوں میں مسرت کی چمک پیدا ہو گئی۔ ''کیا واقعی۔ کیا واقعی ایسا ہو سکے گا؟''

''ہاں یقیناً۔'' ''ٹھہریئے میں ڈی آئی جی صاحب کو ٹیلی فون کرتا ہوں۔'' سعدی بولا اور

ٹیلی فون اپنی جانب سرکا لیا پھر اس نے ڈی آئی جی آفس کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ آپریٹر سے اس نے ڈی آئی جی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور چند لمحات کے بعد آفتاب احمد سے رابطہ قائم ہو گیا۔

''سعدی بول رہا ہوں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے۔''

''اوہ کہو سعدی بیٹے خیریت؟''

''نواب ضرغام علی آف عادل آباد سے واقف ہیں آپ؟''

''کیوں نہیں۔ وہ میرے دوست بھی ہیں اور عزیز بھی۔''

''ان کے قتل کی اطلاع ہے آپ کو؟'' سعدی نے سوال کیا۔

''کیا؟'' ڈی آئی جی کی آواز میں شدید حیرت تھی۔

''اس کا مطلب ہے، نہیں ہے۔ بہرحال میں مختصراً عرض کروں گا نواب صاحب کافی دن پہلے قتل ہو گئے ہیں۔ ان کی اکلوتی صاحبزادی مس سائرہ ضرغام بھی دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو کر اتفاق سے ہم تک پہنچ گئی ہیں۔ انھوں نے آپ کا نام بتایا تو میں نے آپ سے رابطہ قائم کیا ہے۔''

''آہ بڑی روح فرسا خبر ہے میرے لیے۔ اور بڑی حیرت انگیز، مجھے اطلاع بھی نہیں مل سکی۔ ضرغام علی معمولی آدمی تو نہیں تھا۔ سائرہ کہاں ہے؟''

''موجود ہیں۔'' سعدی نے جواب دیا۔

''سعدی بیٹے۔ فون پر اس سے زیادہ بات مناسب نہیں ہے۔ تم سب میرا مطلب یہ ظفری وغیرہ اسے میری کوٹھی پر لے آؤ۔ میں فوراً کوٹھی پہنچ رہا ہوں۔''

''بہتر۔ میں پہنچ رہا ہوں۔'' سعدی نے جواب دیا۔ اور پھر ضروری تیاریوں کے بعد وہ چل پڑے۔ آفتاب احمد صاحب اپنی شاندار رہائش گاہ کے برآمدے میں ملے۔ وہ بے چینی سے ان لوگوں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی کار پورچ میں رکی تو وہ خود ہی آگے بڑھ آئے۔

دروازہ کھولا اور پھر سائرہ کو نیچے اتار کر سینے سے لگالیا۔ سائرہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''مجھے اپنی اس مجرمانہ غفلت کا احساس ہے بیٹی۔ مجھے بے حد شرمندگی ہے۔ مجھے یہ خبر نہیں مل سکی۔ اتنی بڑی اطلاع مجھے نہیں مل سکی۔ کسی اخبار نے یہ خبر نہیں چھاپی۔ کسی کو اس بارے میں خبر نہیں ہے۔'' آفتاب احمد کہہ رہے تھے۔

''یہ بھی پرنس دلاور کی کوششیں ہوں گی انکل۔ وہ اپنے لیے میدان صاف رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے یہ خبر اخبارات میں نہ آنے دی ہوگی۔ وہ بہت چالاک ہے۔'' سائرہ نے روتے ہوئے کہا۔

''پرنس دلاور؟'' آفتاب احمد صاحب نے چونک کر پوچھا۔ پھر بولے۔ ''آؤ اندر آؤ۔ آؤ بیٹے بیٹھ کر باتیں کریں۔ آؤ سعدی تم لوگ بھی آجاؤ۔ آہ یہ بہت بری خبر ہے میرے لیے۔ میرا دوست قتل کر دیا گیا اور مجھے خبر بھی نہیں ہو سکی۔ کیسے غم کی بات ہے۔ ایک ایک کو ٹھیک کر دوں گا۔ ایک ایک سے حساب لیا جائے گا۔ یہ خبر یہاں کیوں نہیں پہنچی۔ اخبارات کو اس کا علم کیوں نہیں ہوا۔ حکومت کے ارکان وہاں کیا کر رہے ہیں' میں سب کو ٹھیک کر دوں گا۔''

ڈی آئی جی صاحب سائرہ کو اندر لے گئے ان کے اہل خاندان بھی آگئے تھے۔ تھوڑی دیر تک ہنگامہ رہا پھر ڈی آئی جی صاحب نے یہ کہہ کر ان لوگوں کو ٹال دیا کہ ابھی سائرہ یہیں ہے ایک اہم سلسلے میں اس سے بات چیت کرنی ہے اس کے بعد اسے ان لوگوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ پھر یہ سب کمرہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ سائرہ کی سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔ اپنے والد کے گہرے دوست کے سامنے آکر اس کا غم تازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے سعدی نے اس کی کہانی ڈی آئی جی صاحب کو سنائی اور وہ ششدر رہ گئے۔ پھر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''وہ میرا دوست نہیں بھائی تھا سعدی۔ میں ایسی عبرت ناک سزائیں دلواؤں گا ان لوگوں کو موت کے بعد بھی یاد رکھیں۔ سائرہ بیٹے مجھے شدید رنج ہے جو گزر چکی ہے اسے واپس نہیں لایا جا سکتا لیکن تمہارے دشمنوں کو عبرت ناک سزائیں ملیں گی۔'' پھر سعدی سے بولے۔ ''مجھے اس

بارے میں تم لوگوں سے مشورہ کرنا ہے سعدی۔ تم مصروف تو نہیں ہو؟''

''نہیں جناب اس سے زیادہ اہم مصروفیت ہمارے لیے اور کیا ہو سکتی ہے؟''

''سائرہ بیٹے اب تم آرام کرو۔ میں ایک بار پھر تم سے یہی کہوں گا کہ جو گزر چکا ہے اسے میں واپس نہیں لا سکتا' لیکن اس کے بعد تم بالکل محفوظ ہو۔ اپنے انکل کے پاس ہو تم' اب تمہیں دوسری تمام فکروں سے آزاد ہو جانا چاہیے۔ جاؤ چچی جان کے پاس جاؤ۔ لباس وغیرہ تبدیل کرو۔ اور آرام کرو۔ میری درخواست ہے تم سے بیٹے کہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو' باقی تمام معاملات میں سنبھال لوں گا۔'' وہ سائرہ کو اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ خاموش بیٹھے ان واقعات پر غور کرتے رہے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب ڈی آئی جی صاحب واپس آئے تو ظفری نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ڈی آئی جی صاحب کا چہرہ بہت متفکر نظر آ رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ لیے۔

''تم لوگ نہیں جانتے' وہ میرے لیے کس قدر اہم تھا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ حکومت کے وہ ارکان جو وہاں انتظامی امور پر مامور ہیں' کیوں خاموش رہے اس سلسلے میں' نواب علی ضرغام اتنی معمولی شخصیت تو نہیں تھے کہ ان کی موت کی اطلاع اخباروں میں نہ چھپتی یا حکومت کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ اس سلسلے میں جو سازش کی گئی ہے۔ اس میں یا تو حکومت کے ارکان بھی شامل ہیں۔ یا پھر سازش اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے کانوں تک خبر بھی نہیں پہنچ سکی۔''

''اس سلسلے میں تو ریاست ہی پہنچ کر معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں' آفتاب صاحب' لیکن ہمارے پاس ایک اہم اطلاع ہے آپ کے لیے' جو بالکل خفیہ ہے اور سائرہ کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔'' ڈی آئی جی صاحب چونک کر انھیں دیکھنے لگے۔

''کیا مطلب؟ کیا اطلاع ہے وہ؟''

’’پرنس دلاور یہاں موجود ہے۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ سائرہ اس دوران کسی کے ایماء پر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے اور اس کی کوشش کی اطلاع پرنس دلاور کو مل چکی تھی' چنانچہ سائرہ کے فرار ہونے کے بعد یقینی طور پر پرنس دلاور کو تشویش ہوئی ہوگی کہ کہیں سائرہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نہ پہنچ جائے۔ یا ممکن ہے اس کے ذہن میں یہ خدشہ ہو کہ یہ اطلاع آپ تک بھی پہنچے گی۔ اس طرح اسے اپنے راز کے فاش ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ یہاں آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے سب سے پہلے ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔‘‘

’’تم سے؟‘‘ ڈی آئی جی صاحب چونک پڑے۔

’’ہاں۔ اس نے ہوٹل فائرز میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کسی نمائندے کو طلب کیا' میں اس سے ملا تھا۔ بہت ہی خودسر اور بدتمیز قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے مجھ سے ملاقات کی اور ایک اچھی خاصی رقم مجھے پیش کی کہ سائرہ اگر مجھ سے ملاقات کی کوشش کرے اور مجھ سے اس سلسلے میں مدد چاہے تو میں پرنس دلاور کے مفادات کی نگرانی کروں اور سائرہ کی آمد کی اطلاع اسے دے دی جائے۔ اس نے اس سلسلے میں بہت بڑی رقم کی پیشکش بھی کی تھی مجھے' ویسے اس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ صورت حال کیا ہے؟ بس اس نے یہی کہا تھا کہ کسی ایسی لڑکی کی اطلاع اسے دی جائے' جو پرنس دلاور کے خلاف کوئی کام کرانا چاہتی ہو۔‘‘

’’اوہ' اوہ' گویا تمہارا اس سے رابطہ ہے؟‘‘

’’میرا اس سے براہ راست رابطہ تو نہیں ہے لیکن اس کی ایک سیکریٹری جس کا نام رینا ہے۔ اس نے مجھے ایک ٹیلی فون نمبر دیا ہے ابھی تک میں رینا سے رابطہ قائم نہیں کر سکا لیکن اس ٹیلی فون کے ذریعے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔‘‘

’’کمال ہے' کمال ہے۔ ویری گڈ' ویری گڈ۔ اس کا مقصد ہے کہ تقدیر ہمارے لیے آسانیاں پیدا کر رہی ہے۔ بلاشبہ یہ اطلاع اہم ترین ہے' لیکن اب کیا پروگرام ہے تم لوگوں کا؟

مجھے مشورہ دو۔ علی ضرغام کی موت سے میرا ذہن بہت الجھ گیا ہے۔ میں اس سلسلے میں شرمندہ بھی ہوں اور پریشان بھی کہ مجھے اپنے اتنے اہم اور گہرے دوست کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا' اس کی موت کو اتنا عرصہ گزر گیا اور میں ابھی تک اس سے لاعلم ہوں اس کے خلاف ایسی خوفناک سازش ہوئی' وہ مر گیا اور مجھے پتا نہیں' سائرہ بیچاری مختلف مصیبتوں کا شکار رہی اور میں اس سے انجان رہا۔ مجھے اپنی اس افسوسناک غفلت پر ہمیشہ شرمندگی رہے گی۔‘‘

’’بہرطور سازش بہت گہری ہے ڈی آئی جی صاحب اس لیے ہم ہر بات کی توقع کر سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟‘‘

’’تم خود ہی سوچو' میرا ذہن تو ان حالات میں کام نہیں کر رہا۔‘‘ ڈی آئی جی نے کہا۔

اس دوران ملازم کافی لے آیا تھا۔ کافی پیتے ہوئے شکیلہ آہستہ سے بولی۔

’’میرے ناقص ذہن میں ایک تجویز آئی ہے آفتاب احمد صاحب اگر اس پر غور کر لیا جائے تو میں شکرگزار رہوں گی۔ میرا خیال ہے سعدی پرنس سے رابطہ قائم کر کے انھیں اپنے پاس سائرہ کے آنے کی اطلاع دیں اور پھر ہم سائرہ کو پرنس دلاور کے حوالے کر دیں اس کے ساتھ ہی ہم ایک ایسا جال بچھائیں کہ پرنس دلاور اصل حیثیت میں ہمارے جال میں پھنس جائے۔‘‘ شکیلہ نے کہا۔

سعدی' ظفری اور آفتاب احمد صاحب گہری نگاہوں سے شکیلہ کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے۔ پھر آفتاب احمد بولے۔ ’’تم لوگ درحقیقت ذہین ہو اور اس قابل ہو کہ اس ادارے کو چلاؤ۔ شکیلہ نے جو خاکہ پیش کیا ہے اس کے نوک پلک سنوارے جا سکتے ہیں۔ ہمیں سوچنے کے لیے ایک راہ مل گئی ہے۔ آؤ سارے پروگرام کا ایک خاکہ بناتے ہیں۔‘‘

’’آپ لوگ اس سے متفق ہیں؟‘‘ شکیلہ نے سعدی اور ظفری سے پوچھا۔

’’بالکل چیف۔ میرے خیال میں بہترین تجویز ہے۔‘‘ سعدی آہستہ سے بولا۔

"آفتاب احمد صاحب نے ایک بڑا کاغذ اور بال پوائنٹ منگوالیا اس کے بعد شکیلہ کی تجویز پر لمحہ لمحہ غور ہونے لگا ایک ایک نکتے کو زیرِ غور لایا جا رہا تھا۔ کافی دیر تک صورت حال پر غور ہوتا رہا۔ پروگراموں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ پھر ڈی آئی جی صاحب دوسرے کمرے میں جا کر ایک تصویروں کا البم لے کر آئے جس میں نواب ضرغام کی بہت سی تصاویر تھیں۔ کچھ آفتاب احمد کے ساتھ اور کچھ تنہا۔ ان تصاویر پر غور کیا گیا اور تجویز کو آخری شکل دے دی گئی۔ سب کے چہروں پر تجسس تھا۔ آخر میں ڈی آئی جی بولے۔

"یہ تمھاری کسوٹی ہے سعدی، ظفری اور شکیلہ۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم اس پر پورے اترو گے۔ دوسرے تمام کام چھوڑ دو اور بڑی معذرت کے ساتھ آخری بات کہتا ہوں۔ اس کیس کی تکمیل کے بعد میں تمھیں ریاست عادل آباد سے ایک لاکھ روپے دلاؤں گا۔ گویا تمھاری مصروفیت کا چار گنا معاوضہ۔ دیگر اخراجات کے علاوہ۔"

"ہم اسے بخوشی قبول کریں گے جناب۔" ظفری نے جواب دیا۔ اور سعدی اور شکیلہ ہنس پڑے۔

"تو پھر بسم اللہ۔ یہ کیس میں تمھارے حوالے کرتا ہوں۔" آفتاب احمد نے کہا۔

اینگل روڈ کے چوراہے پر سعدی اپنی کار میں رینا کا انتظار کر رہا تھا۔ رینا کے دیے ہوئے فون پر رنگ کر کے سعدی نے اسے لڑکی کے پہنچنے کی اطلاع دے دی تھی۔ اسے فون پر بھی احساس ہو گیا تھا کہ رینا بہت پرجوش ہو گئی ہے۔

"کہاں ہے وہ؟ کیا وہ تمھارے پاس ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جا چکا ہے لیکن میں نے اس کا کیس بھی لے لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تم سے ملنا چاہتا ہوں تا کہ بات چیت مکمل ہو جائے۔"

"ہوں۔ دس منٹ کے بعد مجھے دوبارہ رنگ کرو۔ میں انتظار کروں گی اور دس منٹ کے بعد رینا اسے اینگل روڈ کے چوراہے پر بلا لیا تھا۔ ابھی سعدی کو یہاں پہنچے ہوئے چار پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ اس نے سڑک کے دوسری طرف رینا کو ایک ٹیکسی سے اترتے دیکھا۔ ٹیکسی کا بل ادا کر کے وہ تیر کی طرح سعدی کی طرف لپکی۔ اور پھر وہ بے تکلفی سے سعدی کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمھاری اطلاع میں کوئی فریب تو نہیں ہے۔"

"ہے۔" سعدی نے کہا۔ "لیکن معقول معاوضہ لے کر سارے فریب ختم کیے جا سکتے ہیں۔"

"اوہ مسٹر سعدی، پرنس دلاور کو آپ نہیں جانتے۔ دولت کے انبار ہیں ان کے پاس اور جس پر مہرباں ہو جاتے ہیں ان کی تقدیریں بدل دیتے ہیں وہ اگر اس سلسلے میں آپ نے ان سے تعاون کیا تو آپ کو منہ مانگا معاوضہ ملے گا۔"

"میں پرنس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"چلیے۔" رینا نے کہا اور سعدی نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ رینا نے اسے ایک علاقے کا پتا بتا دیا اور کار دوڑتی رہی۔ جس جگہ رینا اسے لے کر گئی تھی، وہ پرنس دلاور کے شایاں نہیں تھی لیکن سعدی نے اس پر تبصرہ نہیں کیا۔ ایک بلڈنگ کے دوسری منزل کے فلیٹ میں پرنس موجود تھا۔ اس وقت اس کا رویہ خراب نہیں تھا لیکن شکل پر رعونت طاری تھی، وہ کہاں جاتی۔ اس نے سعدی کو بیٹھنے کی پیشکش بھی کی تھی۔ سعدی شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ تب پرنس نے پوچھا۔

"کیا یہ اطلاع درست ہے؟"

"ہاں پرنس۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"اس کا جواب ابھی نہیں دیا جا سکتا۔"

"کیوں؟" پرنس کی غراہٹ ابھری۔

"جو کہانی اس نے سنائی ہے پرنس، وہ بہت قیمتی ہے اور آپ ہم جیسے لوگوں کے بارے میں بخوبی جانتے ہوں گے۔ یہاں پرائیویٹ جاسوسوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ نہ جانے کیسی کیسی مشکلات سے گزرنا ہوتا ہے ہمیں۔ پولیس کے جھگڑے۔"

"اوہ صرف کام کی بات کرو۔" پرنس ہاتھ اٹھا کر غرایا۔

"کہانی کے تحت لڑکی آپ کے لیے بے حد قیمتی ہے پرنس۔ اور میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ اگر لڑکی آپ سے پہلے ہمارے پاس آجاتی تو ہم انتہائی خلوص سے اس کے لیے کام کرتے۔ پرنس آپ اپنی تمام ذمہ داریاں ہم پر ڈال سکتے ہیں۔ آپ کی مرضی اور پسند کے مطابق کام ہوگا۔ اب ہمیں اس لڑکی کے مفادات سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔"

"کہانی کیا تھی؟" پرنس دلاور نے پوچھا۔

"عادل آباد کے علی ضرغام کا قتل۔ سائرہ کے خلاف مواد۔ اس کی نظر بندی پھر اغواء اور اس کا فرار۔ اس نے پہلے بھی ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی جسے آپ نے ناکام بنا دیا۔ اتنی تفصیل کافی ہے پرنس۔"

"ہوں۔" پرنس کے چہرے پر غور و فکر آثار پھیل گئے۔

"میں آپ کے لیے ایک اہم کام اور انجام دے چکا ہوں پرنس۔" سعدی بولا۔

"کیا؟"

"شاید یہ بات آپ کے علم میں نہ ہو کہ علی ضرغام کے تعلقات آفتاب احمد سے تھے اور آفتاب احمد ڈی آئی جی پولیس ہیں۔"

"اوہ ہاں۔" دلاور چونک پڑا۔

"سائرہ ڈی آئی جی سے ملنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے روک لیا اور وعدہ کیا کہ میں

اسے بحفاظت ڈی آئی جی تک پہنچادوں گا۔ میں نے خود ہی اس کے لیے رہائش کا بھی بندوبست کیا ہے اور اپنا ایک آدمی اس پر تعینات کر دیا ہے اور اسے ہدایت ہے کہ پرنس سائرہ کسی سے بھی ملاقات نہ کرنے پائے۔"

"ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ عمدہ کام کیا ہے تم نے۔ تم اچانک مجھے پسند آگئے ہو۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"بے بس بھی عنایت ہو جائے۔" سعدی سعادت مندی سے بولا۔

"پانچ۔ دو لاکھ تمھیں ابھی ادا کر دیے جائیں گے اور تین لاکھ کے لیے تمھیں کچھ اور جدوجہد کرنی ہوگی۔"

"میرا پورا ادارہ پرنس کا خادم ہوگا!"

"دوستی کے نتیجے میں بہت کچھ ملے گا اور غداری کا نتیجہ موت ہوگی۔ اس بات کا خیال رکھنا۔" پرنس نے کہا۔

"پرنس کی غلامی ہماری خوش بختی کا پیغام ہے۔"

"میں کچھ اہم ذمہ داریاں تمھارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ انتہائی رازداری سے یہ کام انجام دو۔ ریاست سے میری طویل گمشدگی مناسب نہیں ہے۔ میرے پاس ذہین لوگوں کی کمی ہے۔ میرے پاس جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ صرف مشین ہیں دماغ نہیں۔ تم میں مجھے یہ دونوں خوبیاں نظر آتی ہیں۔ صورت حال تم سمجھ چکے ہو۔ اور اس سے نتیجہ بھی اخذ کر چکے ہوگے۔ تمھارا اندازہ غلط نہیں ہے۔ کام ہو جانے کے بعد تمھیں میری مستقل دوستی حاصل ہو جائے گی۔ ممکن ہے میں تم لوگوں کو ریاست ہی میں بلالوں۔ بہرحال یہ بعد کی باتیں ہیں۔ ایک نگاہ مجھے سائرہ دکھادو۔ میں اس کی تصدیق کردوں تو پھر تم اسے لے کر کسی نہ کسی طرح ریاست آجاؤ۔ تمھارا اسٹاف بھی ساتھ ہوگا۔ وہاں میں تمھیں کچھ لوگوں کے سامنے پیش کردوں گا اور تم ان لوگوں کے سامنے ایک

بیان دو گے۔"

"بیان کیا ہوگا پرنس؟" سعدی نے پوچھا۔

"تمھارا تعلق ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے ہے۔ جاسوسی کا ایک ادارہ ہے۔ لیکن تم لوگ غیر قانونی کام نہیں کرتے۔ کچھ عرصہ قبل پرنس سائرہ نے تم سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا کہ کیا تم لوگ پانچ لاکھ روپے قبول کر کے کسی کو قتل بھی کر سکتے ہو۔ تم نے انکار کر دیا تو پرنس نے دوسری پیشکش کی وہ یہ تھی کہ اگر تم قتل نہیں کر سکتے تو اتنا تو کر سکتے ہو کہ کسی کو قاتل ثابت کر دو۔ یہ پیشکش تم نے قبول کر لی اور پرنس نے تمھیں دو لاکھ روپے ادا کر دیے۔ اس کے بعد چند روز قبل وہ فرار ہو کر تمھارے پاس پہنچ گئیں اور انھوں نے تمھیں اپنے کام کے لیے آمادہ کر لیا۔ وہ اسی لیے تمھیں لے کر ریاست پہنچیں کہ اب تم اپنا کام کرو لیکن تم شریف لوگ ہو۔ کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا پرنس۔"

"سائرہ کو تم کس طرح شیشے میں اتارتے ہو، وہ تمھارا کام ہوگا۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔" سعدی نے مستعدی سے کہا۔

"تم یہ کام انجام دے لو گے؟ کوئی الجھن تو نہیں ہوگی؟"

"پرنس بالکل مطمئن رہیں۔ کام من و عن ہوگا۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ دنیا کا کوئی لالچ تمھیں مجھ سے غداری پر مجبور نہیں کرے گا۔ یہ بھی تم سن لو اچھی طرح۔ بہر طور سائرہ مر جائے گی اور اس کے بعد عادل آباد کی حکمرانی مجھے مل جائے گی۔ کوئی قوت میری راہ نہیں روک سکے گی۔ اس لیے صرف مجھ سے دوستی میں تمھیں فائدہ ہے۔"

"میں پرنس سے جو کچھ کہہ چکا ہوں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ پرنس کو اس پر بھروسہ کرنا چاہیے؟"

"میں نے اس پر یقین کر لیا ہے۔"

"لیکن پرنس مجھے ایک بات پر حیرت ہے؟"

"کیا؟"

"نواب علی ضرغام اتنی معمولی شخصیت کے مالک تو نہیں تھے کہ ان کی موت کی خبر اخبارات میں نہ چھپتی؟"

"اس سے تمھیں صرف یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"دفاع بھی بے حد وسیع ہے۔ پرنس، بہر حال میں خادم ہوں۔" سعدی نے انکساری سے کہا۔ پھر بولا۔ "میری ایک اور درخواست بھی ہے پرنس۔"

"کہو کہو۔" پرنس ولاور کا موڈ بدل گیا تھا۔

"میں نے پرنس سے وفاداری کا عہد کیا ہے۔ اس وقت تک مجھ پر اعتبار کیا جائے جب تک پرنس کو میری کسی بات پر شک نہ ہو۔ اگر شک یقین میں بدل جائے تو بے شک مجھے گولی ماردی جائے لیکن کام مجھے میری مرضی سے کرنے دیا جائے۔"

"منظور ہے۔ تم اس پروگرام میں پوری طرح خود مختار ہو گے۔"

"تو پھر کیا حکم ہے آپ اسے دیکھنا پسند کریں گے؟" سعدی بولا۔ اور پرنس نے ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ ملازم آیا تو اس نے رینا کو طلب کر لیا۔ پھر اس نے حکم دیا۔

"دو لاکھ روپے کے نوٹ لے آؤ۔" اور رینا گردن جھکا کر چلی گئی۔ سعدی مسمی سی شکل بنائے بیٹھا رہا۔ رینا نے ایک بریف کیس لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"قابل اعتماد لوگوں کی پرکھ ہے ہمیں۔ تین لاکھ کام ہونے کے فوراً بعد مل جائیں گے اور اس کے بعد انعامات جو تمھاری توقع سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ رینا تمھاری ہدایت کے مطابق تمھارے ساتھ جائے گی اور اسے دیکھ لے گی۔ اس کے بعد تم اپنا کام شروع کر دو گے۔ میں آج

ہی ریاست واپس جا رہا ہوں تا کہ وہاں کے معاملات سنبھالوں۔"

"بہتر پرنس۔ سب کچھ آپ کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔" سعدی نے بریف کیس بند کر کے اپنی تحویل میں لے لیا۔ پھر پرنس کو سلام کر کے رینا کے ساتھ باہر نکل آیا۔ رینا مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

"بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پرنس کو اس طرح ٹریٹ کر لیں تم معمولی انسان نہیں معلوم ہوتے۔"

"تمھیں دوسری کار میں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ میں اسے ساتھ لے کر باہر آؤں گا تم تصدیق کر لینا۔" سعدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"او کے۔ او کے۔" رینا سنبھل گئی۔ اسے بے تکلفی کا جواب اسی انداز میں نہیں ملا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں باہر نکل آئے۔ دو الگ کاروں میں تھے۔ رینا کی کار میں ایک ڈرائیور بھی موجود تھا۔ لیکن سعدی چوکنا تھا۔ بہت سی سڑکوں سے گزرتے ہوئے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ کوئی اور گاڑی تو اس کے تعاقب میں نہیں ہے لیکن ایسی گاڑی اس کی نگاہ میں نہیں آئی تھی۔

برائن اسکوائر کی ایک عمارت کے سامنے اس نے کار روک دی اتر کر اوپر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نیچے اترا تو سائرہ اس کے ساتھ تھی۔ اس نے سائرہ کے لیے دروازہ کھولا اور اسے بٹھا کر چل پڑا۔ رینا کی کار بھی پیچھے لگ گئی تھی اور بہت پیچھے تین موٹر سائیکلیں اور ایک کار بھی اسٹارٹ ہو کر ان کے پیچھے چل پڑی۔ ان گاڑیوں میں اسپیشل پولیس کے افراد تھے جو پوری طرح مسلح اور چوکس تھے۔

سعدی نے ایک لمبی مسافت طے کی۔ پھر ایک بازار میں آیا ایک جنرل اسٹور سے سائرہ کے ساتھ خریداری کی پھر اس نے رینا کی کار واپس جاتے دیکھی تو وہ خود بھی واپس چل پڑا۔ کار برائن اسکوائر ہی گئی تھی۔ اور سائرہ کو ایک فلیٹ میں لے جایا گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی

ایک برقعہ پوش خاتون فلیٹ سے باہر نکلیں۔ ان کے ساتھ ایک مولانا تھے۔ دونوں نیچے پہنچے اور تھوڑے فاصلے پر کھڑا آٹو رکشہ اسٹارٹ ہو کر ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ دونوں اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد سعدی بھی نیچے آیا اور اپنی کار اسٹارٹ کر کے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر کی طرف چل پڑا۔ ہر چند کہ اب تک اس کا تعاقب نہیں کیا گیا تھا لیکن اس نے اب بھی اس کا خیال رکھا تھا اور دفتر پہنچنے تک اسے اس کا کوئی شبہ نہیں ہوا۔ دفتر میں شکیلہ اور ظفری بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے پرتپاک مسکراہٹوں سے اس کا استقبال کیا۔ سعدی نے بریف کیس ان کے سامنے رکھ دیا۔ نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا گیا۔ اس کے بعد سعدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک ننھا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا جس کے دو باریک تار سعدی کی جیب سے اس طرح باہر نکلے ہوئے تھے کہ پتا بھی نہیں چلتا تھا۔ سعدی نے کیسٹ ریورس کیا اور پھر اس کی آواز کھول دی۔ پرنس دلاور اور سعدی کی تمام گفتگو اس پر ریکارڈ تھی۔ ظفری اور شکیلہ حیرت اور دلچسپی سے یہ آوازیں سن رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیپ ختم ہو گیا۔

"اطمینان بخش۔" ظفری نے گردن ہلائی۔

"اب تم فوراً یہ امانت ڈی آئی جی صاحب کے سپرد کر آؤ۔" سعدی نے کہا۔

"او کے چیف۔" ظفری مستعدی سے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ظفری کی کار پولیس ہیڈ آفس کی طرف دوڑ رہی تھی۔

عادل آباد کی سڑکوں، گلیوں، بازاروں میں سناٹا چھا گیا تھا چھوٹا سا شہر تھا تھوڑی سی آبادی۔ سات بجے دکانیں بند ہو جاتی تھیں اور لوگ اپنے گھروں میں آرام کرتے تھے۔ چند سینما گھر تھے اور چند ہوٹل جن میں بے فکرے آجاتے تھے۔ اور بس۔

لیکن نواب علی ضرغام کا محل بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ یہاں ابھی رات نہیں ہوئی تھی۔ مودب

ملازم ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ محل کے ایک خاص حصے میں کچھ زیادہ اہتمام تھا۔ ایک بڑے سے خوشنما ہال میں آبنوس کی لکڑی سے بنائی ہوئی طویل میز پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر عادل آباد کے معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد چودہ کے قریب تھی۔ سب کے چہروں پر سنسنی نظر آ رہی تھی۔ میز پر پانی کے جگ اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اور ملازم ان کی کسی بھی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے تیار تھے۔ پھر ایک بغلی دروازے سے پرنس دلاور برآمد ہوا۔ سلک کے قیمتی قمیض پاجامے میں ملبوس تھا۔ بال منتشر تھے۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں متورم نظر آ رہی تھیں۔ کچھ ہلکی ہلکی آوازیں ابھریں۔ پرنس دلاور نے ان لوگوں کو سلام کیا۔ سب نے بہ آواز بلند جواب دیا۔ پرنس دلاور تھکے تھکے سے انداز میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بزرگو، دانشمندو، میں آپ لوگوں سے مخاطب ہوں۔ میں آپ کو تکلیف دینے کے لیے مجبور تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا۔ میرے لیے۔ میں اپنے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ دوسروں کے بارے میں آپ کو کچھ بتانے کا خواہش مند ہوں۔ آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"بتاؤ دلاور۔" ایک قوی ہیکل شخص نے کہا۔

"عطا خان، جاؤ اسے لے آؤ۔ جس حالت میں بھی ہے لے آؤ۔ تاکہ میرے بزرگ یہ نہ کہیں کہ کارروائی یکطرفہ رہی۔" دلاور نے ایک شخص سے کہا۔ اور وہ گردن جھکا کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک وہیل چیئر پر سائرہ کو اندر لایا گیا۔ اس کے ساتھ سعدی اور ظفری بھی تھے۔ سائرہ عجیب سی کیفیت میں نظر آ رہی تھی۔ اس کی کرسی میز کے قریب رکھ دی گئی۔

"یہ عادل آباد کا ناموس ہے۔ میری بہن ہے یہ۔ سوتیلی ہی سہی لیکن نواب ضرغام کی بیٹی ہے۔ یہ اس وقت بھی نشے میں ہے پیتھیڈین کے انجکشن کے بغیر اس کی زندگی محال ہے۔ یہ ڈاکٹروں کی رپورٹیں ہیں۔ اس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ سات سال سے نشہ آور

ادویات استعمال کرتی ہے۔" دلاور نے چند کاغذات ان لوگوں کے سامنے رکھ دیے جن کا معائنہ کیا گیا۔ پھر دلاور موثر لہجے میں بولا۔

"قابل احترام بزرگو! اولاد اس قابل نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے بیٹھ سکے۔ کچھ کہہ سکے۔ بزرگو مجھے اعتراف ہے کہ اب تک کی زندگی میں، میں ایک بدترین انسان رہا ہوں۔ میں آپ سے یہ وعدہ کر کے آپ کی ہمدردیاں بھی حاصل نہیں کرنا چاہتا کہ اب میں نے برائیاں چھوڑ دی ہیں۔ میرا خیال ہے میں پہلے سے بھی زیادہ برا ہو گیا ہوں اور جوں جوں وقت گزرتا جائے گا۔ میری ان برائیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا کیونکہ ان خرابیوں کا پس منظر ہے میری ماں۔ نواب ضرغام کے نکاح میں تھی لیکن اس نے ساری زندگی ایک داشتہ کی حیثیت سے گزاری۔ میں ایک باپ کی جائز اولاد تھا لیکن لوگوں نے مجھے ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھا۔ میری فطرت میں بغاوت پیدا ہو گئی۔ اپنے آپ سے اس ماحول سے۔ اور میں ساری دنیا سے انتقام لینے لگا۔ لیکن بزرگو پھر مجھے باپ مل گیا۔ اس نے مجھے سہارا دیا۔ وہ مجھے برائیوں سے بچنے کی تلقین کرنے لگا اور مجھے بہت عجیب محسوس ہوا۔ برائیاں مجھے بہت دور لے گئی تھیں۔ میں نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ اور ممکن تھا کہ میں انسان بن جاتا۔ لیکن یہ سہارا بھی مجھ سے چھین لیا گیا۔ میں نے اسے دیکھا جو ناز و نعم سے پلی ہوئی تھی، قابل احترام تھی۔ سب اس کی عزت کرتے تھے لیکن در پردہ۔ وہ منشیات کی عادی تھی۔ اس کے سیاہ کرتوتوں نے اسے بلیک میلروں کے چکروں میں پھنسا دیا تھا اور اسے دولت کی ضرورت رہتی تھی۔ اس نے اسی دولت کے لیے میرا باپ مجھ سے چھین لیا۔ بات میرے لیے اس کائنات کی سب سے قیمتی شے تھا۔ میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکا۔ میں پاگل ہو گیا۔ میں نے باپ کے قاتل کو تلاش کیا۔ اور پالیا اسے۔ لیکن اسے قاتل ثابت کرنا بہت مشکل تھا۔ پھر تقدیر نے یاوری کی اور مجھے کچھ ثبوت مل گئے۔ میں نے اسے نظر بند کر لیا۔ میں نے اپنے باپ کی موت کی اطلاع عام نہ ہونے دی کیونکہ مجھے خطرہ تھا کہ اس سلسلے میں مرکزی پولیس

مداخلت کرے گی اور اصل قاتل روپوش ہو جائے گا۔ یہ خطرناک عورت فرار ہوگئی۔ اس نے ایک ایسے ادارے سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی جس کے ارکان معاوضہ لے کر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ان شریف لوگوں نے صورت حال سے واقف ہو کر اس کے بجائے مجھ سے تعاون کیا۔ اور نتیجے میں یہ آپ کے سامنے ہے۔ میں اپنے باپ کی قاتلہ کے لیے سزا چاہتا ہوں۔ میں انصاف چاہتا ہوں۔"

پرنس دلاور کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر اس نے سعدی کو مخاطب کر کے کہا۔

"سعدی اپنا تعارف کراؤ۔ ان معززین کو صورت حال سے باخبر کرو۔"

سعدی اطمینان سے کھڑا ہو گیا۔ "حقیقت یوں ہے بزرگو ہم قانون کا احترام کرتے ہوئے لوگوں کی مدد کرتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی جو مظلوم ہوں۔ مجرم کو ہم خود سزا نہیں دیتے بلکہ قانون کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس بار بھی خدا کے فضل سے ہم ایسا ہی کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پرنس سائرہ سے پہلے پرنس دلاور نے ہم سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ اگر اس کے خلاف کوئی کوشش کی جائے تو۔۔۔"

سعدی آہستہ آہستہ پوری کہانی سنانے لگا۔ پرنس دلاور کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اس کی شخصیت ایکدم بدل گئی۔ وہ جنونی انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے تو؟" وہ دھاڑا۔

"بزرگو۔ سارے ثبوت موجود ہیں اور آخری ثبوت۔" سعدی نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت دروازے سے نواب علی ضرغام ڈی آئی جی آفتاب احمد خان اور چند پولیس افسروں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ اندر موجود لوگوں کے حلق سے تحیر بھری آوازیں نکل گئی تھیں۔

نواب صاحب نے قہر آلود نگاہوں سے دلاور کو دیکھا اور پھر زہریلے لہجے میں بولے۔ "میں آپ کو بتاؤں گا کہ اصل قاتل کون ہے؟"

"نواب صاحب آپ زندہ ہیں؟"

"ہاں۔ میں زندہ ہوں۔ میری جگہ میرے ایک جانثار آصف ملک نے اپنی جان دی ہے۔ آصف ملک اتفاق سے دلاور کے منصوبے سے آگاہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے میک اپ کر کے میری جگہ لے لی تھی۔ اور وہ مظلوم اس وحشی درندے کی گولی کا نشانہ بن گئے تھے جو کچھ ہوا اس میں میری اپنی کوتاہیوں کا دخل تھا جس کی مجھے سزا ملی۔ دلاور میرا نہیں بلکہ اپنی آوارہ ماں کا بیٹا ہے۔ ہاں میں نے اس عورت سے نکاح کیا تھا لیکن وہ اس وقت ایک لڑکے کی ماں تھی اور یہ بات دلاور کو اچھی طرح معلوم تھی۔ اس نے مجھے راستے سے ہٹا کر میری بچی کو بھی اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن خدا نے اس کی حفاظت کی اور۔۔۔" نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ پرنس دلاور نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ صورت حال کا اسے اندازہ نہیں تھا۔ فوراً ہی ایک زنجیر اس کی گردن میں آ پڑی تھی جس تیزی سے وہ باہر نکلا تھا اسی تیزی سے اندر آ پڑا۔ دروازے میں ٹیٹو نظر آیا تھا۔ پرنس نے پھر سنبھالا لیا اور ٹیٹو پر ٹوٹ پڑا لیکن اسے چھٹی کا دودھ ہی یاد آ گیا تھا۔ ٹیٹو کے دو تین ہاتھوں نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ پھر ڈی آئی جی آگے بڑھے اور اپنا تعارف کراتے ہوئے بولے۔

"میں پرنس دلاور کو نواب علی ضرغام کے قتل کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔ ان کے وکیلوں کو اجازت ہے کہ وہ عدالت سے رجوع کریں۔ تمام ثبوت پیش کیے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک غمناک خبر آپ کو اور سناتا ہوں۔ نواب علی ضرغام قتل ہو چکے ہیں۔ اور ان کا قاتل دلاور ہی ہے۔ اس کا فرار اعتراف کی حیثیت رکھتا ہے نواب صاحب کے میک اپ میں یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ایک رکن راشد ہیں جنھیں ضرورت کے تحت یہ روپ دیا گیا تھا تاکہ دلاور انھیں دیکھ کر کوئی اور پینترا نہ بدل سکے۔ نواب صاحب میرے دوست اور دور کے عزیز بھی تھے۔ دلاور نے اپنی مجرمانہ کوششوں سے ان کی موت کی خبر بھی چھپائی۔ اس سلسلے میں اس کی اعانت کرنے والوں کے خلاف بھی پوری کاروائی کر لی گئی ہے۔ اور وہ سب لوگ گرفتار ہو چکے ہیں۔

سائرہ اپنے باپ کی تمام دولت اور جائیداد کی واحد حقدار ہے۔ حکومت نے اس کی سرپرستی کے لیے ایک ادارہ قائم کر دیا ہے جو اس وقت تک اس کی سرپرستی کرے گا جب تک سائرہ کی شادی نہ ہو جائے اور وہ کسی مضبوط پناہ میں نہ پہنچ جائے۔ اس کے علاوہ پرنس سائرہ کی اجازت سے میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ارکان کو ان کی کاوشوں کا معاوضہ ایک لاکھ روپے متعین کرتا ہوں جو انھیں ریاست کے خزانے سے ادا کیے جائیں گے۔''

''ایک سوال کی اجازت جناب عالی۔'' عادل آباد کے ایک معزز شخص نے پوچھا۔

''جی فرمائیے۔''

''کیا پرنس سائرہ واقعی منشیات کی عادی ہیں؟''

''جی نہیں۔ سعدی نے اپنی کہانی میں پوری تفصیل آپ کو سنا دی ہے۔ وہ سب دلاور کا فراڈ ہے۔ اس وقت بھی اس نے پرنس کو ایک انجکشن کے ذریعے نڈھال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن۔ یہ انجکشن انھوں نے نہیں لیا تھا۔ پرنس نے نڈھال ہونے کی اداکاری کی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ براہ کرم پرنس کھڑی ہو جائیے۔'' سائرہ کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

دلاور کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دی گئی تھیں۔ پولیس افسران اسے لے کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆......☆......☆

فائنل میٹنگ تھی اور اس میں نئے دفتر میں نیا کاروبار شروع کرنے کے سلسلے میں آخری بات چیت ہونے والی تھی۔ اس سے قبل دو دن تک میٹنگ ہوتی رہی تھی اور کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا تھا۔ اس دوران زاہد صاحب نے کچھ اور پیشکشیں کی تھیں لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کی تھیں کیونکہ اندیشہ تھا کہ زاہد صاحب کی یہ فیاضی مسز تیز سے چھپی نہ رہ سکے گی اور بالآخر دفتر سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے' اس لیے معاملہ اسی دفتر تک محدود رکھا گیا تھا۔ پہلے دن کی میٹنگ میں طے کر لیا گیا تھا کہ زاہد صاحب کے سر پر اس وقت تک دست شفقت رہے گا جب تک یہ دفتر اپنے نام نہ کر لیا جائے۔

شکیلہ نے اس بارے میں مخلصانہ پیشکش کر دی تھی۔ ''آپ حضرات اس کی فکر نہ کریں۔ یہ کام بندی انجام دے لے گی۔''

''ہمیں۔ یقین ہے تم کامیاب رہو گی۔ بہرحال کاروبار کا مسئلہ ہے۔ دفتر کے اخراجات کا بھی خیال رکھنا ہو گا۔ آج کل تو خیر فراغت ہے کوئی دقت نہ ہو گی لیکن آنے والے وقت کے لیے ہمیں کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کرنا ہو گا' اس لیے کسی کاروبار کی ابتداء بھی ضروری ہے۔

دو دن تک بحث ہوتی رہی تھی لیکن کوئی تجویز منظور نہیں ہو سکی تھی۔ سب نے اپنا اپنا موقف پیش کیا تھا۔ بہرحال فیصلہ کیا گیا تھا کہ تیسرے دن کی میٹنگ میں آخری فیصلہ کر لیا جائے گا۔

چنانچہ آخری رکن یعنی شکیلہ کے پہنچنے کے بعد دفتر کا دروازہ بند کر لیا گیا تھا اور تینوں اس

خوبصورت میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے جس پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا اور بہت سے ڈیکوریشن پیس سجے ہوئے تھے۔

"دو دن کی میٹنگوں کی رپورٹ؟" شکیلہ نے کہا۔

"حاضر ہے۔" سعدی نے ایک فائل نکال کر درمیان سے کھول دیا۔

"سناؤ سعدی' لیکن مختصراً۔"

"زیرِ نگاہ کاروبار' نمبر ا' امپورٹ' ایکسپورٹ۔ اغراض' سرمایہ' تجربہ کام کی خشکی۔ اور گدھے کی طرح محنت۔ چنانچہ کینسل۔ نمبر ۲' اسٹیٹ بروکر۔ کاروبار میں الجھنیں بہت ہیں۔ مقابلہ سخت ہے۔ کینسل۔ نمبر ۳' کسی دور دراز کی زمین کی فروخت یا کسی پروجیکٹ کی بکنگ۔ اعتراض۔ قابل دست اندازیٔ پولیس ہے۔ اخبار میں اشتہار دینا ضروری ہوگا۔ ہرچند کچھ رقم ہاتھ آجائے گی لیکن پھر پولیس سے بھی چھپنا پڑے گا اور ان سے بھی جن کی بکنگ ہو چکی ہوگی' کینسل۔ نمبر ۴' ریکروٹنگ ایجنسی چھپی چھپی ادھار قرض لے کر رزق کی تلاش میں پریشان لوگوں کے ساتھ یہ مذاق انسانیت کے ساتھ بہت بڑا مذاق ہے۔ فوراً کینسل۔

"پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ۔ قابل غور۔!

سعدی نے تمام کاغذات پڑھ ڈالے اور خاموش ہو گیا۔ ظفری اور شکیلہ آنکھیں بند کیے کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر شکیلہ نے کہا۔

"وہی معاملہ ہے ہمارے ہاں کے لوگ ابھی ایسے اداروں پر بھروسہ کرنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں۔ حکومت پرائیویٹ جاسوسوں کو اچکا سمجھتی ہے اور ان کے خلاف جاسوسی ہونے لگتی ہے۔ اور پھر ہمارے ہاں ایسے مسائل بھی نہیں ہیں کسی حصے میں چوری ہو جاتی ہے تو پولیس نہایت اطمینان سے چور کو پڑوس کے کسی مکان سے نکال لاتی ہے۔ دوسرے معاملات کو نمٹانے کے لیے ہر علاقے میں دادا موجود ہوتے ہیں۔ بڑے لوگوں نے بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے ایسے دادا پال رکھے ہیں' جو ان کے لیے زخمی ہوتے ہیں' جیل جاتے ہیں اور یوں ان کے مسائل

حل ہو جاتے ہیں۔

"پھر کیا کیا جائے شکیلہ؟"

"صرف ایک حل ہے اس کاروبار کو شروع کرنے کا۔ میرے خیال میں اس سے بہتر تجویز دوسری نہیں پیش کی جا سکتی۔"

"ارشاد۔ ارشاد۔" سعدی اور ظفری نے زوردار آواز میں کہا اور اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ شکیلہ کچھ بولتے بولتے رک گئی۔

"یہ کون آمرا؟" ظفری ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"زاہد کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" شکیلہ دانت پیس کر بولی۔

"کیا کیا جائے؟"

"بلاؤ بھگتیں گے منحوس کو۔ برے وقت آیا ہے۔" سعدی نے کہا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ لیکن ایک نئی شکل نظر آئی تھی۔ بکھرے بال' بڑھی ہوئی داڑھی' ڈھیلا ڈھالا پائجامہ' کالی واسکٹ' پاؤں میں چپل' چہرے پر وحشت۔

"فرمائیے؟" سعدی نے کہا۔ وہ دروازے پر ہی کھڑا ہوا تھا۔ نووارد نے جھک کر سعدی کی بغل میں سے سر نکال لیا۔ سعدی اس بے تکی حرکت پر بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

عجیب الخلقت شخص اندر جھانک رہا تھا۔ پھر وہ سعدی کو نظر انداز کر کے دفتر میں گھس آیا۔ شکیلہ اور ظفری بھی اسے تعجب سے دیکھنے لگے تھے' آنے والے کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔

"آہا' تو مشاعرہ ہو رہا ہے۔" اس نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی۔" شکیلہ منہ پھاڑ کر بولی۔

"سہ فریقی مشاعرہ۔ بھئی واہ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے چار۔"

"دیوانے صاحب آپ کیسے تشریف لائے ہیں' اس بارے میں بتانا پسند کریں؟"

"جی ہاں جی ہاں۔ خادم بھی شاعر ہے۔ بس مشاعروں کی بو سونگھ لیتا ہے اور میاں

ایسے مشاعرے تو بڑے قابل قدر ہوتے ہیں' جہاں شاعروں اور سامعین کا ہجوم نہ ہو بلکہ شعراء خود ہی اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہوں۔ بھئی واہ۔ ہاں تو ارشاد۔"

"جی۔" ظفری بھی متحیرانہ انداز میں بولا۔

"بھئی شعر و شاعری میں تکلف مناسب نہیں ہوتا' کون اپنی غزل پیش کر رہا تھا؟"

"ہوں' غزل۔" سعدی نے انھیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں' میں نے خود ارشاد' ارشاد' کی آواز سنی تھی۔" نووارد بولے۔

"خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔ تو اسی لیے آپ نے دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا تھا۔"

"بھئی ظاہر ہے' شاعر کے لیے ہم ذوق بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ جانے' یہاں کس کام سے آیا تھا لیکن مشاعرے کی بو سونگھ لی اور یہاں چلا آیا۔"

"اوہ' اسم شریف کیا ہے آپ کا؟"

"جی وہ خادم کو اضطراب احمد مضطرب کہتے ہیں۔" آنے والے حضرت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل۔" سعدی نے ان کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا اور اضطراب احمد مضطرب صاحب نے لپک کر اپنا ہاتھ سعدی کے ہاتھ میں دے دیا لیکن سعدی نے اس کا پنجہ انتہائی مضبوطی سے پکڑ لیا تھا پھر وہ انھیں اسی طرح پکڑے پکڑے دروازے کے باہر آیا اور انھیں باہر دھکیل کر دروازہ پھر اندر سے بند کر لیا۔ شکیلہ اور ظفری ہنس پڑے تھے۔

"قصور ہمارا بھی نہیں ہے۔ یہ حماقتیں خود ہمارے سر آ لگتی ہیں' میرا خیال ہے میں نے جو تجویز پیش کرنے کی بات کی تھی اور اس پر آپ لوگوں نے ارشاد، ارشاد فرمایا تھا تو یہ حضرت ادھر گزرتے ہوئے رک گئے اور سمجھے کہ کوئی مشاعرہ ہو رہا ہے۔"

"خدا کی پناہ ہی ہے بس' کیا کہا جائے' بیچارے مطلق صاحب ہیں جو دل چاہتا ہے کہہ لیتے ہیں اور پھر ایسی بھیک مانگنے والی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ بس دل پسیج جاتا ہے اور داد دیے

بغیر نہیں بنتی۔ خاص طور سے بیگم صاحبہ کے سامنے تو ان کی یہی خواہش رہتی ہے کہ ان کے ہر شعر پر سر پیٹا جائے' حالانکہ سر پیٹنے کا یہ کام ہمارے بجائے خود بیگم صاحبہ کر لیتی ہیں۔" ظفری نے کہا اور سب قہقہے لگانے لگے۔

"خیر خیر یہ غیر سنجیدگی ہمارے درمیان کہاں سے گھس آئی' بتاؤ شکیلہ کیا کہہ رہی تھی تم۔"

"بھئی میں نے تمام حالات و واقعات پر غور کیا ہے اور چند نکتے تلاش کیے ہیں اس سلسلے میں میں جانتی ہوں کہ میں اور میرے رفقاء کوئی ایسا سنجیدہ کاروبار نہیں کر سکتے' جس سے ہماری ذہنی قوتیں زائل ہو کر رہ جائیں۔ نہ ہم کوئی چیز مینوفیکچر کر سکتے ہیں۔ امپورٹ ایکسپورٹ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اسٹیٹ بروکری' چھی چھی چھی۔ اور زمین کی فروخت وغیرہ بھی' کم از کم ہم ان لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتے جو اپنی تمام تر پونجی جو نہ جانے ان لوگوں نے کس کس طرح جمع کی ہوتی ہے کہ ہمارے پاس آئیں ایک گھر کی آس میں۔ اور اس کے بعد ہم ان کی پونجی لے کر رفو چکر ہو جائیں۔ پولیس کے پھندے میں ہم پھنسنا نہیں چاہتے۔ ریکروٹنگ ایجنسی بھی قابل نفرت چیز ہے' گویا یہ سب چیزیں یا یہ سارے کام ہمارے بس کے نہیں ہیں جبکہ بلا سرمایہ کاروبار انھی میں سے کوئی ہو سکتے ہیں۔ اب رہ گیا پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ۔ تو اس کے لیے نہ حکومت کی طرف سے اجازت ہے اور نہ ہم اس سلسلے میں کوئی خاص تجربہ رکھتے ہیں۔ البتہ ہماری اپنی ذہانت ہمیں صرف اس کام کے لیے فٹ پاتی ہے۔ میرا طلب ہے لوگوں کی مختلف مسائل میں امداد ہمارا ذریعہ آمدنی بھی بن سکتی ہے اور یقیناً یہ قابل دست اندازی پولیس بھی نہیں ہے' البتہ اس کے لیے ہمیں انتہائی سائنٹیفک راستے اختیار کرنا ہوں گے۔"

"بیشک پیر و مرشد بیشک۔ لیکن یہ سب ہو کیسے؟"

"یہی تو تجویز میرے ذہن میں آئی ہے اور میں اسی بارے میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ مثلاً آج کل پروفیسروں کا کاروبار زوروں پر ہے' پروفیسر فلاں اور فلاں' جادو کا کمال دکھانے والے' جنات کو بوتل میں بند کرنے والے' جنات کو بوتل سے نکالنے والے اور نہ جانے کیا کچھ

کرنے والے' قسمت کا حال' دلوں کے بھید' شادی' محبت' کراماتی انگوٹھی اُلو درکار ہیں اور نہ جانے کیا کیا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ یہ کاروبار بڑے زبردست چل رہے ہیں' جغادری قسم کے لوگ لمبی لمبی داڑھیاں لگائے' کفنیا پہنے' دفتر بنا بنا کر بیٹھے ہیں' برابر میں چار چار ٹیلیفون رکھے ہیں اور ان ٹیلیفونوں پر وہ تعویز لکھوار ہے ہیں' لیکن انداز وہی پرانا اختیار کیا گیا ہے۔ ہم تعویز گنڈوں کا کاروبار نہیں کریں گے۔ البتہ اگر پروفیسر ڈی' ڈی' ٹی' ایم' او' ڈی' ایف' او' ڈی وغیرہ وغیرہ جو انتہائی سائنسی ذرائع سے انسانی مسائل حل کرنے کے ماہر ہوں' اپنا ایک اشتہار اخبارات میں چھپواتے ہیں اور لوگوں کی ہر طرح مدد کرتے رہیں تو کیسی رہے گی۔"

"کک' کیا مطلب؟" سعدی نے دل چسپی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں' یہ پروفیسر سائنٹیفک انداز میں روحانی اور جسمانی علاج کرتے ہیں' مثلاً روٹھی ہوئی محبوبہ ہو یا بگڑی ہوئی تقدیر' دانا دشمن ہو یا نادان دوست' بے وفا بیوی ہو یا آوارہ مزاج شوہر بھلا کوئی تنہا ان سارے مسائل کو کس طرح حل کر سکتا ہے۔ اگر پروفیسر ڈی ڈی ٹی اپنے موکلوں کی ٹیم کے ساتھ' ان تمام مسائل کو حل کرنے کی ٹھان لیں تو بھلا لوگ کیوں نہ رجوع ہوں گے۔"

"اوہ' ونڈرفل' گویا روحانیت بھی اور جسمانیت بھی' یعنی متوجہ کیا جائے گا۔ ایسے اشتہارات کے ذریعے اور پھر ان کے مسائل کا حل اپنی کاوشوں سے کیا جائے گا۔" ظفری نے کہا۔

سعدی دل چسپی سے شکیلہ کو دیکھ رہا تھا' پھر ان تینوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مارے۔"

"ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ بہترین ترکیب ہے۔"

"تو پھر طے؟"

"بالکل طے۔"

"ٹھیک ہے' اس طرح یہ جاسوسی کا ادارہ بھی ہو گیا اور ایک روحانی جگہ بھی' جہاں لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر آ سکتے ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"بھئی ویسے تو روحانیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے' بڑے بڑے معاملات بزرگوں اور تارک الدنیا لوگوں چٹکی بجاتے حل کر دیتے ہیں لیکن درحقیقت اس حقیقت کی زندگی میں انسان کا مسئلہ حقیقت سے بہت قریب ہوتا ہے' لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے روحانیت کے سلسلے میں متوجہ ہو جاتے ہیں اور اپنی ان الجھنوں کا حل ان ذرائع سے چاہتے ہیں' اگر ہم یہ دونوں ذرائع یکجا کر دیں تو میرا خیال ہے ہمارا کاروبار چلنا چاہیے۔ تم سمجھ رہے ہو نا۔؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"بیشک بیشک۔" دونوں نے گردن ہلائی۔ "ہم تو آپ کو پیر و مرشد تسلیم کر ہی چکے ہیں سرکار عالی۔" ظفری اور سعدی نے شکیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بس بس یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے تمہاری شکلیں مصنوعی ہو جاتی ہیں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم دونوں کتنے پہنچے ہوئے ہو۔ کم از کم میرے لیے یہ جملے مت استعمال کیا کرو' مجھے احساس ہوتا ہے کہ تم لوگ مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔"

"ارے توبہ توبہ۔ پیر و مرشد توبہ توبہ۔" دونوں گال پیٹنے لگے اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"اچھا اب سنجیدگی سے۔ تو یہ مسئلہ طے؟"

"ہاں۔" دونوں نے جواب دیا۔

"تو پھر آؤ' اشتہار بنا لیا جائے۔ اور اشتہار بن گیا۔ سرخی تھی:

"مسئلہ"

روٹھی ہوئی محبوبہ کا ہو' یا بگڑی ہوئی تقدیر کا۔ دانا دشمن کا ہو یا نادان دوست کا' بے وفا بیوی کا ہو یا آوارہ مزاج شوہر کا' آپ تنہا اسے حل نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے کسی مددگار کی ضرورت ہو گی اور آپ کے مددگار ہیں پروفیسر ڈی ڈی ٹی' جو آپ کے مسائل کے حل کے لیے اپنے موکلوں کے ساتھ موجود ہیں' آپ کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو آپ پر پروفیسر ڈی ڈی ٹی سے اس پتے پر رابطہ قائم کیجئے۔ اس کے بعد دفتر کا پتا لکھا ہوا تھا۔

اشتہار پاس ہو گیا اور طے کر لیا گیا کہ دوسرے دن سے اسے ایک ماہ کے لیے بک کرا دیا جائے۔ چند ساعت مزید اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر دوسرے مسائل زیر بحث آ گئے۔

"دفتری معاملات کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنا ہوگا؟"

"بھئی اس طویل و عریض دفتر کے لیے کئی پورشن بنائے جا سکتے ہیں اور یہاں اپنی سیٹنگ کی جا سکتی ہے۔ مثلاً میں اس کیبن میں رہوں گی۔ ظفری وہیں سامنے والے کیبن میں رہے گا اور سعدی آپ کونے والے کیبن میں۔ مختلف مسائل والے مریض ہمارے پاس آئیں گے۔ اب ہم یوں کرتے ہیں کہ اپنے اپنے سیکشن بانٹ لیتے ہیں۔" شکیلہ نے تجویز پیش کی۔

"بالکل ٹھیک ہے' لیکن یہ بتائیے کہ اگر ہم تینوں ہی افسر ہو گئے تو پھر موکلوں کو میرا قصد ہے کلائنٹ کو اٹینڈ کرنے والا کون ہوگا؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں یہ تو ہے' اس کے لیے ہمیں سوچنا پڑے گا۔" شکیلہ نے پرخیال انداز میں کہا۔

"کیوں نہ ایک چپڑاسی رکھ لیا جائے" ظفری نے پیشکش کی۔

"چپڑاسی۔" سعدی اور شکیلہ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ابھی ہم کسی چپڑاسی کی تنخواہ کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے پاس کچھ سرمایا موجود ہے لیکن کسی چپڑاسی کی باقاعدہ تنخواہ اور دفتر کے دیگر اخراجات اس وقت تک برداشت نہیں کیے جا سکتے جب تک کہ کاروبار کی ابتداء نہ ہو جائے۔" سعدی نے کہا۔

"میرے پاس اس سلسلے میں ایک تجویز موجود ہے۔" شکیلہ بولی۔

"وہ کیا؟"

"دراصل اس وقت یہ دفتر تین افراد پر مشتمل ہے یعنی اس کا اسٹاف تین آدمی ہیں۔ میں' ظفری اور سعدی' ہم میں سے ایک پروفیسر ڈی ڈی ٹی ہوگا۔ دوسرا اٹینڈنٹ اور تیسرا چپڑاسی۔ ایک ایک دن کی سروس ہوگی۔ یعنی آج ظفری چپڑاسی ہے۔ سعدی پروفیسر ڈی ڈی ٹی اور میں اٹینڈنٹ۔ تو کل چپڑاسی کا عہدہ سعدی کے پاس ہوگا۔ ظفری پروفیسر ڈی ڈی ٹی ہوں گے اور میں

اٹینڈنٹ۔ ہاں اگر کوئی زنانہ مسئلہ ہو تو پھر پروفیسر ڈی ڈی ٹی کوئی خاتون بھی ہو سکتی ہیں۔ گویا ون ڈے سروس ہو گئی چپڑاسی کی۔ اس طرح چپڑاسی کا کام بھی چل جائے گا۔" شکیلہ نے کہا۔ اور ظفری اور سعدی ہنس پڑے۔

"بات تو قاعدے کی ہے شکیلہ صاحب۔ لیکن چپڑاسی کے فرائض ذرا مشکل ہی ہو جائیں گے اور خاص طور سے اس لیے کہ آپ کا کیریکٹر اس میں نہیں نکلتا۔ ہاں اگر کسی چپڑاسن کو دروازے سے باہر کرسی دے کر بٹھا دیا جائے تو پھر اس کاروبار کے مختلف مراحل ہمارے سامنے آئیں گے' یعنی وہ کاروباری بھی یہاں اندر آ سکتے ہیں جن کا ہمارے کاروبار سے کوئی تعلق نہ ہو۔"

"اگر ایسا ہے تو میں تیار ہوں' بلکہ آپ ایسا کریں یہ پوسٹ مستقل مجھے دے دیں۔" شکیلہ نے فراخدلی سے کہا۔ اور ظفری' سعدی پھر ہنس پڑے۔

"ٹھیک ہے شکیلہ صاحبہ' لیکن پوری بلڈنگ میں ہنگامہ ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے پہلے تو بلڈنگ کے افراد ہی اپنے اپنے مسائل لے کر آ جائیں گے۔"

"تو یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ہمیں اس کے علاوہ اور کیا چاہیے؟"

"نہیں نہیں بھئی' اس طرح دفتر کی ریپوٹیشن خراب ہو جائے گی۔ لوگ ہمیں شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے اور ہم ایسا نہیں چاہتے۔"

"پھر پھر یوں کریں کسی چپڑاسی کا بندوبست ہی کر لیں لیکن صورتحال ایسی ہونی چاہیے کہ وہ بھی ہماری ہی طرح افلاک زدہ ہو' مسائل کا مارا ہوا۔ ہم اس سے بات کر لیں گے پہلے' کہ دیکھو بھائی یہاں سب کچھ مل سکتا ہے سوائے تنخواہ کے' چنانچہ اگر تنخواہ کی ضرورت ہے تو کوئی اور دروازہ دیکھو' ورنہ اگر صرف ملازمت چاہیے تو ہم سب حاضر ہیں۔ اسی وقت دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ اور یہ پھر تینوں چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔

"اب کون آ گیا؟" سعدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

"دیکھو دیکھو جو کوئی بھی ہو اسے بلاؤ" ظفری نے کہا۔ اور سعدی ایک بار پھر

دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور ٹھنڈی سانس لے کر سامنے کھڑے ہوئے اضطراب احمد مضطرب کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔

"بندہ اس خدمت کے لیے حاضر ہے۔"

"کیا مطلب؟" سعدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"فرمائیے تنخواہ مانگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں کون سے بیوی بچے بیٹھے ہیں جو تنخواہ کی ضرورت ہو۔ دو وقت کی روٹی درکار ہوتی ہے۔ جو کہیں نہ کہیں سے فراہم ہو ہی جاتی ہے۔ بس شعر و ادب کی خدمت ہمارا شعار اولین ہے اور اگر اس کے لیے کوئی پرسکون ماحول مہیا ہو جائے تو سبحان اللہ۔"

"اندر تشریف لائیے۔" سعدی نے گردن سے اشارہ کر کے کہا اور اضطراب احمد مضطرب گردن جھکائے اندر تشریف لے آئے۔ ان کی باچھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ پہلے نکال دیے جانے پر انھیں ذرا بھی ناگواری نہیں ہوئی تھی شاید۔ یہ دونوں بھی متعجبانہ انداز میں انھیں دیکھنے لگے۔

"ہوں تو آپ دروازے کے باہر کھڑے ہوئے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں؟"

"بس لگن کہیے' شوق کہیے۔ خیال تھا اندر مشاعرہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ یہ دروازے کی چابی کا سوراخ ہے نا' اس سے کان لگائے اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ حضرات کی تمام گفتگو سن چکا ہوں اور اپنی درخواست اس ملازمت کے لیے پیش کرتا ہوں۔"

"مضطرب صاحب آپ کو علم ہے اس طرح کسی کی گفتگو سننا جرم ہے؟"

"جی ہاں جی ہاں' اخلاقیات کا سارا سبق پڑھا ہے میں نے۔ پر کیا کروں۔ شوق انسان کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ میں اپنے اس شوق کی تسکین کے لیے یہاں بیٹھ گیا تھا کہ ممکن ہے

کوئی اچھا شعر سننے کو مل جائے' یقین فرمائیے اگر کوئی مصرع طرح ہوتا تو اس چابی ہی کے سوراخ سے آپ کو اپنا شعر بھی سنا دیتا' مگر یہاں میں نے کچھ اور ہی گفتگو سنی چنانچہ بہتر تو اب یہ ہوگا کہ آپ لوگ سنجیدگی سے میرے بارے میں غور کریں۔ مجھ جیسا کارکن آپ کو دوسرا نہیں مل سکتا۔" اضطراب احمد مضطرب نے کہا۔

"تشریف رکھیے' تشریف رکھیے۔" شکیلہ نے ایک کرسی کی جانب اشارہ کر کے کہا اور مضطرب صاحب بیٹھ گئے۔

"اگر آپ واقعی سنجیدگی سے یہ ملازمت کرنے کے خواہاں ہیں تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔" شکیلہ بولی۔

"ہاں ہاں' میں نے عرض کیا نا' کہ میں بھی ایک بے مقصد سا آدمی ہوں' شعر و سخن سے رابطہ قائم کر لیا اور زندگی سے بے نیاز ہو گیا۔ کھانے پینے کی کوئی فکر نہیں ہے' اسی طرح لباس اور چھت کا بھی مجھ جیسے آدمی کو بھلا اور کسی چیز کی کیا طمع ہو سکتی ہے؟ آپ لوگ ذرا دلچسپ محسوس ہوئے اس لیے سوچا کہ کیوں نہ آپ کے ساتھ ہی شریک ہو جاؤں۔"

"تو آپ نے ہماری ساری باتیں سن لیں؟"

"جی ہاں یقیناً' اور اس بات سے بڑی دل چسپی لے رہا ہوں کہ آپ انسانی مسائل کا علاج اپنے مخصوص طریقہ کار سے کریں گے۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ کے چہرے پر چند لمحات کے لیے الجھن پھیل گئی تھی۔ ویسے یہ دروازہ تو بڑا مخدوش تھا' اس کا کوئی نہ کوئی بندوبست تو کرنا پڑے گا' اتنے عمدہ آفس میں اس قسم کی غلط بات کہ یہاں کی باتیں باہر سن لی جائیں' گو اس سلسلے میں مضطرب صاحب کی اپنی کوششیں شامل تھیں لیکن یہ کوششیں کسی کی بھی ہو سکتی تھیں' اور بھلا آوازیں اس طرح باہر کیوں جائیں۔ کمرے کو ساؤنڈ پروف کرانا ضروری تھا۔ بلکہ ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مضطرب صاحب نے ایک طرح سے ان لوگوں کے لیے اس بات کی نشان دہی کی تھی کہ یہ ساری باتیں باہر کے لوگ بھی سن سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی اصلاح کرنے کا فیصلہ

کرلیا۔ لیکن فی الوقت مسئلہ مضطرب صاحب کا تھا۔

''تو جناب آپ کا انٹرویو ہوجائے۔'' شکیلہ نے کہا۔

''بسر وچشم' بسر وچشم۔''

''تعلق کہاں سے ہے؟''

''کرہ ارض سے۔'' مضطرب صاحب نے جواب دیا۔

''ماشاءاللہ ماشاءاللہ۔ بڑی خوشی ہوئی' تعلیمی حیثیت کیا ہے؟''

''بے حیثیت ہوں' ورنہ کسی دفتر میں چپڑاسی کی جگہ کیوں تلاش کرتا؟''

''مزید خوشی ہوئی' مزید خوشی ہوئی۔ دونوں صفتیں ماشاء اللہ نہایت موزوں ہیں۔ گھر کے افراد خانہ' میرا مطلب ہے گھر والی اور بچے وغیرہ؟''

''صرف تصور میں ہیں' عملی طور پر ان میں سے کسی کی بھی صورت نہیں دیکھ سکا۔''

''اوہو' گویا غیر شادی شدہ۔''

''شاد تو کبھی نہ ہوسکا صرف شدہ ہوں' کیوں کیا خیال ہے؟''

''سبحان اللہ' سبحان اللہ' شعر کہہ دیا آپ نے مضطرب صاحب۔''

''اماں ابھی کہا کیا ہے۔ آپ نے اس کا موقع ہی کہاں دیا' بقول شاعر' ہم تو۔۔۔۔''

''ہاں آں آں آں۔۔۔ ابھی نہیں' ابھی آپ کی ملازمت پکی نہیں ہوئی' اس لیے شعر شاعری سے پرہیز فرمایئے۔ جی تو آپ کی طرف سے مزید شرائط کیا ہوں گی؟''

''کچھ نہیں' بس خادم کو صاحب ذوق حضرات کی تلاش ہے' حاضر خدمت رہوں گا۔ کبھی کبھی ایک آدھ غزل پیش کردیا کروں گا یا کوئی ایسا شعر جو ناقابل ہضم ہو اور ذہن و دل میں کھول رہا ہو' آپ کی خدمت میں ارسال کردیا کروں گا۔ تنخواہ کا مسئلہ جیسا کہ آپ نے طے کیا ہے نہ ہونے کے برابر ہوگا' یعنی اگر مل گئی تو مل گئی' نہ ملی تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ خون دل خون جگر پی کر گزارہ کرلیا کروں گا اور اس کا حصول کم از کم آپ سے نہ ہوگا۔ چنانچہ ذرا غور فرمایئے کہ مجھ سے

بہتر آدمی آپ کو کون مل سکے گا؟''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے' بلاشبہ آپ تمام صفات پر پورے اترتے ہیں مضطرب صاحب' باقی رہا غزلوں کا مسئلہ تو ہم اس کا معقول بندوبست کردیں گے۔''

''بخدا اس کے علاوہ اور کچھ درکار نہ ہوگا۔'' مضطرب صاحب نے فرمایا۔

''تو ٹھیک ہے' رہائش کا کیا مسئلہ ہے؟''

''غرض کیا نا شہر کے فٹ پاتھ' گھنے درخت اور ایسی تمام جگہیں رہائش کے طور پر نہایت موزوں ہوتی ہیں رہا کھٹکا نہ چوری کا۔ دعا دیتا رہوں رہزن کو' والا مسئلہ ہے' نہ کوئی سامان ہے نہ اور کوئی الجھن۔ کپڑے میلے ہوجاتے ہیں تو ارجنٹ دھلوالیتا ہوں ایک گھنٹے کے لیے تہمد ادھار مل جاتا ہے' باقی سارے مسائل اس روئے زمین پر حل ہو ہی جاتے ہیں۔''

''قیام کے لیے یہ دفتر کیسا رہے گا؟''

''ہا۔ یہ جنت ارضی۔ یہ بے نظیر جگہ' مگر یہ میرے وجود کی سانسوں سے آلودہ ہوجائے گی' میں اس کے قابل تو نہیں ہوں۔'' مضطرب صاحب نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے ہم آپ کو اس قابل بنا دیں گے۔ مضطرب صاحب' یہ سمجھ لیجیے آپ کی نوکری پکی۔ اب آپ ہم سے سوالات کرسکتے ہیں۔''

''سوال۔ سوال کیا کروں' ساری زندگی ہی ایک سوال ہے جس کا جواب تلاش کرتے کرتے انسان کی عمر گزر جاتی ہے اور جب اسے جواب ملتا ہے تو وہ کسی کو بتانے کے قابل نہیں رہتا۔'' مضطرب صاحب نے بتایا' اور یہ تینوں پھر سر دھننے لگے۔

''آپ کی ڈیوٹی یہ ہوگی مضطرب صاحب' جیسا کہ آپ ہماری گفتگو سننے کا جرم کرچکے ہیں' لیکن جسے اب جرم کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ تو میں عرض کررہا تھا کہ آپ کی ڈیوٹی یہ ہوگی کہ ہمارے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کریں' دفتر کی صفائی کا خیال رکھیں' اور جب ہمارے کلائنٹ آئیں تو آپ ان پر ہماری حیثیت کا رعب ڈالیں انھیں یہ باور کرائیں کہ ہم بڑے ہی صاحب فن

ہیں اور اپنے فن کا ثانی نہیں رکھتے۔"

"بخدا یہ سارے کام میں بہ آسانی کر لوں گا۔ آپ قطعی فکر نہ کریں' آپ یقیناً میری اس حیثیت سے مطمئن ہوں گے۔"

"بس تو پھر آج سے آپ ہمارے چوتھے رکن بن گئے۔"

"سبحان اللہ' سبحان' زہے نصیب آیا یہاں کسی اور مقصد سے تھا' لیکن وہی جو کہتے ہیں آگ لینے جائیں اور پیغمبری مل جائے۔"

"خدانخواستہ ایسی کوئی بات نہیں ہے مضطرب صاحب تو آپ اپنے اسٹول صدارت سنبھال لیں' وہ رکھا ہوا ہے کونے میں۔ آپ اسے لے کر پہنچ جائیں باہر دروازے پر۔"

"بسر و چشم' بسر و چشم۔" مضطرب صاحب کونے کی طرف بڑھ گئے اور اپنا سٹول لے کر باہر نکل گئے ان کے باہر جاتے ہی وہ تینوں پھر ہنس پڑے تھے۔

"لو بھئی کام بن گیا' تقدیر کس طرح ساتھ دے رہی ہے' ایسی نایاب چیز ہاتھ لگی ہے کہ مسئلہ ہی حل ہو گیا۔"

"ہاں مگر عجیب و غریب' ہم نے اس کے بارے میں چھان بین کے بغیر ہی اسے رکھ لیا۔"

"ارے چھوڑو چھان بین دان بین کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے تو کام کا آدمی لگتا ہے اور پھر سوچو تو سہی کتنا نفیس انسان ہے۔ ہمارے سارے مسائل حل کر دیئے اس نے' ابھی سے کاروبار شروع ہو گیا' حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھر یہاں کون سی دولت رکھی ہے جو کوئی لوٹ کر لے جائے گا جیسا ہے سب چل رہا ہے' یوں سمجھ لو کہ ہمیں اپنے ہی جیسا ایک اور مل گیا۔"

"لیکن ایک اور مسئلہ بھی تو ہے۔" شکیلہ بولی۔

"وہ کیا؟"

"معاوضے کے طور پر ہمیں اس کی بھی غزلیں سننی پڑیں گی۔"

"ہرگز نہیں' اس کا بندوبست میں نے سوچ لیا ہے۔" ظفری کہنے لگا۔

"کیا؟"

"ارے اپنے مطلق صاحب کس کام آئیں گے۔ وہ بھی بے چین یہ بھی بے چین۔ وہ مطلق یہ مضطرب۔ دونوں کی جوڑی ملا کر ہم لوگ رفو چکر ہو جایا کریں گے اور پھر دیکھیں گے کہ دونوں میں سے کون جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے۔" ظفری نے کہا اور دفتر میں قہقہے مچل اٹھے۔

جمعرات آ گئی' مطلق صاحب چلتے ہوئے الٹی میٹم دے گئے تھے کہ میاں رات کی تیاری کر رکھنا اور سارے انتظامات مکمل ہونے چاہئیں۔ ابھی تک بیچارے مضطرب صاحب دفتر میں ہی قیام پذیر رہے تھے اور گھر کا رخ نہیں کیا تھا لیکن دوسرے دن چونکہ دفتر کی چھٹی تھی اس لیے یہ لوگ مضطرب صاحب کو اپنے ساتھ ہی لے آئے' ویسے مضطرب صاحب کی توقع سے کہیں زیادہ اچھی نوکری مل گئی تھی۔ کیونکہ حالات ان لوگوں کے بھی اچھے تھے' چنانچہ مضطرب صاحب کو نیا لباس سلوا دیا گیا جو ان کی توقع سے کہیں بہتر تھا۔ اس کے علاوہ انھیں جیب خرچ کے پیسے بھی دے دیے گئے۔ کھانے کا سلسلہ بھی کر دیا گیا۔ بلڈنگ کے آخری کونے میں ایک چھوٹا سا ریستوران تھا جس میں مضطرب صاحب کے لیے بندوبست کر دیا گیا۔

مضطرب صاحب ان تینوں کے ساتھ ہی گھر واپس آئے تھے۔ مطلق صاحب شاید شام کی تیاریوں کے سلسلے میں کہیں گئے ہوئے تھے۔ بیگم صاحبہ نے حسب معمول محبت سے ان کا استقبال کیا۔ باورچی خانے سے نفیس نفیس خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔

اپنے مضطرب صاحب نے یہ جگہ اچھی خاصی پسند کی' بالآخر سعدی اور ظفری انھیں لے کر ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ مضطرب صاحب نے کمرے کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور بولے۔ "یہ محترمہ آپ کی والدہ ہیں؟"

"ہاں' ابھی والد صاحب قبلہ سے بھی آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔"

"آپ کے ہم ذوق ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"شاعر ہیں۔ مطلق تخلص کرتے ہیں۔"

"سبحان اللہ واللہ آپ نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی۔"

"بس محفوظ رکھی تھی۔" ظفری سادگی سے بولا۔

"بھلا کیوں؟"

"بس ایسے ہی' اب وہ آپ کو اپنی غزلیں سنائیں گے اور آپ انھیں۔"

"واہ واہ' بخدا اگر ایسا ماحول مل جائے تو سارے دلدر دور ہو جائیں گئے کہاں ہیں وہ حضرت؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"بس آتے ہی ہوں گے۔" ظفری نے جواب دیا اور اسی وقت مطلق صاحب بیرونی دروازے سے اندر آتے دکھائی دیے۔ ان کے ہاتھوں میں پھلوں کی ٹوکری تھی۔ مضطرب صاحب کی نگاہ ان پر گئی۔ لپکے لپکے گئے اور پھلوں کی ٹوکری ان کے ہاتھ سے لے لی۔

"ارے ارے۔ کُک' کیا۔ کیا حرکت ہے؟ اچکے ہو میاں؟" مطلق صاحب اچھل پڑے۔

"حضرت غلام ہوں' مرید ہوں آپ کا' جو کچھ سنا ہے اگر وہ درست ہو تو آپ تو' آپ تو آنکھوں میں بٹھائے جانے کے قابل ہیں۔"

"ٹوکری تو دے دو بھائی' ستر روپے کے پھل لایا ہوں۔" مطلق صاحب نے ٹوکری ان کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے کہا۔

"فدوی آپ پر یہ بار برداشت نہیں کر سکتا' جہاں کہیں پہنچا دوں۔"

"شکریہ شکریہ۔ یہ بار تو میں بار بار اٹھاتا ہوں۔ آپ ایک بار میری مدد کر کے کیا کریں گے۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ' پتا چل گیا' پتا چل گیا حضرت کہ آپ کیا ہیں؟" مضطرب صاحب سینہ کوبی کرتے ہوئے بولے۔

"مگر بھائی میرے بارے میں تو آپ کو پتا چل گیا کہ میں کیا ہوں' خود آپ کیا ہیں؟"

"عرض کیا نا خادم ہوں۔"

"بیگم صاحبہ نے رکھا ہے؟"

"جج جی نہیں۔ میں سعدی اور ظفری میاں کے ساتھ آیا ہوں' ان کا خادم ہوں' بس یوں سمجھ لیں۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

سعدی اور ظفری نے انھیں سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ گھر پر اس کاروبار کا قطعی کوئی تذکرہ نہیں کیا جائے گا۔ مضطرب صاحب کو تھوڑے بہت حالات بتاتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ وہ ابھی تک طالب علموں کی حیثیت سے اپنے بزرگوں سے روشناس ہیں۔ کیوں کہ بزرگ چاہتے ہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں' لیکن وہ حالات کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زندگی بغیر کسی کاروبار کے نامکمل رہتی ہے۔ اس عمر میں ہی اگر کچھ اپنے آپ کو بنا لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ورنہ پھر مشکلات ہی مشکلات پیش آتی رہتی ہیں' اس لیے ہم یہ کاروبار کر رہے ہیں۔ البتہ آپ گھر والوں کو یہ بالکل نہ بتائیں کہ ہمارا کاروبار کیا ہے۔ اور مضطرب صاحب اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

ظفری اور سعدی بھی پہنچ گئے۔ مطلق صاحب بڑے پیار سے انھیں ملے اور پھر یاد دہانی کراتے ہوئے بولے۔ "میاں یاد ہے نا؟"

"کیا؟" شکیلہ نے بیچ میں لقمہ دیا۔

"آج کی رات ساز دل پر درد چھیڑا جائے گا اور نہ جانے کیا کیا ہوگا؟"

"اے سبحان اللہ سبحان اللہ۔" ان تینوں کے بجائے مضطرب صاحب لچکتے مٹکتے ہوئے بولے۔

"بھئی یہ کیا چیز اٹھا لائے ہو تم لوگ۔"

"آپ کے لیے ہے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"اچھا اچھا ذرا اندر ہو آؤں، پھر آن کے بیٹھوں گا تم لوگوں کے پاس۔ جب تک آرام کرو اور حضرت آپ بھی۔" مطلق صاحب نے مضطرب صاحب سے کہا اور مضطرب صاحب گردن ہلاتے ہوئے ان لوگوں کے پاس آ گئے۔

"بھئی سبحان اللہ، خوب ہیں یہ اپنے حضرت مطلق۔" انھوں نے کہا، اور ایک طرف جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد مطلق صاحب آ گئے، باقاعدہ تعارف ہوا۔ مضطرب صاحب کے بارے میں یہ جان کر کہ وہ بھی شاعر ہیں مطلق صاحب کو خوشی ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد یہ دونوں شعرائے کرام نجانے کہاں کہاں کے شعراء کی باتیں کرنے لگے۔

سعدی، ظفری اور شکیلہ کو سکون مل گیا تھا۔ ظفری اپنی اس کوشش سے بہت خوش تھا، وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

"کیسی رہی؟" ظفری نے پوچھا۔

"بھئی واقعی بہت عمدہ، یہ تو یوں کہنا چاہیے کہ کھیل ہی بدل گیا، اب تو ہماری جمعرات کی ڈیوٹی ختم ہوگئی، جس کے لیے ہم لوگ نت نئے طریقے سوچا کرتے تھے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"یقیناً۔" سعدی بھی خوش نظر آ رہا تھا۔

رات کے کھانے پر حضرت مضطرب بھی شامل تھے۔ مطلق صاحب تو بہت ہی متاثر تھے ان سے اور بار بار کہہ رہے تھے۔ "بھئی ظفری میاں تم تو ہو ہی ہیرے، لیکن ہیرے ہی تلاش کرتے ہو، یہ اضطراب احمد مضطرب بھی بہت خوب چیز ہیں اور بہت خوب کہتے ہیں۔ تو پھر جلدی سے تیار ہو جاؤ، کھانے کے بعد مشاعرہ جمے گا۔"

"ٹھیک ہے مطلق صاحب۔" میں نے جواب دیا اور کھانے کے بعد مطلق صاحب کی مخصوص نشست گاہ میں محفل مشاعرہ جمی۔ دل چسپ بات یہ تھی کہ بیگم صاحبہ بھی موجود تھیں۔ بس کبھی کبھی موڈ میں آ جاتی تھیں تو مطلق صاحب کو برداشت کر لیتی تھیں۔ مطلق صاحب نے فرمائش

کی کہ ابتداء مضطرب صاحب کریں۔

"یقیناً یقیناً، بسر و چشم، حاضر ہوں عرض کیا ہے:

میں نے چھوڑا شہر کیوں کر جس سے چاہو پوچھ لو

تذکرے ہیں اس کے گھر گھر جس سے چاہو پوچھ لو"

"اماں سبحان اللہ، ادھار بہت بڑھ گیا ہوگا، ہمیں معلوم ہے۔ ہمیں معلوم ہے۔" مطلق صاحب نے فقرہ چست کیا اور مضطرب صاحب آداب کرنے لگے۔

ع میرے زخم سر کی تفصیلات پوشیدہ نہیں

کس طرف سے آئے پتھر جس سے چاہو پوچھ لو

"میاں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے پبلک نے مارے ہوں گے۔ ہم بھی انھی مراحل سے گزر چکے ہیں، ہمیں سب معلوم ہے، کیوں بیگم؟"

"چپ نہیں رہو گے تم۔" بیگم صاحبہ غصیلے لہجے میں بولیں۔

"آں ہاں ہاں چپ ہو گئے چپ ہو گئے۔" مضطرب صاحب اشعار سناتے رہے اور مطلق صاحب ان پر تبصرہ کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد مطلق صاحب کی باری آئی، مطلق صاحب کے بعد مضطرب صاحب کی۔ اور یوں یہ دونوں آپس میں الجھ کر باقی سب کو فراموش کر بیٹھے۔ اور یوں ان تینوں کو باہر نکلنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

باہر نکل کر تینوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ یہ دلچسپ مشغلہ اگر ساری رات بھی جاری رہتا تو اب ان پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ظفری کی نشست گاہ میں آ گئے اور کاروباری امور پر گفتگو کرنے لگے۔

اشتہار مسلسل شائع ہو رہا تھا۔ اس دوران زاہد صاحب دو تین چکر لگا چکے تھے اور شکیلہ کی ڈیوٹی تھی کہ زاہد صاحب پر بدستور دست شفقت رکھتی رہے۔ چنانچہ زاہد صاحب جب بھی آتے، شکیلہ کے کیبن میں پہنچا دیے جاتے۔ اور شکیلہ ایک آدھ گھنٹہ انھیں بٹھا کر ان کے آنسو خشک

کرتی اور پھر وہ وہاں سے چلے جاتے۔ یہ دفتر کی اجرت قرار پائی تھی۔ ویسے بھی اتنا عمدہ دفتر کہاں ملتا ہے' جس میں ٹیلیفون بھی ہو' اعلیٰ درجے کا فرنیچر بھی اور جہاں بیٹھ کر انسان کم از کم خود کو کسی دفتر میں محسوس کرے۔

غالباً اشتہار شائع ہونے کا یہ پانچواں دن تھا۔ جب جناب مضطرب نے بڑے مضطربانہ انداز میں دروازہ کھولا اور اندر گھس آئے۔

"آ گئی۔" انھوں نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بتایا۔

"کون آ گئی؟"

"ایک خاتون ہیں' بھاری بھرکم' دراز قامت' آنکھیں سیپیوں کی مانند' جس میں سیاہ موتی جلوہ افروز ہیں' ہونٹ یاقوت کی طرح ترشے ہوئے' ننھی سی ٹھوڑی میں چاہ زنخداں۔ اور۔ اور۔"

"بس بس' مضطرب صاحب یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ مار کھا جائیں گے آپ۔" ظفری نے کہا۔

"کیوں کیوں؟" مضطرب صاحب حیرت سے بولے۔

"اگر آپ نے ان خاتون کو اتنا گھور کر دیکھا ہو گا تو یقیناً ان کے مزاج درست نہ ہوں گے۔ مگر وہ ہیں کون؟"

"وہ۔ وہ پروفیسر ڈی ڈی ٹی سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"ہوں' اجنبی شکل ہے؟"

"قطعی اجنبی۔ ہاتھ میں بڑا سا پرس لیے ہوئے ہیں۔ سفید رنگ کی ساڑھی باندھے ہوئے ہیں' جس کی کناری پر سنہرا کام ہو رہا ہے۔"

"لے آیئے لے آیئے' خدا کی پناہ آپ کی آنکھیں ہیں یا کیمرہ' آپ نے تو ذرا سی دیر میں ان کی مکمل تصویر اتار لی۔"

"میاں شاعر کی نگاہ چیل کی نگاہ سے کم نہیں ہوتی۔ مضطرب صاحب نے جواب دیا اور

آفس سے باہر نکل گئے۔ پھر وہ بڑے احترام سے ان خاتون کو اندر لائے۔ یہ احترام بھی بس کچھ احمقانہ انداز تھا۔ جھکے جھکے چل رہے تھے اور ایک ہاتھ ان خاتون کے سامنے پھیلا رکھا تھا۔ طے یہ ہوا کہ انھیں ظفری کے کمرے میں پہنچایا جائے۔

ظفری نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور بڑے احترام سے انھیں بیٹھنے کی پیشکش کی۔ خاتون اپنا پرس میز پر رکھ کر بیٹھ گئی تھیں۔

وہ تھکی تھکی سی اور اداس نظر آ رہی تھیں۔ گو اچھا خاصا میک اپ کیے ہوئے تھیں' عمر پینتالیس اور چالیس کے درمیان ہو گی' بدن بھاری بھرکم تھا لیکن دراز قامتی کی وجہ سے موٹاپا چھپا ہوا تھا۔

"فرمایئے خاتون کیا خدمت کی جا سکتی ہے آپ کی؟"

"پروفیسر ڈی ڈی ٹی۔" خاتون نے ظفری کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ان سے آپ کی ملاقات کرا دی جائے گی لیکن اس سے پہلے کچھ کوائف آپ کو بتانا ہوں گے۔"

"پہلے تو میں آپ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں اور یہ مسٹر ڈی ڈی ٹی کیا بلا ہیں؟"

"بلائے بے درماں ہیں معزز خاتون جس کے گلے پڑ جائیں چھڑانا مشکل ہو جائے۔ نوعمری کا عالم ہے' لیکن تجربہ سمندر کی طرح وسیع' دنیا کے ہر مسئلے کا حل ہمارے پاس موجود ہے۔ آپ یقین کریں خاتون ہماری خدمات حاصل کر کے آپ اتنا سکون محسوس کریں گی کہ تصور سے بھی باہر ہو گا آپ کے۔" ظفری نے کہا اور نو وارد خاتون دلچسپی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"نوعمر تو تم بھی ہو' مگر گفتگو خوب کر لیتے ہو۔"

"جی آپ کی دعا سے' گفتگو بھی ایک فن ہے لیکن ہم میں خوبی یہ ہے کہ ہم صرف ایک فن کے ماہر نہیں ہیں بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ہم ہر فن مولا ہیں۔ بہرصورت ابھی تو یہ

الفاظ ہماری زبان پر ہیں لیکن لطف تو تب ہوگا' جب یہ جملے آپ خود کہیں گی۔"

"اگر ایسا ہوا تو یقین کرو میری بڑی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ میں بڑی پریشانی کے عالم میں ہوں۔"

"کوئی فکر نہ کریں خاتون' آپ کی پریشانی اب ہماری پریشانی ہے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم آپ کی پریشانی کا حل دریافت کر لیں۔"

"میں اس سلسلے میں مزید کچھ تفصیلات جاننا چاہتی ہوں۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ حاضر ہوں' فرمایئے؟"

"یہ آپ کے پروفیسر صاحب جو ہیں' روحانی علاج کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے دعا تعویز اور گنڈوں کا سلسلہ ہے یا اس کے علاوہ بھی کچھ اور۔"

"سب کچھ' جس طرح کے حالات ہوں' پروفیسر صاحب انہی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔"

"آپ سمجھے نہیں۔ میرا مطلب ہے بعض معاملات تو ایسے ہوتے ہیں جنھیں دعاؤں اور تعویذوں کے ذریعے درست کیا جاتا ہے۔ بعض کے لیے عامل کی ضرورت ہوتی ہے تو کیا آپ لوگ عمل کرنے کے قائل بھی ہیں؟"

"سو فیصدی' بلکہ دو سو فیصدی۔" "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔" ظفری نے کہا۔

"بس بس کوئی شعر نہ سنائیں۔" خاتون نے کہا۔ لیکن کیبن کے دوسری طرف سے آواز آئی تھی۔ "یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری۔"

شعر بھلا نامکمل کیسے رہتا۔ دروازے کے باہر حضرت مضطرب موجود تھے۔

"یہ کون ہے؟" خاتون نے پوچھا۔

"اوہ کوئی نہیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا نا' پروفیسر صاحب عجیب و غریب صفات

کے مالک ہیں۔ موکلوں کی ایک پوری ٹیم ہے ان کے ساتھ جو ہر وقت یہاں موجود رہتے ہیں۔ اب دیکھنے میں یہاں آپ کو صرف دو تین افراد نظر آئیں گے' لیکن کیا آپ جانتی ہیں کہ اس وقت اس جگہ تقریباً ایک درجن افراد ہمارے اردگرد موجود ہیں۔"

"واقعی!" خاتون نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"تجربہ بھی ہو جائے گا آپ کو لیکن پہلے آپ ہمیں اپنا مسئلہ بتائیں۔"

"دیکھو میں اپنے کام کے سلسلے میں مکمل راز داری چاہتی ہوں' میں تقریباً سات سال یورپ رہی ہوں لیکن یہ پرانی بات ہے' اس وقت بھی یورپ میں جاسوسی کے پرائیویٹ ادارے موجود ہوا کرتے تھے اور لوگوں کی مشکلات ان کے ہاتھوں بآسانی حل ہو جایا کرتی تھیں۔ تمہارا اشتہار کچھ اس قسم کا تھا' میں نے یہی اندازہ لگایا۔ چنانچہ میں صرف یہ معلوم کرنے چلی آئی کہ تم بھی ہاتھ دیکھ کر قسمت کا حال بتاتے ہو یا تعویذ گنڈوں اور پانی کی بوتلوں سے علاج کرتے ہو۔ اگر یہ سارا سلسلہ ہے تو تب تو پھر مجھے یہاں میرے مسئلے کا حل نہیں مل سکے گا' لیکن اگر اس کے برعکس بھی کچھ ہے تو میرا خیال ہے میں مناسب جگہ آئی ہوں۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے خاتون' میں نے آپ سے ڈھکے چھپے الفاظ میں پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ ہم تو مددگار ہیں لوگوں کے' ضرورت مند کی کوئی بھی ضرورت ہو' ہم ہر طرح اسے پورا کر دیتے ہیں اور یہ ہماری ذمہ داری بن جاتی ہے۔"

"راز داری کے بارے میں کیا خیال ہے؟" خاتون نے پوچھا۔

"قطعی۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارے بدن سے کھال اتار لی جائے' لیکن ہم اپنے کلائنٹ کا راز کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کریں گے۔"

"اس کی ضمانت دی جائے گی۔" خاتون نے پوچھا۔

"سو فیصدی' جس طرح آپ پسند کریں۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔ مگر اب مجھے پروفیسر صاحب کے سامنے پیش کر دو' میں اپنا معاملہ

انھی کو بتاؤں گی۔"

"بہت بہتر۔ میں ذرا پروفیسر کو آپ کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتا آؤں، مسئلے کا حل وہی تلاش کریں گے۔" ظفری نے کہا اور خاتون نے گردن ہلا دی۔

وہ آرام سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ ظفری اٹھ کر سعدی کے کمرے میں پہنچ گیا اور اسے مختصر طور پر ان خاتون کے بارے میں تفصیل بتا دی۔ سعدی سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔ شکیلہ کو منع کر دیا گیا تھا کہ ابھی وہ اس طرف نہ آئے، جتنے افراد کم سے کم لوگوں کی نگاہوں میں آئیں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ چنانچہ خاتون سعدی کے پاس پہنچا دی گئی۔

سعدی کو دیکھ کر انھوں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں تھیں "کمال ہے، تم لوگ تو واقعی بالکل نوعمر ہو، بہرصورت چہروں سے ذہین نظر آتے ہو، خدا کرے میری مشکل کا حل بن جاؤ۔"

"آپ تشریف رکھیے، آپ کا تعارف؟" سعدی نے پوچھا۔

"بس تم مجھے مسز جمالی کہہ سکتے ہو۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ مسٹر جمالی اسی بلڈنگ کی تیسری منزل پر اپنے دفتر میں بیٹھتے ہیں۔"

"اوہو، جمالی سنز، اس کا بورڈ ہم نیچے دیکھ چکے ہیں؟"

"جی ہاں۔ وہ میرے شوہر ہیں مسز جمالی نے بتایا۔

"اوہو، تب تو آپ سے مل کر مزید خوشی ہوئی۔" سعدی نے کہا۔

"مگر مجھے اپنے مسئلے کا حل درکار ہے۔"

"جی فرمائیے۔"

"آپ کے اسسٹنٹ مجھے یہ یقین دلا چکے ہیں کہ میرے مسئلے کو یقینی طور پر رازداری سے رکھا جائے گا اور کسی بھی قیمت پر اس راز کو افشا نہیں کیا جائے گا۔"

"آپ یہ یقین اپنے دل میں رکھیں خاتون اور اب بالکل بے تکلفی سے فرمائیں کہ مشکل کیا ہے؟"

"جمالی صاحب۔" خاتون نے گہری سانس لے کر کہا۔ "جمالی ایک اوباش فطرت انسان ہیں، میں آپ کو اپنا سمجھ کر سب کچھ بتا رہی ہوں حالانکہ یہ باتیں عام لوگوں کو بتانے کی نہیں ہیں۔ شادی سے قبل وہ کچھ نہ تھے، ایک نکمے اور ناکارہ سے نوجوان جن سے میری شناسائی ہوگئی۔ اور اس شناسائی نے مجھے اس حد تک پاگل کر دیا کہ میں ان کے لیے سب کچھ ترک کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ میرے والدین نے اس شادی کی شدید مخالفت کی۔ لیکن میں نے غریب جمالی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ میں نے اسے اس دنیا میں تنہا نہیں چھوڑا۔ میرے پاس دولت تھی۔ دنیا کی ہر شے موجود تھی، مجھے صرف جمالی کی شخصیت سے پیار تھا لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ وہ روپ بدل کر میرے سامنے آیا ہے۔ شادی ہوگئی میں نے اپنوں کی مخالفت مول لی اور ایک طویل عرصے تک ان سے جدا رہی، لیکن گوشت سے ناخن بھلا کہاں جدا رہتے ہیں۔ بالآخر وہ مجھ سے دوبارہ آ ملے۔ میں جمالی کے ساتھ مطمئن اور مسرور تھی لیکن پھر کچھ ایسی باتیں ہوئیں جو مشکوک تھیں، مجھے احساس ہوا کہ جمالی وہ کچھ نہیں ہے جو نظر آتا ہے۔ وہ میرے علاوہ بھی دوسری عورتوں سے راہ و رسم رکھتا ہے۔ میں نے کئی مرتبہ اس کا تعاقب کیا، اسے پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وہ اتنا چالاک ہے کہ کبھی میرے شکنجے میں نہیں آیا۔ اس نے ہمیشہ مجھ پر نگاہ رکھی۔ بلکہ میرا تو یہ خیال تھا کہ اس نے ملازموں کو کچھ دے دلا کر مجھ پر نگرانی کے لیے مقرر کر دیا تھا اور ملازم میرے بارے میں اسے ساری رپورٹیں دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جمالی پہلے سے اپنی تیاریاں مکمل کر لیتا تھا اور جب میں اس کا تعاقب کرتی تھی تو وہ اس طرح انجان بن جاتا تھا جیسے کسی اہم کام سے نکلا ہو۔ میں تین دفعہ ملازم بدل چکی ہوں لیکن وہ ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی چکر چلا کر ملازموں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے۔"

"خدا کی پناہ اس قدر چالاک شخص۔" سعدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں، اس سے بھی زیادہ چالاک۔ آپ لوگ تصور نہیں کر سکتے۔"

"یقیناً مسز جمالی یہ مرد بس کیا کہوں میں اس کو۔" سعدی نے کہا اور مسز جمالی سعدی کو گھورنے لگیں۔

''مرد تو خیر آپ بھی ہیں۔ مگر میں ہر ایک مرد کے کردار پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گی۔ مردوں اور عورتوں میں سب یکساں نہیں ہوتے۔''

''بے شک بے شک ہم ان مردوں میں سے نہیں ہیں۔'' ظفری نے لقمہ دیا۔

''خیر یہ تو آپ کی بیگم ہی بتا سکتی ہوں گی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ جمالی نہایت کامیابی سے مجھے بے وقوف بناتے رہے ہیں لیکن میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں اس شخص پر اعتبار نہیں کر سکتی۔''

''بیشک آپ کو کرنا بھی نہیں چاہیے بیگم صاحبہ' دراصل یہ مردوں کی ذات بڑی عجیب ہوتی ہے۔'' ظفری بولا۔ پھر سعدی نے کہا۔

''لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ مسز جمالی کہ آپ کو یہ شبہ کس طرح ہوا؟''

''کس طرح؟ آپ کیا سمجھتے ہیں' عورت دنیا کی کسی بھی بات کو نہ سمجھے لیکن اپنے شوہر کے چال چلن سے خوب واقف رہتی ہے' طرح طرح کے سینٹ لگائے جاتے ہیں۔ نئے نئے لباس سلوائے جاتے ہیں' طرح طرح کے فیشن کیے جاتے ہیں۔ کھوپڑی پر چند بالوں کو اس خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے کہ دیکھنے والے ان سے متاثر ہوں۔ یہ ساری حرکتیں کس لیے؟ گھر میں آنے کے بعد وہی کرتے پاجامے میں ملبوس رہتے ہیں۔ شیو بڑھی ہو تو کوئی بات نہیں' گھر سے جاتے وقت یہ تمام انتظامات ہوتے ہیں' میں کہتی ہوں مرد اگر شادی شدہ ہو تو وہ اپنی بیوی کے علاوہ اور کس کے لیے اتنا بن سنور سکتا ہے۔''

''بالکل درست' پڑوسن کے لیے۔ سو فیصدی پڑوسن کے لیے یا پھر کوئی گرل فرینڈ۔ یقینی طور پر آپ کا شبہ درست ہے۔ کسی مفکر کا قول ہے کہ مرد اگر گھر سے جاتے وقت بالوں کے سنوارنے پر خاص توجہ دینے لگے تو سمجھ لو کہ اس کے حالات بہتر نہیں رہے۔''

''بالکل میں تم سے متفق ہوں۔ ارے کیا کیا بتاؤں' ایک بات ہو تو بتاؤں۔ اخراجات حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں' گھر میں تو اتنے اخراجات ہوتے نہیں' گھر سے باہر' خدا کی پناہ کوئی

حساب کتاب ہی نہیں اور پھر کتنی بار میں نے دفتر ٹیلی فون کیا' پتا چلا صاحب سو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ میں پہنچ گئی' ملازم نے مجھے یہی بتایا کہ صاحب سو رہے ہیں۔ جب میں وہاں پہنچی تو پتا چلا صاحب تشریف ہی نہیں رکھتے۔ میں نے بھی اس ملازم کو کھڑے کھڑے نکال دیا اور کہرام مچا دیا۔ مگر جمالی صاحب بس میں کیا کہوں کیسی ٹھس فطرت کا مالک ہے یہ شخص' توبہ میری' تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''بس اب آپ کچھ نہ کہیں بیگم صاحبہ' ہم ساری صورتحال سمجھ گئے ہیں۔ اب آپ یہ بتائیے کہ ہم سے کیا چاہتی ہیں؟''

''اس شخص کے چال چلن کی مکمل رپورٹ اور اگر یہ کسی جال میں پھنسا ہے تو اپنی مدد؟''

''بسرو چشم ہم حاضر ہیں۔''

''لیکن آپ کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟''

''سب سے پہلے تو ہم اپنے طور پر جمالی صاحب کے چال چلن کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے' ان کی نگرانی کریں گے۔ ہر وقت ان پر نگاہ رکھیں گے۔ آپ یہاں تشریف لائی ہیں' بڑا اچھا کیا آپ نے۔ لیکن آئندہ آپ یہاں نہ آئیں۔ ہمارا آپ کا رابطہ کسی اور ذریعے سے ہوگا اور ہم جمالی صاحب کا تمام کچا چٹھہ مع ثبوت کے آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اس کے بعد پھر دوسرا عمل شروع ہوتا ہے۔ یعنی اگر جمالی صاحب کسی جال میں پھنسے ہوئے ہیں تو انہیں اس جال سے نکالنا' یہ کام بھی ہم باحسن انجام دے لیں گے۔ اس سلسلے میں ہمارے دو طریقۂ کار ہیں۔ پہلے تو ہم اس شخص کو سمجھانے کی کوشش کریں گے جس نے آپ کے حقوق پر ڈاکا ڈالا ہے' اور اگر وہ اس طرح سے نہ مانا تو وہاں سے دعاؤں اور تعویزوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آپ یقین فرمایئے ہمارے دیے ہوئے تعویز ملکہ الزبتھ نے بھی خلوص دل سے قبول کیے تھے۔ آپ کو کیا پتا حالات کیا کیا رنگ دکھا چکے ہیں۔ اور یہ جو لیڈی ڈائنا کا مسئلہ ہے نا' بس یوں سمجھیں کہ راز داری کی وجہ سے ہم آپ کو نہیں بتا سکتے ورنہ بڑے بڑے کھیل کھیلے گئے ہیں اس

سلسلے میں بھی۔"

"اوہ تو گویا آپ یورپ بھی رہ چکے ہیں؟"

"رہ چکے ہیں، رہتے ہی وہیں تھے۔ یورپ، امریکہ، فرانس ہمارے پسندیدہ ممالک ہیں۔ آپ نہیں سمجھتیں یہ انگریز کتنے توہم پسند ہوا کرتے ہیں۔ اکثر ہم سے تعویز لے جایا کرتے تھے اور نہایت احترام سے انھیں استعمال کرتے تھے۔"

"اوہ تو کیا انھیں فائدہ بھی ہوا؟"

"فائدہ۔ ارے بیگم صاحبہ وہ تو ہمیں یہاں آنے نہیں دے رہے تھے۔ یہ تو بس ہمارا اپنا ہی دل چاہا کہ اپنے ملک میں جائیں، وہاں جا کر خدمت خلق کریں سو اس وجہ سے ہم یہاں آ گئے۔" مسز جمالی بہت زیادہ متاثر ہو گئی تھیں، پھر انھوں نے سب سے زیادہ کارآمد بات کی۔

"اس سلسلے میں مجھے آپ کو کیا معاوضہ دینا ہوگا؟"

"بس یہی مسئلہ ہے جس میں ہمارے ملک کے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ خاتون سوچا جائے تو زندگی کے اتنے اہم مسائل دولت کے ترازو میں نہیں تولے جا سکتے۔ دل کا سکون اور محبت حاصل کرنے کے لیے فرہاد جوئے شیر نکال لایا تھا۔ مجنوں نے صحرا گردی کرتے کرتے جان دے دی تھی نجانے کیا کچھ کیا تھا ان لوگوں نے۔ محبت کے رشتے بہت نازک ہوتے ہیں، ٹوٹ جائیں تو پھر کبھی نہیں جڑتے۔ اس سلسلے میں دولت کا خرچ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یوں بھی ہم نہایت سائنٹیفک انداز میں اپنے کام کا آغاز کریں گے اس سلسلے میں جو اخراجات ہوں گے وہ آپ کو پہلے ادا کرنا ہوں گے اور ہمارا معاوضہ کام ہونے کے بعد۔"

"میں بخوشی تیار ہوں، آپ یہ بتائیے فی الوقت میں آپ کو کیا پیش کر دوں؟"

"میرا خیال ہے پانچ ہزار روپے کا ایک چیک عنایت فرما دیں آپ، لیکن ابتدا ہوگی، اگر معاملات ایسے ہوئے کہ ہم انھیں بآسانی ڈیل کر سکے تو پھر آپ کو مزید تکلیف نہ دی جائے گی لیکن جوں جوں حالات آگے بڑھتے رہے آپ سے اس سلسلے میں اخراجات طلب کیے جاتے

رہیں گے۔"

"اخراجات کی آپ پرواہ نہ کریں۔ مجھے اپنے سہاگ کی ضرورت ہے۔ میں چاہتی ہوں جمالی ان تمام جھگڑوں سے نکل آئے اور صرف میرا ہو کر رہ جائے۔ اس کے لیے میں بہت کچھ خرچ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ایک بار پھر کہتی ہوں کہ آپ اخراجات کی پرواہ نہ کریں اور اس کیس پر پوری پوری توجہ دیں۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں، براہ کرم آپ یہ کیس رجسٹر کرا دیں، میں نے اسے پوری طرح سمجھ لیا ہے اور اب اس سلسلے میں میں آپ کو پوری رپورٹیں دیتا رہوں گا۔" سعدی نے کہا اور ظفری نے ان خاتون کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ ایک بار پھر وہ انھیں لے کر اپنے کیبن میں پہنچ گیا۔

اس نے مسز جمالی کا نام لکھا، ٹیلی فون نمبر لکھا اور پھر مسز جمالی نے اپنے ہینڈ بیگ سے چیک بک نکال کر پانچ ہزار روپے کا چیک کاٹ دیا۔

"یہ چیک کیش تو ہو جائے گا نا؟"

"دیکھیے ایسی باتیں کر کے مجھے ذہنی الجھنوں کا شکار نہ کریں، میں کوئی گری پڑی حیثیت کی مالک نہیں ہوں کروڑ پتی تھے میرے والد کروڑ پتی تھے۔" مسز جمالی نے کہا۔

"یقیناً یقیناً، آپ کا رکھ رکھاؤ آپ کا سلیقہ اس بات کا مظہر ہے کہ آپ بہت بڑے خاندان کی خاتون ہیں، بہرحال آپ مطمئن رہیں ہم بہت جلد آپ کو رپورٹ پیش کریں گے۔"

"کم از کم کب تک؟"

"ہمیں دو دن دیجیے۔ ان دو دنوں کے اندر ہم کچھ نہ کچھ معلومات یقیناً فراہم کر لیں گے۔" ظفری نے جواب دیا۔ اور مسز جمالی اٹھ گئیں۔ باہر نکلیں تو ظفری انھیں دروازے تک چھوڑنے آیا۔ مضطرب صاحب بڑے اضطراب سے ہاتھ مل رہے تھے۔ چلتے چلتے انھوں نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں ایک شعر دھکیل دیا جو مسز جمالی کی سمجھ میں تو نہیں آ سکا تھا لیکن ظفری نے سن

لیا تھا۔

مضطرب صاحب کو باہر لے جا کر اسٹول پر بٹھا دیا گیا اور اندر سے دروازہ بند کر لیا گیا تھا۔ یہ سخت خفیہ میٹنگ تھی اور اس کے لیے شکیلہ کے کیبن کا انتخاب کیا گیا تھا' کیونکہ وہ اس دفتر کے آخری کونے میں تھا اور یہاں سے ہونے والی گفتگو دروازے پر بیٹھے ہوئے مضطرب صاحب کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ویسے انھیں آج تک مضطرب صاحب کی اس صفت پر حیرت تھی کہ دروازے سے باہر ہونے کے باوجود انھوں نے ان کی باتیں کس طرح سن لی تھیں۔ اس سلسلے میں تجربات بھی کر کے دیکھے گئے اور مشترکہ طور پر یہ طے پایا کہ اتنے تیز کان صرف مضطرب صاحب کے ہو سکتے ہیں' اور کسی کے نہیں ہو سکتے' کیونکہ عام لوگ' یہ باتیں اتنی آسانی سے نہیں سن سکتے تھے۔ بہر صورت اس بات پر بھی متفقہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایسی باتیں جو چوتھے آدمی سے چھپائی جاتی ہوں' اتنی آہستہ آہستہ کی جائیں کہ وہ مضطرب صاحب کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔ بہت سے معاملات ہوتے تھے اور اس وقت بھی اہم مسئلہ ہی درپیش تھا' نئے کاروبار کی نئی کلائنٹ کے بارے میں غور و خوض ہو رہا تھا۔ درمیان میں پانچ ہزار روپے کا چیک رکھا ہوا تھا۔

"اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جمالی سنز کا دفتر اوپر ہی موجود ہے۔ پہلے تو یہ غور کرنے کی بات ہے کہ جمالی سنز' گویا جمالی صاحب' صاحب اولاد ہیں۔ اس کا مقصد ہے کہ ان کی عمر بھی اچھی خاصی ہوگی۔" سعدی نے کہا۔

"ہاں یقیناً' بہر صورت پہلے تو جمالی سنز کا ایک چکر لگایا جائے اور دیکھا جائے کہ دفتر کیسا ہے۔ اس کے بعد ان کی ظاہری حالت پر غور کیا جائے تاکہ ان کی حیثیت کے بارے میں پتا چل جائے۔"

"ٹھیک ہے وہ میں ابھی دیکھے لیتا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا۔ "مگر اب مسئلہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں کیا پروگرام ترتیب دیا جائے؟"

"بھئی سب سے پہلے تو اس چیک کے کیش ہونے کا مسئلہ ہے۔ اگر چیک کیش ہو جاتا

ہے تو پھر یقیناً بہتر مستقبل کی امید کی جا سکتی ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ مسز جمالی پیسوں کے معاملے میں ذرا لاپرواہ نظر آتی ہیں۔ بیس پچیس ہزار آسانی سے دے جائیں گی۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم پہلے ہی کیس میں اتنا کما لیتے ہیں تو پھر بآسانی اس دفتر پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔" سعدی نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن مسز جمالی کا کام بھی تو کرنا ہوگا۔"

"ارے کام تمام کر دیں گے تم پریشان کس لیے ہو؟" شکیلہ نے گردن ہلا کر کہا۔

"پروگرام؟"

"ابھی نہیں۔ پہلے ذرا جمالی صاحب کی شخصیت کا جائزہ لے لیا جائے' پھر ان کی قربت حاصل کر کے بیگم صاحبہ کے ان شبہات کو تقویت پہنچائی جائے۔ لیکن یہ کام ہمیں نہایت ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔" شکیلہ نے کہا۔ اور سعدی گردن ہلانے لگا۔

"مجھے یقین ہے آفت جہاں آراء آپ یہ کام بآسانی کر لیں گی۔"

"اچھا خیر تو یوں کرتے ہیں' کام کی ابتداء ابھی سے کیے لیتے ہیں۔"

"جی حکم!"

"میرا خیال ہے یہ کیس آپ میرے چارج میں دے دیں۔" شکیلہ نے پیش کش کی۔

"بہت مناسب۔ اس کیس میں آپ پروفیسر ڈی ڈی ٹی قرار پائی ہیں۔"

"ٹھیک ہے' اب آپ لوگوں کو میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔" ظفری براہ کرم اس کرسی سے ہٹ جاؤ' وہ کرسی باس کی کرسی ہے۔" شکیلہ نے کہا اور ظفری بڑے ادب سے کرسی سے ہٹ گیا اور کرسی شکیلہ کے لیے خالی کر دی۔ تب شکیلہ کرسی پر آ کر بیٹھ گئی پھر اس نے سعدی کو حکم دیا۔ "مسٹر سعدی ذرا جائیے اور جمالی سنز کا چکر لگا کر آئیے بلکہ بہتر تو ہوگا کہ آپ جمالی صاحب سے ملاقات بھی کر لیں۔ مسئلہ کچھ بھی ہو' ان سارے معاملات کو طے کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔"

"بہت بہتر' ابھی جاؤں چیف۔"

"ہاں ابھی جائیے۔" اور سعدی اس جگہ سے اٹھ گیا' پانچ ہزار کا چیک شکیلہ نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا کیونکہ وہ چیف تھی۔

توقع کے مطابق آفس نہایت شاندار تھا۔ سعدی نے دروازے پر کھڑے ہوئے چپڑاسی سے جمالی صاحب کے لیے پیغام بھجوایا' وہ ان سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن جمالی صاحب کے پاس کچھ افراد بیٹھے ہوئے تھے اس لیے چپڑاسی نے اس سے معذرت کر لی اور وہ انتظار کے لیے بیٹھ گیا۔ اس دوران وہ دفتر کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ سات افراد پر مشتمل دفتر تھا اور اس کمرے سے کافی بڑا جس میں یہ لوگ مقیم تھے' اچھے انداز میں ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ فرنیچر بھی بہت اعلیٰ قسم کا اور صاف ستھرا تھا' اور کارکن بھی نہایت سلیقہ مند' دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک ٹائپسٹ تھی اور دوسری شاید دفتری امور کی دیکھ بھال پر متعین تھی۔ دونوں سر جھکائے اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ جمالی صاحب کے آفس کا دروازہ بہت ہی خوبصورت شیشے کا بنا ہوا تھا اور ایک چپڑاسی وہاں بھی فروکش تھا۔ اس سے کم از کم اس دفتر کے بارے میں ایک اچھا تاثر قائم ہوتا تھا۔

سعدی دفتر کے کاروبار کے بارے میں معلومات کرتا رہا اور اسے علم ہو گیا کہ جمالی صاحب غیر ممالک سے ائیر کنڈیشنر اور فرج منگوا کر یہاں فروخت کرتے ہیں۔ اس کاروبار کی نوعیت بھی ایسی تھی جس سے ان لوگوں کی مالی حیثیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ بہرصورت اسے تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ دو تین افراد جمالی صاحب کے کمرے سے نکل آئے تھے' پھر چپڑاسی نے دوبارہ اس کی درخواست جمالی صاحب تک پہنچائی اور جمالی صاحب نے اسے طلب کر لیا۔

جیسا کہ مسز جمالی نے بتایا تھا جمالی صاحب نفاست پسند طبیعت کے مالک تھے۔ ان کا کمرہ شیشے کی طرح صاف شفاف تھا۔ فرش پر اعلیٰ درجے کا قالین لمبی چوڑی میز جس پر گرد کا کوئی ذرہ نہیں تھا۔ میز پر اعلیٰ درجے کے ڈیکوریشن پیس رکھے ہوئے تھے۔ دو ٹیلیفون موجود تھے۔ جمالی صاحب ایک نہایت نفیس سوٹ میں ملبوس اس طرح کرسی پر بیٹھے تھے جیسے کہیں مہمان آئے ہوں۔

انھوں نے گہری نگاہوں سے سعدی کو دیکھا اور پھر سر کے ہلکے سے اشارے سے اسے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ سنہری فریم کی عینک ان کی ناک پر جمی ہوئی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں اور وہ کسی قدر مضطرب محسوس ہوتے تھے۔

"جی فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں میں آپ کی؟"

"بس جناب یونہی ملاقات کے لیے آ گیا تھا' بڑی تعریف سن رکھی تھی آپ کی' دیکھنے آ گیا۔"

"کیا مطلب؟" جمالی صاحب ناک چڑھا کر بولے۔

"عرض کیا نا' میں نفاست پسند لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ چرچے ہیں آپ کے تو شہر میں۔ ویسے کاروبار کیسا چل رہا ہے۔" سعدی نے پوچھا اور جمالی صاحب عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"کاروبار جیسا چل رہا ہے اور جو کچھ چرچے ہیں میرے بارے میں ان سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ آپ اپنی آمد کا مقصد بتائیے؟"

"کمال ہے صاحب' ہر آدمی کسی مقصد ہی سے تو کسی کے پاس نہیں آتا۔ بعض اوقات انسان کا دل انسان سے ملنے کے لیے چاہتا ہے' کیا انسانیت کوئی حیثیت نہیں رکھتی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں' کچھ نہیں۔ بس آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا' لیکن آپ کی نفیس طبیعت میں ایک خامی ہے' ایک چھوٹی سی خامی۔"

"میں کہتا ہوں دفتری اوقات میں میرا وقت ضائع کرنے کا حق کس نے دیا ہے آپ کو؟ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں' جس کام سے آئے ہیں مجھے وہ بتائیے اور اگر کوئی کام نہیں ہے تو براہ کرم میرا وقت ضائع نہ کیجیے میں اتنا فالتو وقت نہیں رکھتا۔"

"کمال ہے صاحب' یعنی اب تو یہ کہنا پڑے گا' بقول اپنے حضرت مضطرب کے' مگر یہ

نہیں مضطرب صاحب نے اس موقع کے لیے کچھ کہا بھی ہے یا نہیں۔ خیر اشعار ادھار رہا' ہاں جمالی صاحب اور کیا کیا مشاغل ہیں آپ کے؟"

جمالی صاحب اب باقاعدہ ہیجان میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹک گئے اور سعدی کو گھورنے لگے۔ پھر وہ دوبارہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھاڑ کھانے والے انداز میں بولے۔ "میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر آپ مذاق فرمانے کے لیے تشریف لائے ہیں تو براہ کرم واپس چلے جایئے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے دفتر میں کوئی ہنگامہ آرائی ہو۔ میں آپ کے ساتھ سخت سلوک بھی کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے چرب زبانی سے مرعوب نہیں کر سکتے۔ میں دفتری اوقات میں عام لوگوں سے ملنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"اچھا اچھا' تو کیا گھر میں حاضر ہو سکتا ہوں۔" سعدی نے پوچھا۔

"مگر بھائی حاضری کا مقصد بھی تو کچھ ہو۔"

"میں نے کہا نا حضرت میں نہ تو مقصد پرست ہوں' نہ مطلب پرست' محبت سے آیا تھا' محبت سے بیٹھنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں چلا جاؤں گا۔ اتنی سی بات کو آپ نے افسانہ بنا دیا ہے۔" سعدی نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

جمالی صاحب نروس ہو کر کرسی سے ٹک گئے اور خاموشی سے سعدی کو گھورنے لگے۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا چاہتے ہو' تاہم جیسا کہ تم کہہ رہے ہو بیٹھے رہو' میرا کیا جاتا ہے؟"

"جی ہاں بیٹھا ہوا ہوں۔" سعدی نے کہا اور جمالی صاحب نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا۔ لیکن اسی وقت دوسرے ٹیلیفون پر کوئی کال آ گئی تھی۔ انھوں نے ریسیور اٹھا لیا اور کاروباری گفتگو کرتے رہے اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع کر کے ریسیور رکھ دیا اور سعدی کو گھورنے لگے۔

"آپ کا دل بھر گیا ابھی یا نہیں؟"

"جی ہاں' تھوڑا تھوڑا سا بھر گیا ہے لیکن ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی' اگر آپ پریشان

ہیں تو پھر مجھے اجازت دیجیے۔ میں نے عرض کیا تھا نا کہ بس ملنے آیا تھا اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔ براہ کرم آپ اس بارے میں کوئی اور بات نہیں سوچیں۔" سعدی نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل آیا۔ واپسی پر اس نے اردلی کے ہاتھ میں پانچ روپے کا نوٹ تھمایا تھا۔ اور اردلی نے دانت نکال دیے تھے۔

"ارے نہیں صاحب اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"رکھ لو بھئی رکھ لو۔ یہ خوشی سے دے رہا ہوں میں تمھیں' اب تو اکثر آنا جانا ہوتا رہے گا۔"

"ضرور صاحب ضرور۔" اردلی نے گردن جھکا کر سلام کیا اور سعدی وہاں سے نکل آیا۔ واپس آ کر اس نے شکیلہ کو مکمل رپورٹ دی تھی۔

"ہوں تو دو لڑکیاں بھی ہیں دفتر میں؟"

"ہاں مگر شکل و صورت کی بیکار' کوئی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے اس کا مقصد کہ مسز جمالی کو صرف شبہ ہے مگر ظفری صاحب اس شبہ کو یقین میں بدلے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ کیا کاروبار بتایا تھا تم نے جمالی سنز کا؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ریفریجریٹرز' ائیر کنڈیشنرز باہر کے ممالک سے منگواتے ہیں اور یہاں سپلائی کرتے ہیں۔"

"ہوں اچھی بات ہے۔ بہر صورت ہم اپنی پہلی کلائنٹ کو مایوس نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں آج رات کو گھر پر ایک میٹنگ رکھی جائے گی اور وہاں ہم عمل کا فیصلہ کریں گے۔"

"او کے باس۔" دونوں نے کہا اور نشست برخاست ہو گئی۔

مضطرب صاحب شاید کوئی شعر گنگنا رہے تھے۔ چند لمحات کے بعد وہ اندر آ گئے۔

"بھئی چائے وغیرہ کی ضرورت تو محسوس نہیں ہو رہی آپ حضرات کو؟"

"ہو رہی ہے مضطرب صاحب۔ بڑا اضطراب سا پھیل رہا ہے دل میں۔ چائے چائے منگوایئے۔" شکیلہ نے کہا اور مضطرب صاحب خوش خوش باہر دوڑے۔ چلے گئے۔

رات کی خفیہ میٹنگ میں تمام امور طے ہو گئے اور دوسرے دن اس سلسلے میں عمل شروع کر دیا گیا۔ ظفری نے شام کو جمالی صاحب کی مکمل مصروفیات کی رپورٹ پیش کر دی تھی اور اس رپورٹ کو پیش کرنے کے بعد دوسرے دن اس سلسلے میں ابتداء کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

اس دن شکیلہ علی الصبح گھر سے نکل گئی تھی۔ ظفری اس کے ساتھ تھا۔ سعدی براہ راست دفتر جانے کا پروگرام رکھتا تھا۔ ظفری نے شکیلہ کو اسی جگہ چھوڑ دیا جو جمالی صاحب کی گزرگاہ تھی۔ اس نے جمالی صاحب کی کار کا رنگ اور نمبر وغیرہ بتا دیا تھا۔ چنانچہ شکیلہ مستعد تھی۔ ظفری اس سے کچھ فاصلے پر اس کارروائی کی تکمیل دیکھنے کے لیے موجود تھا۔

وقت مقررہ پر ظفری نے سیٹی بجائی۔ سامنے ہی بیلو رنگ کی کار آ رہی تھی۔ شکیلہ نے پریشان انداز میں اپنا پرس ہلایا اور کار اس کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔

وہ جھجکتے ہوئے سے انداز میں آگے بڑھی۔ جمالی صاحب اسے دیکھ کر حیرت زدہ سے رہ گئے۔ اتنی خوبصورت اور نفاست پسند لڑکی شاید انھوں نے زندگی میں اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔

''جی معاف کیجیے گا' راہ میں چلنے والوں کو اس طرح پریشان کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ لیکن میری بدبختی ہے کہ مجھے جلدی پہنچنا ہے۔ اور یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ادھر سے کوئی سواری ملنے کا امکان ہی نہیں ہے۔''

''ہاں ہاں تشریف لائیے۔ تشریف لائیے' آپ جہاں کہیں میں وہاں آپ کو پہنچا دوں۔''
جمالی صاحب نے خوش اخلاقی سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''آپ کو یقیناً زحمت ہو گی لیکن مجھے کورٹ روڈ چھوڑ دیں۔ بڑی نوازش ہو گی آپ کی۔''

''کمال ہے' اس میں نوازش کی کیا بات ہے۔ میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔'' جمالی صاحب نے کہا اور شکیلہ شکریہ ادا کر کے ان کے برابر بیٹھ گئی۔

آج کے اس پروگرام کے لیے اس نے مکمل تیاریاں کی تھیں۔ اس کے بدن پر نفیس تراش کا سوٹ تھا اور کپڑوں پر نہایت مست کن خوشبو لگی ہوئی تھی۔ بال بہت نفیس انداز میں

سنوارے گئے تھے۔ گویا جمالی صاحب کی ہلاکت کے تمام سامان مکمل کر لیے گئے تھے۔

''خاتون' ایک مختصر سی ملاقات میں انسان کسی سے اتنا بے تکلف تو نہیں ہو سکتا' لیکن آپ کی نفیس شخصیت کو دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا ہوں' کیا تھوڑا سا تعارف ہو سکتا ہے آپ سے؟''
جمالی صاحب نے پوچھا۔

''کیوں نہیں' میرا نام شمسہ ہے۔ تعلیم ختم کر چکی ہوں اور اب کوئی مشغلہ نہیں ہے۔ بس ایک کام سے نکلی تھی لیکن کنوینس کا معاملہ کبھی درست نہیں ہو سکتا۔''

''یقیناً' یقیناً۔ ویسے آپ رہتی کہاں ہیں؟''

''بہرام اسکوائر کے پاس میرا ایک چھوٹا سا مکان ہے۔''

''والد حیات ہیں؟''

''نہیں' میں بہت چھوٹی تھی جب میرے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ حیات ہیں' ایک بھائی ہیں جو سعودیہ میں ہیں۔ یوں پرامن زندگی گزر رہی ہے۔ کورٹ روڈ پر میری ایک دوست ایک فرم میں کام کرتی ہے اس سے ملنے جا رہی تھی۔'' شکیلہ نے کہا۔

''آپ کی نفاست پسندی نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ خادم کو فراز جمالی کہتے ہیں۔''

''بے تکلفی کی معافی چاہتی ہوں جناب' لیکن آپ کا نام بے حد خوبصورت ہے۔''
شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شکریہ مس شمسہ۔''

''آپ کام کیا کرتے ہیں؟''

''میں ایک چھوٹی سی فرم کا مالک ہوں جو ریفریجریٹر اور ائیرکنڈیشنز وغیرہ امپورٹ کرتی ہے' اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو تشریف لائیے۔ یہ میرا کارڈ ہے۔'' جمالی صاحب نے طوفانی انداز میں پیشقدمی شروع کر دی اور اپنا خوبصورت کارڈ نکال کر شکیلہ کو دے دیا۔

شکیلہ ظاہر ہے اسی مقصد کے لیے نکلی تھی۔ اس نے بڑی چاہ سے یہ کارڈ وصول کیا اور

کہنے لگی۔

"میں بھی آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئی ہوں۔ اتفاق ہے کہ آپ ہی کی کار نظر آ گئی' حالانکہ میں لفٹ لے کر سفر کرنے کی قائل نہیں ہوں۔ لیکن اس وقت بس ایسی ہی ذہنی الجھن سی تھی لیکن کیا معلوم' بعض اوقات ایسی الجھنیں کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔" شکیلہ کے لہجے میں خوابناک سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

"طوفان۔" جمالی صاحب نے اسے غور سے دیکھا اور وہ چونک پڑی۔

"مم میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے۔" اس نے جھینپنے کی اداکاری کی اور جمالی صاحب کھو سے گئے۔

"تو پھر کب تشریف لا رہی ہیں آپ؟"

"جب آپ حکم دیں۔" شکیلہ نے محبوبانہ لہجے میں کہا۔

"میری خواہش تو یہ ہے کہ آپ آج لنچ میرے ہی ساتھ کریں۔" جمالی صاحب نے شکیلہ کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کے گھر؟"

"نہیں دفتر میں۔" جمالی صاحب بولے اور شکیلہ نے اقرار کر لیا۔ راستے میں چند اور رسمی سی باتیں ہوئیں اس کے بعد جمالی صاحب نے اسے کورٹ روڈ پر چھوڑ دیا۔ شکیلہ کی پہلی ہی کوشش بے حد کامیاب رہی تھی۔

دوپہر کو وہ جمالی صاحب کے خوبصورت دفتر میں پہنچ گئی۔ جمالی صاحب نے تقریباً تمام ہی چپراسیوں کو اس کے بارے میں ہدایت کر دی تھی۔ چنانچہ اسے جمالی صاحب تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ جمالی صاحب نے بہترین ہوٹل سے بہترین کھانے کا بندوبست کیا تھا۔ کھانے کے دوران وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ "کیا انوکھا اتفاق ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے آج۔ تقدیر نے مجھے آپ سے ملانے کے لیے ساری تیاریاں کر رکھی تھیں۔"

"جمالی صاحب' میں بھی محسوس کر رہی ہوں کہ اس چند لمحاتی ملاقات کا تاثر بڑا گہرا ہے۔"

"خدا کرے یہ اور بھی گہرا ہو جائے۔" جمالی صاحب آرزومندانہ انداز میں بولے۔

"میں نہیں سمجھی۔"

"میں اس سے زیادہ کچھ سمجھا بھی نہیں سکتا مس شمسہ' اگر ملاقاتیں ہوتی رہیں تو بھی تفصیل سے اپنے بارے میں عرض کروں گا۔" جمالی صاحب نے کہا۔

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں۔"

"بتائیے۔"

"میرا خیال ہے مس شمسہ ابھی زور نہ دیں۔ آپ بور ہوں گی۔ یوں بھی زندگی کا رونا ہے' ہر شخص اپنی حسین ترین زندگی میں کسی ایسے بدنما حادثے کا شکار ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر دیکھ کر' یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے لیکن میں اس پہلی ملاقات میں آپ کے ذہن کو کسی تکدر کا شکار نہ ہونے دوں گا۔ پھر کبھی۔" جمالی صاحب بولے اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

کافی دیر تک وہ جمالی صاحب کے ساتھ رہی' پھر شکیلہ نے اجازت مانگی۔

"اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو میرے ساتھ ہی چلیے گا۔ شام میں تین چار بجے تک نکلیں گے۔ میں آپ کو آپ کی رہائش گاہ پر چھوڑ دوں گا۔"

"نہیں جمالی صاحب ذرا سا دنیا کا بھی خیال کرنا ہے' اتنی جلد بازی نہ کریں۔" شکیلہ نے ادائے محبوبانہ اختیار کر رکھی تھیں اور جمالی صاحب شانے اچکانے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

"جیسا آپ کا حکم' میں تو تعمیل حکم کے لیے ہوں شمسہ۔" جمالی صاحب نے پرمحبت لہجے میں کہا۔ اور پھر وہ شکیلہ کو رخصت کرنے کے لیے باہر تک آئے۔ شکیلہ ان کے سامنے ہی بلڈنگ کی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی تھی اور جب اس نے محسوس کر لیا کہ جمالی صاحب کا کوئی آدمی اس کے

تعاقب میں نہیں ہے تو وہ واپس دفتر پہنچ گئی۔

سعدی اور ظفری دفتر میں موجود تھے۔ ظفری نے شکیلہ کا مکمل طور پر تعاقب کیا تھا۔ چنانچہ پیرومرشد کو زبردست مبارکباد دی گئی۔ شکیلہ نے مختصراً اپنی رپورٹ سنادی تھی۔

''گڈ۔ اس کا مقصد ہے کہ اس دل چسپ کیس پر انتہائی موثر انداز میں کام شروع ہو چکا ہے۔ تو چیف اب کیا حکم ہے؟'' سعدی نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے دو دن اور گزر جانے دو' اس دوران اگر مسز جمالی رابطہ قائم کریں تو ان سے کہا جائے کہ کام ہو رہا ہے۔ اور بہت جلد تفصیلات پیش کردی جائیں گی۔ تیسرے دن مسز جمالی کو میرے بارے میں مکمل رپورٹ پیش کردی جائے' میری ایک تصویر ان تک پہنچادی جائے اور ان سے کہا جائے کہ یہ خاتون ہیں جو مسٹر جمالی کو شیشے میں اتار رہی ہیں۔''

''ویری گڈ۔'' سعدی اور ظفری نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔

مسز جمالی نے واقعی دو دن تک رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ البتہ تیسرے دن جب یہ لوگ خود ہی ساری تیاریاں مکمل کر کے انھیں ٹیلی فون کرنے کا ارادہ کر رہے تھے' مسز جمالی خود ہی دفتر میں تشریف لے آئیں۔ شکیلہ حسب معمول جمالی صاحب کے دفتر میں موجود تھی لیکن ان لوگوں کو ابھی اس بات کی نشاندہی نہیں کرنی تھی۔

مسز جمالی کا استقبال بڑے احترام سے کیا گیا اور وہ سعدی کے پاس آ بیٹھیں۔

''میں آپ لوگوں کے فون کا انتظار کرتی رہی' اور جب میں نے آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ پائی تو مجبور ہو کر یہاں آ گئی۔''

''آپ ہمیں ٹیلی فون کر لیتیں۔ ہم تو خود آج آپ سے رابطہ قائم کرنے والے تھے۔ دراصل جیسا کہ آپ سے عرض کیا گیا تھا کہ یہاں نہایت سائنٹیفک بنیادوں پر کام شروع کیا جاتا ہے' چنانچہ ہم پہلے اس کالی بھیڑ کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے جو آپ کی خوشیوں پر ڈاکا ڈالنے میں مصروف ہے۔''

''اوہ کوئی پتا چلا؟'' مسز جمالی نے بے چینی سے پوچھا۔

''پتا۔ یہ دو دن جس قدر مصروفیت سے گزرے ہیں اس کا آپ تصور نہیں کر سکتیں مسز جمالی ہم نے انتہائی کوشش کر کے یہ سب کچھ کیا ہے۔''

''اوہ میں بے چینی سے منتظر ہوں۔ مجھے بتائیے' کیا ایسی کوئی بات پتا چلی آپ کو؟'' مسز جمالی نے پوچھا۔ اور سعدی نے جیب سے شکیلہ کی وہ تصویر نکال کر مسز جمالی کے سامنے رکھ دی جو خصوصی طور پر اسی مقصد کے لیے تیار کی گئی تھی۔

مسز جمالی نے یہ تصویر دیکھی اور ان کے چہرے پر ہیجان کے تاثرات نظر آنے لگے۔

''یہ کون ہے؟''

''ششمہ کہلاتی ہیں یہ خاتون ابھی مکمل تفصیلات نہیں مل سکیں۔ یہی ہیں جو آپ کے سہاگ پر ڈورے ڈالنے میں مصروف ہیں۔ آج کل ہر جگہ یہ مسٹر جمالی کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں اور معاملات کچھ ضرورت سے زیادہ ہی گہرے معلوم ہوتے ہیں۔ ہم مسلسل ان خاتون کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ بہت جلد ان کا پتا چل جائے گا۔''

''ہوں۔ گویا میرا شبہ درست نکلا؟''

''نہ صرف درست نکلا' بلکہ آپ یقین فرمائیں مسز جمالی کہ آپ انتہائی تباہ کن حالات کا شکار ہونا جا رہی ہیں۔ اگر آپ بروقت اس سلسلے میں قدم نہ اٹھاتیں تو ایک دن آپ کو شدید صدمے سے دوچار ہونے پڑتا۔ جب مسٹر جمالی آپ کے سامنے کھل کر آ جاتے اس وقت بات بنائے نہ بنتی۔ مسز جمالی آپ ان بھیانک لمحات کا تصور نہیں کر سکتیں۔ اف ایک ایسی عورت کے لیے یہ بات کس قدر غمناک ہوگی جس نے اپنے شوہر کی زندگی کی تعمیر کے لیے شدید محنت کی' مدد کی اور وہ شوہر جو اس کی وجہ سے ایک مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اس کی عنایتوں اور نوازشوں کو بھول کر دوسری لڑکیوں کے چکر میں پڑ گیا۔ مسز جمالی انسانی ناطے سے بھی ہمیں آپ سے بیحد ہمدردی ہے۔ دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ آپ ہمیں جو معاوضہ ادا کر رہی ہیں' آپ یقین فرمائیے

ہم اسے اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے' کیونکہ یہ انسانی ہمدردی کا معاملہ ہے' لیکن بس مجبوریاں ہمارا کاروبار بھی نیا نیا ہے اس لیے آپ کو زحمت دیے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہے' لیکن ہم وہ نہ ہونے دیں گے جو ہونے جا رہا ہے۔"

مسز جمالی کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔ اس نے اپنے پرس سے رومال نکالا اور آنسو خشک کرنے لگی۔

"نہیں مسز جمالی آپ روئیں گی نہیں' جب تک ہم دونوں زندہ ہیں آپ کو رونے نہیں دیں گے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں' آج شام تک اس لڑکی کا کھوج نکال لیا جائے گا۔ ویسے میرا خیال ہے آپ اپنے طور پر بھی اس کی تصدیق کریں۔ آج شام کو ساڑھے چار بجے آپ تشریف لا سکتی ہیں؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

"مگر آپ یہاں نہ آئیں' گاڑی تو ہوگی آپ کے پاس؟"

"جی ہاں موجود ہے۔"

"گاڑی جمالی صاحب کی نگاہ میں آسکتی ہے۔" ظفری نے تشویشناک انداز میں گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"بہرصورت آپ یوں کریں کہ اس بلڈنگ کے بالکل سامنے جو گلی ہے آپ اپنی گاڑی وہاں کھڑی کر دیں' اور جمالی صاحب کی کار جس وقت باہر نکلے آپ اچھی طرح اس کا جائزہ لیں۔ لیکن خدارا کوئی جذباتی قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کریں۔ میرا خیال ہے یہ خاتون روزانہ شام کو جمالی صاحب کے ساتھ کہیں جاتی ہیں۔ آپ اپنی آنکھوں سے ان کا جائزہ لے سکتی ہیں۔"

"کس وقت؟" مسز جمالی نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تقریباً ساڑھے چار بجے۔"

"ٹھیک ہے میں اس وقت یہاں آجاؤں گی لیکن تم مجھے گلی کے اس حصے میں ملنا۔" مسز

جمالی نے ظفری سے کہا اور ظفری نے سینے پر ہاتھ رکھ کے گردن جھکا دی۔

"خادم حاضر ہے' جو بھی خدمت ہو سکے گی' انجام دوں گا۔"

"تم نے واقعی میرے لیے شدید محنت کی ہے۔ اب تم مجھے یہ اور بتا دو کہ تمھارا مکمل معاوضہ کیا ہوگا؟"

"مسز جمالی آپ ہمیں شرمندہ کر رہی ہیں۔ کاش مسائل اتنے زیادہ نہ ہوتے تو یہ کیس معاوضے پر کام کرنے کا نہیں تھا۔ بہرصورت رسمی گفتگو سے کیا فائدہ؟ میرا اپنا خیال ہے کہ کم از کم اس میں پچیس ہزار روپے خرچ ہو جائیں گے' اور ہمیں فوری طور پر کچھ رقم کی ضرورت ہے کیا آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکیں گی؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟" میں تمھیں بیس ہزار کا چیک کاٹ دیے دیتی ہوں۔ معاوضہ مکمل لے لو لیکن جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ تمھارے دل میں بھی انسانیت کا درد ہے' خدارا میری بھرپور مدد کرنا۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہماری زندگی میں جمالی صاحب اور وہ لڑکی اپنی ان مذموم کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم ناکام رہے تو آپ یقین فرمائیں ہم وہ کر بیٹھیں گے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔" سعدی نے پرجوش لہجے میں کہا اور مسز جمالی کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

"آپ لوگوں کا سہارا تو میرے لیے بہت بڑا سہارا' بن گیا ہے۔ میں بھی اس دنیا میں انسانوں کو ترسی ہوئی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی انھوں نے پرس نکال لیا تھا اور پھر بیس ہزار کا چیک سعدی کے ہاتھ میں پہنچ گیا جسے قبول کرتے ہوئے سعدی کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ نئے کاروبار کی یہ پہلی آمدنی غیر متوقع تھی کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بہرصورت جو کچھ ہو رہا تھا نہایت کامیابی سے ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مسز جمالی رخصت ہو گئیں اور سعدی اور ظفری ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

"ارے بھائی' یہ تو۔ یہ تو۔"

"مگر یار کیا یہ پیسہ جائز ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"ظفری پٹڑی سے اتر رہے ہو۔" سعدی نے ظفری کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا ماضی بھولے جا رہے ہو' انسانیت' محبت' ہمدردی' شرافت' سوچ لو ظفری سوچ لو۔"

"سوری سعدی واقعی انسانی فطرت بہت عجیب ہے جب زمانہ ہمیں پیس رہا تھا تو ہم ہر شخص کی طرف ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں ہمدردوں کی تلاش تھی۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا میں ایک بھی انسانیت کا ہمدرد نہ ہو۔ لیکن کیا کریں' شاید ہماری فطرت میں کوئی کچا پن ہے جس کی وجہ سے ہم آج بھی انسانوں سے ہمدردی کرنے لگتے ہیں۔"

"سوری سعدی سوری۔" ظفری نے جواب دیا اور سعدی خلاء میں گھورنے لگا۔

شکیلہ کو آج کے پروگرام سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اسی وقت دوبارہ جمالی صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ جب جمالی صاحب کے اٹھنے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی۔ جمالی صاحب اسے دیکھ کر کھل اٹھے تھے۔ شکیلہ نے بوجھل آنکھیں اٹھا کر انھیں دیکھا اور کہنے لگی۔

"جمالی صاحب بڑی الجھنوں کا شکار ہو کر رہ گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے زیادہ تر وقت آپ ہی کے ساتھ گزاروں۔ ادھر سے گزری تو خود کو آپ کے پاس آنے سے باز نہ رکھ سکی۔ آپ یقیناً اب گھر جانے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں شمسہ' بھلا آپ کی معیت سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا اہم ہو سکتا ہے۔ آیئے چلتے ہیں۔ کہیں بیٹھ کر تھوڑا سا وقت گزاریں گے۔ اس کے بعد میں آپ کو آپ کی مطلوبہ جگہ چھوڑ دوں گا۔"

"چلیے۔" شکیلہ نے کہا اور دونوں نیچے اتر آئے۔ جمالی صاحب نے اپنی کار نکالی اور شکیلہ ان کے برابر بیٹھ گئی۔ یہ دونوں تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئے تھے۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ تھوڑے ہی فاصلے پر سامنے ایک گلی میں بیگم جمالی ظفری کے ساتھ موجود ہیں۔ بیگم جمالی

نے شکیلہ اور جمالی صاحب کو دیکھا اور ان کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔ انھوں نے کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن ظفری نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آپ وعدہ کر چکی ہیں کہ جذباتی نہیں ہوں گی۔" ظفری آہستہ سے بولا۔ اور مسز جمالی نے تھکے تھکے انداز میں سوچ آف کر دیا۔

"میں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ میں بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"مسز جمالی' جب آپ نے ہم لوگوں کی خدمات حاصل کی ہیں تو آپ کو ہماری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔ ورنہ ہمارے لیے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ آپ کو وعدہ کرنا ہوگا مسز جمالی کہ صرف چند روز اور انتظار کریں گی۔ اس دوران آپ کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے۔ مسٹر جمالی کو قطعاً یہ احساس نہ ہو کہ آپ ان حرکات سے واقف ہیں۔ ہم اس طرح سارا کھیل ختم کر دیں گے کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکیں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ شخص اتنا بے وفا اتنا ناسپاس ہو سکتا ہے۔"

"مرد کی ذات ہم سے پوچھیے۔ ہم سے پوچھیے مسز جمالی کہ ہم لوگوں کے سوچنے کا انداز کیا ہوتا ہے۔ ہم عورت کو ایک کھلونے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا کہ آپ انتظار فرمائیں۔ آپ توقع رکھیں ہم ضرور آپ کے مسئلے کو حل کر دیں گے۔" ظفری نے بمشکل تمام مسز جمالی کو ٹھنڈا کیا اور ان سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ کسی طور مسٹر جمالی پر اپنے غصے کا اظہار نہیں ہونے دے گی۔

لیکن اس رات تینوں جب سر جوڑ کر بیٹھے تو ظفری نے صورت حال بتاتے ہوئے کہا۔

"حالات بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ میرے خیال میں انھیں جلد از جلد کنٹرول کر لینا چاہیے۔ مسز جمالی بے حد جذباتی ہو رہی ہیں اس جذباتیت میں وہ کوئی ایسا خوفناک قدم نہ اٹھالیں جس سے ہماری پول بھی کھل جائے۔"

میرے خیال میں اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔''

''ہوں۔'' شکیلہ پرخیال انداز میں بولی۔ ''ٹھیک ہے ظفری میں تم سے متفق ہوں۔ میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ کسی بھری پڑی سڑک پر مسز جمالی اپنی کار مسٹر جمالی کی کار سے دے مارے اور میرا سر بھی پھٹ جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کوئی موثر کارروائی ہو جانی چاہیے۔'' تینوں غوروخوض کرتے رہے اور بالآخر ایک موثر فیصلے پر پہنچ گئے۔

''تو آؤ کہ راز پنہانی افشائے عقیدت کرتی ہوں۔
دامان زبان خاموشی لبریز شکایت کرتی ہوں۔
تنگ آئے ہجوم درماں سے اظہار جرأت کرتی ہوں۔
میں تم سے محبت کرتی ہوں میں تم سے محبت کرتی ہوں۔

جان سے پیارے جمالی:

بالآخر میں اس اعتراف سے خود کو باز نہ رکھ سکی کہ میں تمھاری محبت سے سرشار ہوں۔ تم نے جو پیش کش کی ہے مجھے منظور ہے بس جب میں نے اعتراف شکست کر لیا تو اب یہ تم پر منحصر ہے کہ جب چاہو مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دو۔!

تمھاری شمسہ

خوشبو میں بسا ہوا یہ خط جمالی کی جیب سے نکلا تھا۔ مسز جمالی ان دنوں باقاعدہ مسٹر جمالی کے کوٹ کی جیبوں کی تلاشی لیتی تھیں۔ اس خط نے انھیں شدید ذہنی ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ شدت غم سے ان کا دل و دماغ بے قابو ہونے لگا تھا۔ لیکن اپنے ہمدردوں کی ہدایات انھیں یاد تھیں۔ بے چین ہو کر نکل کھڑی ہوئیں اور سعدی اور ظفری کے دفتر میں آ کر دم لیا۔

شکیلہ ان دنوں بھول کر بھی دفتر کا رخ نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ اس طرح معاملات بگڑ جانے کا خدشہ بھی ہو سکتا تھا۔ حضرت مضطرب نے اضطراب کے عالم میں مسز جمالی کو آتے دیکھا اور فوراً اندر اطلاع پہنچا دی۔

سعدی اپنے کیبن میں بیٹھ کر زور زور سے بڑبڑانے لگا۔ ظفری گردن جھکا کر بیٹھ گیا اس طرح انھوں نے مسز جمالی کا استقبال کیا تھا۔ جونہی مسز جمالی اندر داخل ہوئیں۔ ظفری نے ایک دم ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ مسز جمالی اپنی ہی الجھن میں تھیں۔ پہلے تو توجہ نہ دے سکیں لیکن پھر جب سعدی کے کیبن سے عجیب و غریب بڑبڑاہٹ کی آوازیں سنیں تو ان کے کان بھی اس طرف متوجہ ہو گئے۔

''ناممکن۔۔ ناممکن۔۔ یہ نہیں ہوگا۔ ہاں بیشک یہ عمل قابل نفرت ہے لیکن وہی ہونا ہے جو ہونا چاہیے' ہوگا۔ ہوگا۔ وہی ہوگا۔ باطل کے تمام پردے چاک ہو جائیں گے۔ حق بلند ہوگا حق۔ حق حق۔''

مسز جمالی متحیرانہ انداز میں ظفری کو دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں ''یہ سعدی صاحب کو کیا ہو گیا؟'' انھوں نے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا اور ظفری ایک ٹھنڈی سانس لے کر انھیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے مسز جمالی کو دروازے کے قریب چلنے کا اشارہ کیا اور نزدیکی صوفے پر آ بیٹھا۔

''تشریف رکھیے مسز جمالی' آج آپ کے سلسلے میں آخری قدم اٹھا لیا گیا ہے۔''

''مگر یہ سعدی صاحب کو کیا ہو گیا؟''

''عمل کر رہے ہیں۔ آخری عمل۔ ابتداء ہم نے سائنٹیفک انداز میں کی تھی کام نہیں بنا تو ہم نے روحانی عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور سعدی صاحب اس سلسلے میں آخری عمل کر رہے ہیں۔ پیرومرشد کو شاید کچھ الہام ہوا تھا' کوئی ایسی بات جس نے انھیں بے چین کر دیا تھا کہ وہ لڑکی اب خطرناک حدود میں داخل ہو گئی ہے۔ شاید وہ مسٹر جمالی سے آخری معاملات طے کر لینا چاہتی ہے۔ اس لیے اب یہ وقت نہیں ہے کہ اسے سمجھایا جائے یا اس کے خلاف کوئی ایسی کارروائی کی جائے جس سے آپ کا سہاگ محفوظ رہ سکے۔ اس کے بارے میں مزید معلومات جو حاصل ہوئیں ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ ایک بہت بڑے پولیس افسر کی لاڈلی اکلوتی بیٹی ہے اور اس کے باپ نے اسے

اجازت دے رکھی ہے کہ وہ جسے اپنا ساتھی بنانا چاہے بنالے۔ چنانچہ پیرو مرشد پروفیسر ڈی ڈی ٹی صاحب نے اس سلسلے میں روحانیت کا سہارا لیا ہے اور یقیناً اس کا کوئی اچھا نتیجہ نکلے گا۔''

''خدا کی پناہ' میں تو آپ لوگوں پر حیران ہوں۔ اتنی کم عمری میں آپ لوگوں نے کیا کیا کمالات حاصل کر لیے ہیں۔ پروفیسر کا خیال درست ہے۔ یہ دیکھو یہ خط جمالی صاحب کی جیب سے نکلا ہے۔''

''خط۔'' ظفری اچھل پڑا اور اس نے جلدی سے مسز جمالی کے ہاتھ سے وہ خط کھینچ لیا جو شکیلہ نے نہایت چالاکی سے لکھ کر جمالی صاحب کی جیب میں سرکا دیا تھا اور بیچارے جمالی صاحب کو اس کے بارے میں علم نہیں تھا اور یہ خط مسز جمالی کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ خط پڑھ کر ظفری نے ایک گہری سانس لی اور آنکھیں بند کر کے جھومنے لگا۔

''آپ نے دیکھا نا مسز جمالی' روحانیت ان کی جاگیر نہیں ہوتی جو لمبے لمبے چغے پہنے رہتے ہیں۔ داڑھیاں بڑھائے رکھتے ہیں اور دنیا کو دکھانے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ سچے دل سے کوئی بھی عمل کیا جائے کارآمد ہوتا ہے۔ آپ مطمئن رہیں مسز جمالی اس عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ نکلے گا' لیکن صبر' تحمل' ضبط' یہ تینوں چیزیں آپ کے لیے بہترین ہتھیار ثابت ہوں گی۔ آپ جائیں۔ ممکن ہے کوئی فیصلہ کن بات جلد از جلد ہو جائے۔''

''میں بہت پریشان ہوں۔'' مسز جمالی نے کہا۔

''مجھے اندازہ ہے' ہم لوگ آپ سے کچھ کم پریشان نہیں ہیں۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔'' ظفری نے کہا اور مسز جمالی گھر واپس آ گئیں حالانکہ بے چینی اور اضطراب انھیں سکون نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس وقت شام کے تقریباً پانچ بج رہے تھے جب کسی نے ان کی کوٹھی میں داخل ہو کر ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ آنے والے کو دیکھ کر مسز جمالی ششدر رہ گئی تھیں۔ بھلا وہ اس خطرناک لڑکی کو کیوں نہ پہچانتی جو ان کی زندگی میں طوفان لانے کا سبب بنی تھی۔ ہاں وہ شمسہ ہی تھی۔ مسز جمالی نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھا۔ شمسہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا' اس کی آنکھوں

کی کیفیت بھرائی بھرائی سی تھی۔

''آپ مسز جمالی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں' میں ہی ہوں جو آپ کی راہ کا کانٹا بنی ہوئی ہوں' تشریف لائیے۔'' مسز جمالی طنزیہ انداز میں بولی اور شمسہ آگے بڑھ آئی۔

''مسز جمالی براہ مہربانی مجھ پر طنز نہ کریں۔ پلیز میری بات سنیں' میں اپنے جرم کا اقرار کرنے آئی ہوں۔ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے آئی ہوں۔ میں نے آپ کی پرسکون دنیا میں ہلچل مچانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے آپ کے سہاگ پر ڈاکا ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اچانک آج نجانے کیا ہوا مجھے احساس ہوا کہ میں عورت ہوں اور ایک عورت کو دوسری عورت کا حق غصب نہیں کرنا چاہیے۔ بیشک مسز جمالی مجھے آپ کے درد کا بھرپور احساس ہو گیا۔ میں مسز جمالی آپ کا درد ختم کرنے آئی ہوں۔ میں شرمسار ہوں اور آپ کو بتانے آئی ہوں کہ تمہاری زندگی میں وہ نہیں ہو سکے گا جو مسٹر جمالی چاہتے ہیں۔ میں ان کی دنیا سے نکل جاؤں گی اور اب کبھی ان کے راستے میں نہیں آؤں گی' آپ کو مجھ پر بھروسہ کر لینا چاہیے۔''

مسز جمالی کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر پروفیسر ڈی ڈی ٹی کا اسسٹنٹ انھیں صورتحال نہ بتا دیتا تو شاید اس لڑکی کی بات پر یقین نہ کرتیں' لیکن اب ان کے اندر تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی تھی انھیں یقین آ گیا تھا کہ یہ اسی عمل کا نتیجہ ہے جو پروفیسر ڈی ڈی ٹی ہنگامی حالات میں کر رہے تھے۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتیں' باہر سے مسٹر جمالی کی آواز سنائی دی۔ ان کے آنے کا وقت ہو چکا تھا۔

''ارے بھئی کہاں ہیں آپ بیگم؟'' یہ کہتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم میں گھس آئے۔ لیکن شمسہ کو دیکھ کر ان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ ان کے چہرے پر ایک دم خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

''تت تت تم۔ یہ۔ یہ۔''

''ہاں ہاں فرمائیے کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ ان کے بارے میں؟'' مسز جمالی نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''م میرا مطلب ہے یہ خاتون۔ شم شم شمسہ۔'' مسٹر جمالی بوکھلاہٹ میں بکواس کرنے لگے تھے۔ تب شمسہ اٹھی اور اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ کو شرم آنی چاہیئے جمالی صاحب ایک اتنی حسین اور محبت کرنے والی خاتون کے شوہر ہونے کے باوجود آپ نے مجھے سبز باغ دکھائے۔ آپ نے مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی۔ جمالی صاحب آپ انتہائی نیچ اور گھٹیا انسان ہیں۔ میں آپ جیسے لوگوں کی صورت پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔ میں مسز جمالی کو بتانے آئی تھی کہ مسٹر جمالی نے کس طرح مجھے دھوکا دے کر پھانسنے کی کوشش کی تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ مکار جمالی اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں جا رہی ہوں جمالی صاحب، اور آئندہ اگر آپ کا سایہ بھی میرے قریب سے گزرا تو آپ کے حق میں بہت برا ہوگا، بہت ہی برا اتنا برا کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔''

شکیلہ نے زمین پر تھوک دیا اور جمالی صاحب اپنی جگہ ساکت کھڑے رہ گئے۔ شکیلہ غصیلے انداز میں باہر نکل گئی تھی۔

''آیئے تشریف رکھیے، جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔'' مسز جمالی کی آواز ابھری اور جمالی صاحب کے چہرے پر شرمندگی کے آثار ابھر آئے۔

دوسرے دن تقریباً ساڑھے دس بجے مسز جمالی لدی پھندی سعدی اور ظفری کے دفتر میں داخل ہوئیں۔ مٹھائی کے دو بڑے بڑے ڈبے مضطرب صاحب کے ہاتھوں میں تھما دیے گئے تھے اور مسز جمالی پھولوں کے دو ہار لے کر اندر پہنچی تھیں۔ انھوں نے ایک ہار سعدی کو پہنایا اور دوسرا ہار ظفری کی گردن میں ڈال دیا پھر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کل کی صورتحال کے بارے میں بتانے لگیں۔ ''آپ کا عمل جادو کا عمل تھا۔ مسٹر ڈی ڈی ٹی۔ جمالی بہت شرمندہ ہیں اور آئندہ سے انھوں نے میرے ساتھ وفادار رہنے کا عزم کیا ہے۔ دیکھتی ہوں کب تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔

میں تو آپ کی معتقد ہو گئی ہوں۔ میرے لائق کوئی بھی خدمت ہو آپ بلاتکلف فرما دیا کریں۔''

''بہت بہت شکریہ مسز جمالی۔ آپ کا کام ہو گیا ہمیں اس سے زیادہ مسرت کس بات کی ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر کوئی اور ضرورتمند آپ کی نگاہ میں آئے تو اسے ہم تک ضرور پہنچا دیں۔''

''یقیناً یقیناً آپ بالکل بے فکر رہیں۔'' مسز جمالی نے کہا۔ اور ان سے اجازت لے کر چلی گئیں۔

ظفری اور سعدی ان کے جانے کے بعد قہقہے لگنے لگے تھے۔ تیسرے کیبن سے شکیلہ بھی نکل آئی اور غصیلے انداز میں انھیں دیکھنے لگی۔

''ہوں میرا ہار کہاں ہے پروفیسر ڈی ڈی ٹی صاحب؟''

''ہار نہیں نہیں مس شکیلہ ہم آپ کی جیت پر خوشی منا رہے ہیں۔ ہار کا آپ کیا کریں گی اماں مضطرب صاحب یہ آپ مٹھائی کے ڈبے کیوں کھول رہے ہیں۔'' سعدی نے آواز لگائی اور مضطرب صاحب نے جلدی سے مٹھائی کا ڈبہ بند کر دیا۔

''لایئے لایئے ادھر لے آیئے اور ہاں چائے بھی۔'' سعدی نے کہا۔ مضطرب صاحب نے بغیر منہ کھولے گردن ہلائی اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ ''گویا وہ پہلے ہی ہاتھ صاف کر چکے ہیں۔'' سعدی نے ڈبہ کھولتے ہوئے کہا اور تینوں ہنس پڑے۔

☆......☆......☆

مضطرب صاحب پر بہت برا وقت آپڑا تھا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی نوکری ویسے تو ہر لحاظ سے اچھی تھی مگر مطلق صاحب جان کو اٹک گئے تھے۔ مضطرب صاحب ٹھہرے پیدائشی شاعر اور پیدائش کے بعد ہی سے انہوں نے تمام شعراء کرام کو اپنے خاندان میں شامل رکھا تھا۔ جب آپس کا معاملہ ہے تو پھر کسی کی کوئی بھی چیز اپنی سمجھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ہر شاعر کا شعر ان کی ملکیت تھا۔ اور وہ کسی میں بھی اپنا تخلص شامل کرلیا کرتے تھے۔ بعد میں چند مشاعروں میں پڑھ کر جب انڈوں اور ٹماٹروں کا سامنا کرنا پڑا تو بحالت مجبوری ان بدذوقوں کے لئے کچھ اپنی طرف سے کاوشیں بھی شروع کردیں۔ الٹا سیدھا کہہ لیا کرتے تھے۔ لیکن اس پر بھی کہیں نہ کہیں سے کچھ اپنا لینے میں کچھ حرج نہیں تھا۔ مشاعروں میں تو خیر بہت کم ہی موقع ملتا تھا۔ عموماً ان مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے جن میں کوئی باقاعدہ شاعر نہیں ہوتا تھا۔ وہاں چل جاتی تھی لیکن جب سے مطلق صاحب کا ساتھ ہوا تھا بری طرح مارے گئے تھے۔ مطلق صاحب بیچارے کیونکہ خود بھی اسی میدان کے شہسوار تھے اس لیے دوسرے کو پکڑنا ان کے لیے زیادہ آسان ہوتا تھا۔ عام لوگوں کی نسبت ہر شعر ہر نظم ہر غزل مصیبت کا شکار رہتی تھی مطلق صاحب کی وجہ سے۔ مگر واسطہ ایسا ہوگیا تھا کہ اب مطلق صاحب واحد ہی تھے جو مضطرب صاحب کا کلام سن لیتے تھے۔ صرف اس لئے کہ بعد میں مضطرب صاحب مطلق صاحب کا کلام سُنیں اور اس شعر و شاعری کا نتیجہ جھگڑے پر ہی نکلتا تھا۔ اور دونوں میں اچھا خاصہ اختلاف ہوجاتا تھا۔ لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ یہ اختلاف دیرپا نہیں

ہوتا تھا۔ ایک مصرعہ مضطرب صاحب کے ذہن میں آگیا تھا لیکن یہ مصرعہ ثانی تھا۔ اور مصرعہ اولیٰ ابھی تک غائب تھا۔ سعدی نے کسی کام سے بھیجا تھا۔ کام تو خیر انہوں نے کرلیا تھا لیکن بدنصیبی تھی کہ اسی وقت یہ مصرعہ ثانی رقص کرتا ہوا ان کے ذہن کے پنڈال میں آپہنچا تھا۔ اور وہ مصرعہ اولیٰ کے چکر میں پڑ گئے تھے۔ کام ختم کر کے واپس پلٹے بس اسٹاپ پر پہنچے جہاں انہیں بس میں سوار ہوکر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچنا تھا۔ لیکن بس اسٹاپ پیچھے رہ گیا اور وہ آگے نکلے چلے آئے۔ مصرعہ اولیٰ کے لئے ذہن میں بے شمار خاکے فٹ ہو رہے تھے۔ اور بے خیالی میں اس جہان فانی کو نظر انداز کر چکے تھے۔ جس میں انھیں فنا ہونے میں چند ہی گز کی کسر باقی رہ گئی ورنہ وہ اس کار سے یقیناً ٹکرا جاتے۔ اور اس بری طرح ٹکراتے کہ مصرعہ ثانی غریق رحمت ہوجاتا۔ کار والے نے پوری طرح بریک لگائے تھے۔ اور مضطرب صاحب اچھل کر ایک سمت ہوگئے تھے۔ وہ وحشت بھری نگاہوں سے کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو خونی نگاہوں سے خود انہیں دیکھ رہا تھا۔۔۔

”اچھی طرح جانتا ہوں۔“ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

”جی۔۔۔؟“ مضطرب صاحب گھگیائے ہوئے انداز میں بولے۔

”خودکشی کرنا چاہتے تھے۔۔۔“

”جی ہاں۔۔۔جی ہاں۔۔۔بفضل تعالیٰ۔۔۔“ مضطرب صاحب نے کہا۔

”تو اور کوئی گاڑی نہیں ملی تھی آپ کو۔۔۔“

”گاڑی۔۔۔اوہو اوہو۔۔۔“ مضطرب صاحب کو اچانک بس اسٹاپ یاد آگیا تھا۔ جسے وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

”کسی پاگل خانے سے بھاگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔۔۔“

”بدزبانی نہ فرمائیے۔۔۔ جو کچھ ہوا ہے اس کے لئے معافی طلب کی جاسکتی

ہے۔۔۔۔۔۔"

"میں کہتا ہوں بیچ سڑک پر اونٹ کی طرح گردن اٹھائے کہاں جا رہے تھے۔۔۔۔"

"وہ کمبخت مصرعہ اولیٰ۔۔۔اولیٰ۔۔۔اولیٰ۔۔۔"

"خوب۔۔۔خوب۔۔۔۔خوب۔۔۔اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس شخص نے پہلے جیسے انداز میں کہا۔

"حضور والی کیا جانتے ہیں۔۔۔"

"اب راستے سے ہٹو گے یا گاڑی چڑھا دوں۔ سڑک سنسان ہے کسی کو اندازہ بھی نہیں ہونے پائے گا۔۔۔"

"جناب عالی شرمندہ ہوں اور معذرت چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟"

"بس حضور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ جا رہا تھا۔ مصرعہ ثانی ذہن میں آ چکا ہے مصرعہ اولیٰ نے ایسا پریشان کیا کہ دنیا سے بے خبر ہو گیا۔ اور اسی بے خبری کے عالم میں سڑک پر آ نکلا۔ آپ کو زحمت ہوئی۔ واقعی میں اس کے لئے دلی شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔۔۔"

"گھوم کر آؤ۔۔۔" ڈرائیور نے کہا اور اپنے برابر کا دروازہ کھول دیا۔ غالباً مضطرب صاحب کے ٹھنڈے مزاج سے متاثر ہو گیا تھا مضطرب صاحب جھجکتے ہوئے اس کے برابر کار میں بیٹھے۔ اور ڈرائیونگ کرنے والے نے کار آگے بڑھا دی۔ انتہائی قیمتی اور شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ تھری پیس سوٹ بہترین ٹائی بس شاندار شخصیت تھی اس کی۔ لیکن چہرے پر کچھ عجیب سے آثار نظر آتے تھے۔ جس کا کوئی صحیح تجزیہ مضطرب صاحب نہیں کر سکے۔ اس شخص نے کہا۔

"شاعری کرتے ہو۔۔۔؟"

"جی۔۔۔بس تک بندی کر لیتا ہوں۔۔۔"

"میں بھی شاعر ہوں۔۔۔۔" اس نے کہا اور مضطرب صاحب اچھل پڑے۔

"جی۔۔۔" انہوں نے کہا لیکن ان سے زیادہ زور سے ڈرائیونگ کرنے والا اچھلا تھا۔ اور اس کے بعد اس کے حلق سے کئی آوازیں نکل گئی تھیں۔ اور پھر اس نے کار کو ایک بار پھر پورے پورے بریک لگائے اور مضطرب صاحب کا سر شیشے سے جا ٹکرایا۔ وہ وحشت زدہ انداز میں اس شخص کو دیکھنے لگے جو گاڑی کو نیوٹرل گیئر میں ڈال کر اپنی جگہ پھدک رہا تھا اور ادھر سے ادھر کروٹیں سی بدل رہا تھا۔

"کک۔۔۔کیا ہوا۔۔۔کک۔۔۔کیا ہوا۔۔۔؟" مضطرب صاحب نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"اولیٰ۔۔۔اولیٰ۔۔۔" وہ صاحب بدحواسی سے بولے اور پھر ایک دم کار میں کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ لیکن سر چھت سے ٹکرایا۔ اور وہ پھر بیٹھ گئے۔ ساتھ ساتھ ہی ایک اور کراہ ان کے منہ سے نکلی تھی۔ پھر انہوں نے اپنے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک جستہ ہو گا نکال لیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ مضطرب صاحب حیرانی سے تکتے ہوئے۔ کار کو دیکھنے لگے تھے۔ اور ڈرائیونگ کرنے والے کی آنکھوں میں ایک بار پھر خون کی جھلکیاں نظر آنے لگی تھیں۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔۔۔"

"کک۔۔۔کیا ہوا۔۔۔مم۔۔۔میں سمجھا نہیں؟" مضطرب صاحب نے کہا۔

"ابے کیا سمجھاؤں عجب جاہل آدمی ہو۔ گاڑی کے سامنے اس طرح آئے کہ ستیاناس ہو گیا۔ پتہ نہیں سوٹ کہاں کہاں سے جلا ہو گا۔۔۔"

"مم۔۔۔مگر جناب یہ ہوا کیسے۔۔۔؟"

"اماں ہوتا کیسے اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ جیسے ہی تم گاڑی کے سامنے آئے میں نے

پورا بریک لگایا۔ یاد ہی نہیں رہا تھا کہ سگار منہ میں لگا ہوا ہے۔ اچھل کر نیچے گر پڑا۔ اور پھر تمہاری بکواس میں اس کا دھیان ہی نہیں رہا کئی جگہ سے جل گیا ہوں۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ میں از حد شرمندہ ہوں جناب۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ اب اس کا کیا تدارک کر سکتا ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور وہ صاحب گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ پھر بولے۔

"بری طرح جل گیا ہوں۔۔۔ بری طرح جل گیا ہوں۔۔۔۔"

"کسی ہسپتال کی طرف چلئے گا۔۔۔۔" مضطرب صاحب بولے۔

"بیکار ہے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ خواہ مخواہ مذاق اڑے گا۔" انہوں نے سگار دوبارہ منہ سے لگا لیا اس کے دو تین گہرے گہرے کش لئے اور پھر دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"نام کیا ہے آپ کا۔۔۔؟" انہوں نے پوچھا۔

"فدوی کو مضطرب کہتے ہیں۔۔۔"

"میرا نام رمضان علی رمز ہے۔۔۔"

"آہا بخدا۔۔۔ بخدا۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا مصرعہ ہے۔۔۔ رمضان علی رمز حضور۔۔۔ رمز۔۔۔۔؟"

"تخلص ہے میرا۔" ان صاحب نے کہا۔

"بھئی سبحان اللہ۔۔۔ اسے کہتے ہیں تقدیر کی رہنمائی۔ یوں ملتے ہیں دو بڑے شاعر آپس میں۔ رمضان صاحب آپ بھی شاعری کرتے ہیں۔۔۔"

"ایسی ویسی۔۔۔ میں نے دنیا کی کئی زبانوں میں نظمیں کہی ہیں۔۔۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ۔ تو حضور ہو جائے ایک نشست مضطرب صاحب بولے اور رمضان علی رمز نے گردن ہلا دی۔ اس کے بعد یہ پہلی نشست کسی عمدہ سے چائے خانے کے علاوہ

اور کہاں ہو سکتی تھی۔ جو پہلا ریسٹورنٹ رمضان علی رمز کو نظر آیا اسی کے سامنے گاڑی روک دی گئی۔ رمضان علی رمز صاحب کے منہ سے بار بار سی سی کی آوازیں نکل جاتی تھیں۔ لیکن اخلاقاً وہ ان جلتے ہوئے حصوں کی جانب ہاتھ نہیں لے جاتے تھے جہاں سوزش ہو رہی تھی۔ ریسٹورنٹ میں نشست جم گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کیا۔ مضطرب صاحب بہت زیادہ مرعوب ہو رہے تھے۔ کہنے لگے۔

"حضور سے مل کر جس قدر مسرت ہو رہی ہے نا قابل بیان ہے۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ ایک ایسے شاعر ہفت زبان سے ملاقات ہوئی جو اپنی مثال آپ ہے۔ حضور کا قیام کہاں رہا ہے۔۔۔؟"

"میں نے آدھی زندگی یورپ میں گزاری ہے۔ بڑے بڑے شعراء کرام کے ساتھ۔۔۔"

"اوہو۔۔۔ یعنی یعنی انگریزی میں بھی شعراء کرام ہوتے ہیں۔۔۔"

"ہاں پوئٹر۔۔۔ پوئٹر۔۔۔"

"آپ کسی بہت بڑے شاعر سے متاثر ہیں۔۔۔؟"

"کیوں نہیں۔ کئی ایسے شاعر ہیں جو میرے پسندیدہ ہیں۔ مثلاً سڈنی پوئٹر۔" رمضان علی رمز نے کہا۔ مضطرب صاحب کے فرشتوں نے بھی کبھی سڈنی پوئٹر کا نام نہیں سنا تھا۔ رمضان علی رمز کہنے لگے۔

"ویسے تو یل بریٹر بھی اچھا کہتا ہے مگر سڈنی پوئٹر کا کوئی جواب نہیں۔۔۔"

"بے شک بے شک۔۔۔ جسے آپ نے پسند فرمایا وہ بھلا کیا چیز ہوگا۔" چائے آگئی اور مضطرب صاحب بڑی نفاست سے رمضان علی رمز کے لئے اور اپنے لئے چائے بنانے لگے۔ انہوں نے پوچھا۔

"ویسے حضور کا موضوع کیا ہے۔۔۔؟"

"جی۔۔۔" رمضان علی رمز نے مضطرب صاحب کو گھورا۔۔۔"

"میرا مطلب ہے شاعری میں کون سی صنف کے ماہر ہیں آپ۔۔۔؟"

"اوہو۔۔۔اچھا۔۔۔اچھا۔۔۔ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔بالکل بالکل۔۔۔۔ اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔" رمضان علی رمز نے کہا۔ مضطرب صاحب کچھ نہ سمجھے تھے بلکہ سوالیہ نگاہوں سے رمز صاحب کو دیکھ رہے تھے۔ رمز صاحب نے کہا۔

"ویسے مجھے کلاسیکل شاعری پسند ہے۔"

"جی۔۔۔یقیناً یقیناً۔۔۔کلاسیکل شاعری کا تو کوئی جواب ہی نہیں ہوتا۔ مگر یہ بڑے شاعروں کا کام ہے۔ ویسے حضور نے اردو میں بھی شاعری کی ہوگی۔۔۔؟"

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔۔۔مگر ایسی شاعری جو شاید آپ لوگوں کے لئے الجھی ہوئی ہو۔۔۔"

"مثلاً کوئی ایک آدھ شعر مرحمت ہو جائے۔۔۔" مضطرب صاحب نے عقیدت مندانہ نگاہوں سے رمز صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا اور وہ کوئی شعر موزوں کرنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اس کا شیوہ نہ تھا چناخ چھنن"

"ہم ہی کر بیٹھے تھے پٹاخ چھنن"

رمضان علی رمز نے کہا اور مضطرب صاحب میز سے کھڑے ہو گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ پیٹتے ہوئے واہ واہ کر رہے تھے۔ اور قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگ گھبرائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ رمضان علی رمز صاحب بھی اس کیفیت پر بوکھلا گئے کھڑے ہوئے اور پھر سی کی آواز منہ سے نکال کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ مضطرب صاحب بدستور سینہ کوبی کر

رہے تھے اور چناخ چھنن پٹاخ چھنن کی گرداں کئے جا رہے تھے۔

"اچھی طرح سمجھتا ہوں" رمضان علی رمز صاحب نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا اور بمشکل تمام اضطراب صاحب کو نیچے بٹھایا۔ مضطرب صاحب بدستور اس شعر کی تعریف کر رہے تھے۔ اور اب رمضان علی رمز صاحب کو احساس ہوا تھا کہ درحقیقت یہ وحشیانہ انداز میں داد دی جا رہی ہے۔ وہ انکساری سے گردن جھکا کر مسکرانے لگے۔ پھر بولے۔

"میرا اسٹائل یہی ہے مسٹر مضطرب۔۔۔"

"بھئی سبحان اللہ کیا چناخ چھنن پٹاخ چھنن ہے۔ بڑی معنویت ہے۔ ان دونوں جملوں میں۔ جو صرف صاحب علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔۔۔"

"یقیناً یقیناً۔۔۔ویسے آپ کا اپنا انداز کیا ہے۔۔۔؟"

"یہی تو بدقسمتی ہے۔ کہ ذہن و دل دونوں مل کر رہ گئے ہیں۔ کیا حادثہ ہوا تھا سڑک پر۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میں آیا ہی اس لئے تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔ بلکہ اس دنیا میں آمد کی وجہ بھی شاید یہی تھی۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"آپ بہت شاندار آدمی ہیں مضطرب مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ ویسے کلاسیکل شاعری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔؟"

"لاجواب۔۔۔بہترین۔۔۔۔کوئی جواب نہیں اس کا۔۔۔۔۔"

"تو پھر آپ بھی کچھ عنایت فرمادیں۔۔۔" رمضان علی رمز صاحب نے کہا اور مضطرب صاحب مدہم انداز میں مسکرانے لگے۔ اس سے اچھا موقع اور بھلا کہاں مل سکتا تھا۔ یہ ولایت پلٹ بھلا دیسی شاعروں کے بارے میں کیا جانتا ہوگا۔ جس کا شعر دل چاہے اپنا ڈالو اور سنا ڈالو۔ اس کا تعلق تو سڈنی پوئٹر اور ویل بریز سے ہے۔ بھلا یہ مقامی شاعروں کے بارے میں اتنی تفصیلات کہاں سے جانتا ہوگا۔ کوئی کلاسیکل شعر ہی سنانا چاہئے مضطرب صاحب نے سوچا اور پھر

بولے۔

"سنئے گا۔" رمضان علی رمز متوجہ ہو گئے تو مضطرب صاحب نے کہا۔

"یہ لگی کوئی لائے گن تو میں گاؤں گن تیرے گھنگرو۔"

"یہ لگی لگن کوئی لائے گن تو میں گاؤں گن تیرے گھنگرو۔"

"کبھی باجے چھن کبھی باجے چھن تیرے گھنگرو۔"

رمضان علی رمز صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ مضطرب صاحب نے پھر شعر پڑھا۔

"کئی گزارے سن تیرے کم تھا سن کے لئے تھے سن تیرے گھنگرو۔"

"کبھی باجے چھن کبھی باجے چھن تیرے گھنگرو۔"

رمضان علی رمز سے بھی برداشت نہ ہو سکا۔ اپنی جگہ سے اٹھے اور مضطرب صاحب کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ دونوں دیر تک چمٹے کھڑے رہے تھے۔ اور قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ اپنی کرسیاں چھوڑنے لگے تھے۔ پہلے انہوں نے سمجھا کہ شاید ریسٹورنٹ میں ایک پاگل گھس آیا ہے۔ لیکن اب یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ دونوں ہی ہیں۔ اور اس کے بعد یہ کیا ہنگامہ کریں گے اس کا اندازہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ خاموشی سے ہوٹل سے باہر نکل گئے تھے۔ رمضان علی رمز صاحب نے کہا۔

"صاحب آپ تو صاحب کمال ہیں۔ کمال کر دیا واہ۔۔۔۔واہ۔۔۔۔واہ۔۔۔۔

واہ بہت دیر تک ان لوگوں کی نشست رہی رمضان علی رمز صاحب مضطرب صاحب کے بہترین دوست بن چکے تھے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ مضطرب صاحب کو ان کے مطلوبہ ٹھکانے پر چھوڑنے نہ آتے۔ راستے میں مضطرب صاحب نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات بتائی تھیں۔ اور رمضان علی رمز صاحب اس بات پر مصر ہو گئے تھے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ

کے ارکان سے ملاقات کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد مضطرب صاحب رمضان علی رمز کے ساتھ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچ گئے۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ بیٹھے ہوئے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ مضطرب صاحب نے با آواز بلند سلام کیا اور سب چونک کر رمضان علی رمز کی جانب متوجہ ہو گئے۔ جن کے چہرے پر مسرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"لیڈیز اینڈ جینٹل مین میں اپنا تعارف آپ سے کرا دوں۔ میرا نام رمضان علی رمز ہے۔ شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتا ہوں اور مسٹر مضطرب کا گہرا دوست ہوں آپ لوگوں کا تذکرہ سن کر دل آپ سے ملنے کے لئے بھی چاہا اور ادھر چلا آیا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ کا ادارہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے۔ جو معلومات مجھے مضطرب صاحب سے ملی ہیں ان کے تحت میں یہ بات آسانی سے کہہ سکتا ہوں۔۔۔۔"

"تشریف رکھیے جناب۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" سعدی نے ظفری کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ شکیلہ بھی دلچسپ نگاہوں سے اس پاسنگ شو کو دیکھ رہی تھی۔ جو نجانے کہاں سے مضطرب صاحب پکڑ لائے تھے۔ رمضان علی رمز بے تکلفی سے ان لوگوں سے گفتگو کرنے لگے۔

"پرائیویٹ جاسوسی کے بارے میں مجھ سے زیادہ معلومات شاید آپ لوگوں کو بھی حاصل نہ ہوں۔ میں نے عمر کا بہت بڑا حصہ لندن میں گزارا ہے۔ ہوٹلنگ کا کاروبار تھا میرا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے بے شمار جاسوسوں سے میری گہری دوستی تھی۔ اور ان میں بہت سے ایسے جاسوس تھے جن سے میرا براہ راست واسطہ رہ چکا ہے۔۔۔۔"

"یقیناً یقیناً۔۔۔۔ مثلاً رمز صاحب۔" ظفری نے پوچھا۔

"اوہو۔۔۔۔اوہو۔۔۔۔آپ کو جمی کارٹر کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا۔۔۔۔"

"جمی کارٹر۔" سعدی نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"میرا خیال ہے رمضان علی رمز صاحب شاید نک کارٹر کے بارے میں کہنا چاہتے

ہیں۔"

یقیناً یقیناً میں اسے پیار سے جمی کارٹر ہی کہا کرتا تھا۔۔۔"

"سب کے سامنے تو نہیں کہتے تھے آپ؟" ظفری نے رازداری سے پوچھا۔

"نہیں عموماً میں اسے اکیلے میں جمی کارٹر کہا کرتا تھا۔"

"خدا کا شکر ہے ورنہ ہم آپ سے محروم ہو جاتے۔" ظفری نے گہری سانس لے کر کہا۔ رمضان علی رمز صاحب پتہ نہیں ظفری کی بات سمجھے تھے یا نہیں۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"تو یہاں آپ کا پرائیویٹ جاسوسی کا کاروبار کیسا چل رہا ہے۔۔۔؟"

"بس خدا کا شکر ہے، بہت کم جرائم ہوتے ہیں ہمارے ملک میں یورپ کی نسبت۔۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ وہاں تو لوگ تفریحاً ایک دوسرے کو قتل کر دیا کرتے تھے بلکہ بعض اوقات وہاں قتل قتل کھیلا جاتا تھا۔ ہم نے بھی کئی قتل کئے ہیں۔" رمضان علی رمز صاحب نے کہا اور سب چونک پڑے۔

"آپ قاتل ہیں۔۔۔۔؟"

"ایسے ویسے چٹکیاں بجاتے قتل کر دیا کرتے تھے اور پھر پولیس کو چیلنج کر دیا جاتا تھا دراصل ان پرائیویٹ جاسوسوں سے ہماری دوستی اسی بنیاد پر ہوئی تھی کہ وہ ہم سے پوچھتے تھے کہ ہم نے قتل کیسے کیا اور ہم انہیں ایسے باریک نکتے کو سمجھاتے تھے کہ وہ سر پیٹتے رہ جاتے تھے۔" کافی دیر تک رمضان علی رمز صاحب وہاں بیٹھے اپنی قتل، غارت گری کی داستانیں سناتے رہے۔ اور اس کے بعد ظفری نے مضطرب صاحب کو اشارہ کیا کہ انہیں وہاں سے لے ہی جائیں ورنہ اچھا نہیں ہوگا لیکن مضطرب صاحب اپنے اس گہرے دوست کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک دوسرے کے پتے لئے گئے۔ کسی موقع پر کام آنے کا وعدہ کیا گیا۔ اور اس کے بعد رمضان علی رمز صاحب ڈی

ڈی ٹی لمیٹڈ سے باہر نکل آئے۔

رات کے سناٹے میں ایک دلدوز چیخ ابھری۔ اور شازیہ رمضان علی کی آنکھ کھل گئی۔ نیند غنودگی کی کیفیت میں تھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ چیخ کی آواز کیسے تھی۔ وہ دوسری آواز کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن پھر آواز سنائی نہیں دی تھی۔ چنانچہ وہ دوسری بار سو گئی لیکن صبح ہنگامہ خیز تھی۔ ملازمہ نے زور زور سے دروازہ پیٹا۔ تو رمضان علی رمز اور شازیہ کی آنکھ کھل گئی۔ دروازہ کھولا گیا تو ملازمہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بتایا۔

"گل خان کو قتل کر دیا گیا ہے بیگم صاحب۔۔۔"

"کیا" شازیہ رمضان علی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ گل خان ان کا چوکیدار تھا اور بہت اچھا آدمی تھا۔ رمضان علی رمز صاحب ملازمہ کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ شازیہ ملازم کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اور رمضان علی رمز صاحب غسل خانے میں گھس گئے۔ شازیہ نے گل خان کی لاش دیکھی اس کے جسم پر چھریوں کے آٹھ نشانات تھے۔ اور پورا جسم خون سے لہو زار بنا ہوا تھا۔ شازیہ کو چکر آ گئے۔ بمشکل تمام اپنے آپ کو سنبھالا۔ ملازموں سے کہا کہ پولیس کو ٹیلیفون کریں اور بھاگ دوڑ ہونے لگی۔ رمضان علی رمز صاحب نے شیو بنایا بڑے اہتمام سے صبح کا لباس تبدیل کیا اور ناشتے کے کمرے میں آ گئے۔ شازیہ اپنے کمرے ہی میں تھی۔ ملازموں سے انہوں نے کہا کہ ناشتے وغیرہ کا بندوبست ابھی تک کیوں نہیں ہوا۔ صورتحال چونکہ ان کے علم میں بھی آ چکی تھی۔ لیکن ان کی لاپرواہی قابل دید تھی۔ بالآخر شازیہ وہاں پہنچ گئی۔

"آپ کو ناشتے کی سوجھی ہے یہاں جان پر بنی ہوئی ہے بیچارہ گل خان۔ آٹھ وار کئے گئے ہیں اس پر چھریوں کے۔ آپ اسے دیکھنے تک نہیں گئے۔"

"بیگم یورپ میں ہم نے جو کچھ دیکھا ہے۔ اس کے بعد ایسی کوئی چیز ہمارے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔"

"پھر وہ پاگل پن کی باتیں۔ مصیبت بن جائے گی۔ یورپ میں اور یہاں میں بہت فرق ہے۔" رمضان علی رمز پر اسرار انداز میں مسکرانے لگے تھے۔ پولیس فوراً ہی پہنچ گئی تھی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد پولیس انسپکٹر ناشتے کے کمرے میں آ گیا اور اس نے رمضان علی رمز اور شازیہ رمضان علی رمز سے تعارف حاصل کیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"لاش تحویل میں لے لی گئی ہے۔ بڑی بیدردی سے آپ کے چوکیدار کو قتل کیا گیا ہے۔ آپ لوگوں کا اس سلسلے میں بیان لینا ہے۔"

"آپ ناشتہ کر چکے ہیں انسپکٹر؟" رمضان علی رمز نے پوچھا۔ اور انسپکٹر چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔

"جی ہاں شکریہ۔"

"تشریف رکھیے ایک پیالی چائے ہو جائے ہمارے ساتھ۔۔۔۔"

"آپ بہت مطمئن ہیں جناب۔ آپ کا چوکیدار قتل کر دیا گیا ہے اور آپ کے چہرے پر شکن تک نہیں ہے۔ بلکہ شاید آپ نے باقاعدہ شیو بھی بنایا ہے۔"

"ولایت میں یہ ساری چیزیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں آپ کو بڑے دلچسپ حالات کا سامنا کرنا ہوگا انسپکٹر۔ قاتل آپ کے سامنے ہے۔ لیکن آپ کو ثبوت حاصل کرنے کے لئے دانتوں پسینے آ جائیں گے۔" رمضان علی رمز نے کہا اور شازیہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ انسپکٹر نے چونک کر پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"ایک پیالی چائے پئیں ہمارے ساتھ۔ بہت کچھ سمجھا دیں گے آپ کو۔۔۔۔"

"جی نہیں میں ڈیوٹی پر ہوں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"جو کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ قاتل آپ کے سامنے ہے۔ آپ ثبوت مہیا کیجئے۔"

"کون ہے اس کا قاتل؟" انسپکٹر نے پوچھا۔ اور رمضان علی رمز صاحب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن جھکا دی۔

"خادم نے یہ قتل کیا ہے۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ہمارے خلاف ثبوت حاصل کریں۔" رمضان علی رمز صاحب نے کہا اور انسپکٹر انہیں گھورتا رہا۔ پھر خاموشی سے باہر نکل گیا شازیہ نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں کہتی ہوں تمہارا دماغ بالکل ہی خراب ہو چکا ہے۔ موت کو گلے لگانے کی فکر میں ہو۔ یہ کیا بکواس کر رہے تھے تم۔" رمضان علی رمز صاحب ہنس پڑے اور بولے۔

"بس ایسے ہی دلچسپ کھیل کھیلنا ہمارا دلچسپ مشغلہ ہے بیگم۔ اب یہ انسپکٹر ہمارے خلاف ثبوت حاصل کرے گا اور ناکام ہو کر استعفیٰ دے دے گا۔" رمضان علی رمز صاحب نے کہا۔ لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ واپس آیا۔ اور اس نے رمضان علی رمز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو۔ اور باہر لے جا کر گاڑی میں بٹھا دو۔ پولیس کانسٹیبلوں نے اپنے آفیسر کے حکم پر عمل کیا اور رمضان علی رمز صاحب جھلا کر بولے۔

"کک۔۔۔۔ کیا مطلب ہے یہ؟ کیا بدتمیزی ہے یہ؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟" لیکن انسپکٹر ہدایت دے کر باہر نکل گیا تھا۔ اسے لاش کے بارے میں تفتیش مکمل کرنا تھی۔ چنانچہ پولیس کانسٹیبل رمضان علی رمز صاحب کو کھینچتے ہوئے باہر لائے اور انہیں پولیس کی گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ شازیہ رمضان علی سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس کے۔ انسپکٹر تفتیش کرتا رہا پھر لاش اٹھوا دی گئی۔ اور رمضان علی رمز صاحب کو پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔ گھر میں تمام ملازم سہمے ہوئے تھے۔ شازیہ رمضان علی رمز خود یہاں کے معمولات سے ناواقف تھی۔ زندگی میں ایسے حالات کبھی پیش نہیں آئے تھے۔ سات سال

یورپ میں رہ کر واپس آئی تھی اور اس دوران یہاں کے تمام معاملات سے بے خبر ہوگئی تھی۔ باپ کا بھی انتقال ہو چکا تھا اور کوئی رشتہ دار بھی موجود نہیں تھا۔ بس ایک عجیب سی زندگی گزر رہی تھی۔ لیکن رمضان علی رمز کی حرکتوں سے وہ یورپ میں بھی نالاں رہی تھی۔ اور یہاں آ کر بھی رمضان علی رمز اس کے لئے مصیبت ہی بنے رہے تھے۔ پورا دن گزر گیا رمضان علی رمز کا کوئی پتہ نہیں چلا تھا۔ شازیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ شام کے تقریباً پانچ بجے تھے کہ کوئی صاحب بنگلے پر پہنچے اور انہوں نے رمضان علی رمز کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ شازیہ کو اطلاع ملی تو اس نے آنے والے کو اندر بلوایا۔ آنے والے صاحب بہت ہی نازک قسم کے آدمی تھے۔ انہوں نے شازیہ رمضان علی کو فرشی سلام کئے تو شازیہ رمضان علی نے پوچھا۔

"جی فرمایئے آپ کو رمضان صاحب سے کیا کام ہے۔۔۔؟"

"محترمہ عالیہ وہ میرے دوست ہیں۔ ہمارے درمیان شاعری کا رشتہ ہے۔ خوب کہتے ہیں چھنن چناخ پٹاخ چھنن۔۔۔واہ۔۔۔۔واہ۔۔۔واہ۔۔۔واہ۔۔۔" شازیہ نے نفرت بھرے انداز میں آنے والے صاحب کو دیکھا اور بولیں۔

"جی ہاں اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ان کے گہرے دوست ہوں گے۔ کیا نام ہے آپ کا۔۔۔؟"

"عاصی کو مضطرب کہتے ہیں۔" آنے والے صاحب نے ایک بار پھر جھک کر کہا۔

"وہ مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں اپنی حماقتوں کی وجہ سے براہ کرم آپ ہی ہماری کچھ مدد کیجئے آپ رمضان سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔"

"جی کیا ہوا میرے دوست کو۔۔۔؟" مضطرب صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"ایک قتل کے جرم میں انہوں نے اپنے آپ کو گرفتار کرا لیا ہے۔" شازیہ رمضان علی نے کہا اور مضطرب صاحب دھم سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے شازیہ کو دیکھ

رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"بخدا کچھ نہیں سمجھے ہم۔۔۔۔؟"

"ہماری کوٹھی میں ہمارے چوکیدار کو قتل کر دیا گیا اور رمضان علی صاحب نے اس قتل کی ذمہ داری اپنے شانوں پر قبول کر لی۔ پولیس انہیں تھانے لے گئی ہے۔ کوئی پتہ نہیں چل سکا اس کے بعد سے اب تک۔۔۔۔"

"اوہو۔۔۔اوہو۔۔۔۔تت۔۔۔۔تو۔۔۔تت۔۔۔تو انہوں نے قتل کر دیا۔ کیا قتل کرنے سے پہلے انہوں نے چٹکیاں بجائی تھیں۔" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"جی۔۔۔؟" شازیہ رمضان علی آنکھیں پھاڑ کر بولیں۔

"نن نہیں میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے۔ اوہو پھر۔ پھر آپ کیا کریں گی۔۔۔"

"دیکھئے ہم بڑے عذاب کا شکار ہو گئے ہیں۔ کوئی ایسا شناسا کوئی ایسا ہمدرد نہیں ہے ہمارا جو ہمارے لئے کچھ کر سکے۔ آپ اگر واقعی ان کے دوست ہیں تو ان کی مدد کیجئے۔ وہ نیم دیوانے آدمی ہیں بس خواہ مخواہ ڈینگیں ہانکنے کے شوقین۔ پولیس انسپکٹر سے بھی انہوں نے کہہ دیا کہ انہوں نے چوکیدار کو قتل کیا ہے اور اب جس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں اس سے نکلنا مشکل ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں میں کیا کروں۔" مضطرب صاحب کے ذہن میں فوراً ہی کاروبار آ گیا تھا۔ کہنے لگے۔

"میرے خیال میں آپ فوراً ہی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے رابطہ قائم کیجئے۔۔۔۔"

"جی۔۔۔۔؟" شازیہ نے پوچھا۔

"جی ہاں یہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے۔ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے چکا ہے۔ صحیح معنوں میں چٹکیاں بجاتے حقیقت حال کا انکشاف یہ ادارہ کرتا ہے۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو اس سے رجوع کریں۔"

"تو پھر آپ ہی اس سلسلے میں میری مدد کیجئے گا۔۔۔۔"

"اس وقت تو دفتر بند ہو چکا ہوگا۔ کل صبح ساڑھے دس بجے اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کو ان لوگوں کے پاس لے چلوں یا آپ خود تشریف لے آیئے۔"

"نہیں میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔۔۔۔ اب آپ ہی میری مدد کیجئے گا۔۔۔"

"تو پھر ٹھیک ہے کل دس بجے میں حاضر ہو جاؤں گا اور ساڑھے دس بجے آپ کو ان لوگوں سے ملا دوں گا۔ آپ گفتگو کر لیجئے۔ معقول معاوضے پر وہ سارے کام سرانجام دیتے ہیں۔"

"پیسوں کیا آپ بالکل فکر نہ کریں۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے اپنا۔۔۔۔؟"

"عاصی کو مضطرب کہتے ہیں۔" مضطرب صاحب نے اسی انداز میں لچک کر کہا اور شازیہ دانت پیسنے لگی پھر بولی۔

"تو پھر کل دس بجے تشریف لے آیئے آپ۔ میں ان کے لئے بے حد پریشان ہوں۔ نجانے اب کیا بنے گا ان کا؟" یہ بات تو مضطرب صاحب کو معلوم نہیں تھی کہ رمضان علی رمز صاحب کا اب کیا بنے گا؟ پتہ نہیں یہ قتل انہوں نے کیا بھی ہے کہ نہیں؟ ویسے جو گفتگو انہوں نے کی تھی اس سے یہ انداز ہوتا تھا کہ ہوسکتا ہے تقریباً انہوں نے یہ قتل بھی کر ڈالا ہو۔ دوسرے دن دفتر ہی میں سعدی ظفری اور شکیلہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور انہوں نے ساری صورتحال ان لوگوں کو بتائی تھی۔ سب کے سب آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے تھے۔

"کیا واقعی آپ سچ کہہ رہے ہیں مضطرب صاحب۔۔۔۔؟"

"جی حضور والا اور اب میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے لئے کیس لینے جا رہا ہوں۔ براہ کرم تنخواہ کے علاوہ کمیشن کا بھی خیال رکھیئے گا۔۔۔"

"جایئے جایئے ذرا بلا کر تو لایئے ان محترمہ کو۔ ویسے یار ظفری تم اگر مناسب سمجھو تو ذرا پولیس اسٹیشن جا کر رمضان علی رمز کا جائزہ تو لے لو کون سا علاقہ بتایا آپ نے مضطرب

صاحب۔۔۔؟" اور مضطرب صاحب، سعدی کو علاقے کی تفصیلات بتانے لگے۔ سعدی نے کہا۔

"تب پھر انسپکٹر۔۔۔۔۔ کے پاس چلے جاؤ۔ یقینی طور پر یہ کیس اسی کے پاس ہوگا۔" سعدی نے ظفری سے کہا اور ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یار کیس تو آ جانے دو۔ اس کے بعد جا کر دیکھ لیں گے۔ رمضان علی رمز کے ساتھ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہوگا۔" سعدی بے اختیار ہنس پڑا تھا۔ شکیلہ بھی مسکرانے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"تمہارے خیال میں کیا قتل واقعی اس نے کیا ہوگا؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔" ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر مضطرب صاحب کو دیکھ کر بولا۔

"وقت ہو رہا ہے مضطرب صاحب۔ آپ تشریف لے جایئے۔"

"بسم اللہ۔ کسی نیک کام کے لئے جاتے ہوئے خدا کا نام ضرور لینا چاہیئے۔ میرا مطلب ہے کہ رزق آ رہا ہے تو اس کا شکر ادا کرنا ہی مناسب ہوتا ہے۔"

"جائیں۔" ظفری نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔ اور مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔

رمضان علی رمز کو پولیس اسٹیشن پر اتار لیا گیا۔ اور ایک کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا گیا۔ ان کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور وہ صورتحال کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ انسپکٹر راستے ہی میں کہیں چلا گیا تھا۔ ظاہر ہے اس قتل کے سلسلے میں اسے ایس پی صاحب کو تفصیلی رپورٹ پیش کرنا تھی۔ چنانچہ تقریباً تین گھنٹے رمضان علی رمز صاحب کو اسی طرح گزارنے پڑے۔ پہلے تو ان تمام معمولات سے دلچسپی لیتے رہے اس کے بعد بے چینی کا احساس ہوا اور پھر انہوں نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"سنیئے مسٹر ادھر آیئے۔" ان کے انداز میں حکم سا تھا۔ کانسٹیبل ان کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ کوئی طریقہ کار ہے آپ لوگوں کا۔ آپ نے یورپ کے پولیس اسٹیشن نہیں دیکھے۔"

"نہیں صاحب ہم کبھی یورپ نہیں گئے۔"

"ایک چکر لگائیے وہاں کا۔ تربیت تو ہونی چاہیئے ہر محکمہ کی۔ نجانے آپ لوگ کیسے ہیں۔ یورپ میں پولیس اسٹیشن بھی انتہائی اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں۔ آپ نے مجھے اس طرح بٹھا رکھا ہے۔ کتنی دیر ہوگئی ہے مجھے یہاں بیٹھے ہوئے۔"

"بات کیا ہے صاحب۔۔۔؟ منہ سے۔"

"بھئی اب میں گھر جانا چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"یہاں کیا سیر کرنے آئے تھے؟" کانسٹیبل نے سوال کیا۔

"ایک طریقہ کار ہوتا ہے جرم کی تفتیش ہوتی ہے۔ وہ آپ کے افسر اعلیٰ کہاں ہیں۔"

انسپکٹر بھی اتفاق سے اسی وقت وہاں پہنچا تھا کافی تھکن ہوگئی تھی اسے جھلایا ہوا بھی سا تھا۔ رمضان علی رمز کے سامنے پہنچا اور بولا۔

"جی اب آپ اپنا بیان دے دیجئے۔"

"میاں کیا بیان دیں۔ تین گھنٹے سے اسی جگہ بٹھا کر رکھا ہے ہمیں۔ یہ بدتمیزی نہیں ہے کیا؟ آپ لوگوں کو غالباً صحیح تربیت نہیں ملی۔"

"جی ہاں یہی بات ہے۔ اب آپ اپنی سنائیے کیوں قتل کر دیا اس بیچارے چوکیدار کو۔۔۔"

"آپ ہی کو بتانا ضروری ہے یہ۔۔۔۔"

"ہاں بتانا تو ہمیں ہی ہوگا۔ برادرم اور اب بتا ڈالو تو زیادہ اچھا ہے۔ کیا فائدہ ڈرائنگ روم دکھا دیا جائے آپ کو۔۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔۔" رمضان علی رمز بولے۔

"قتل کیوں کیا ہے تم نے؟ کیا دشمنی تھی تمہاری اس چوکیدار سے۔۔۔؟"

"اگر یہ سب ہم نے تمہیں بتا دیا تم کس بات کی تنخواہ لو گے انسپکٹر۔ یہ تشویش کرنا تمہارا کام ہے۔"

"بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو دوست۔ چلو ٹھیک ہے کالے خان اے کالے خان۔"

انسپکٹر نے باہر رخ کر کے کسی کو آواز دی۔ اور ایک لمبا چوڑا کانسٹیبل اندر آ گیا۔

"یہ حضرت قاتل ہیں اپنے چوکیدار کو ہلاک کر دیا ہے انہوں نے۔ اور کہتے ہیں کہ تفتیش ہمیں کرنی ہے۔ چنانچہ لے جاؤ انہیں ذرا سولہ نمبر کا چھتر گھما دو اور ان سے معلوم کرو کہ انہوں نے یہ قتل کیوں کیا ہے۔۔۔۔؟"

"جی صاحب۔" کانسٹیبل نے اٹینشن ہو کر کہا اور اس کے بعد رمضان علی رمز کو لے کر اس کمرے سے باہر نکل آیا رمضان علی نے راستے میں کہا۔

"میاں یہ ہاتھ تو کھول دو۔ اور ہاں تفتیش ذرا کس طرح کرو گے۔ یہ چھتر کیا چیز ہے۔۔؟"

"بڑی عمدہ چیز ہے۔ اچھے اچھوں کی زبان کھلوا دیتا ہے سولہ نمبر کا ہے خاص طریقے سے بنوایا گیا ہے۔"

"گڈ ویری گڈ۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں پولیس کا طریقہ کار کیا ہے؟ یورپ میں تو بہت ہی انوکھے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔" پھر جب سولہ نمبر کا چھتر کالے خان کے ہاتھ میں آیا اور کالے خان رمضان علی کے سامنے پہنچا تو وہ حیرانی سے بولے۔

"یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔اس کا کیا مطلب ہوا؟ اور مطلب ان کی سمجھ میں آ گیا۔ رمضان علی رمز صاحب دھاڑ سے نیچے گرے تھے اور اس کے بعد انہوں نے نجانے کیا کیا بکنا شروع کر دیا۔ کالے خان نے صحیح طریقے سے انہیں مقامی پولیس اسٹیشنوں سے روشناس کرا دیا تھا اور رمضان علی رمز کے حواس خراب ہوتے جا رہے تھے۔ کالے خان نے ان کی ٹھیک ٹھاک ٹھکائی کی اور اس کے بعد بولا۔

"ہاں رمضان علی خان صاحب اب ذرا بتا دیجیے چوکیدار سے کیا دشمنی تھی آپ کی؟"

"نہایت نامعقول اور بداخلاق لوگ ہیں آپ۔ یورپ میں پولیس مجرموں کے ساتھ بڑا شریفانہ طریقہ اختیار کرتی ہے۔۔۔"

"وہ یورپ کی پولیس ہے۔ یہاں کی بات کریں اور بار بار یورپ کا حوالہ نہ دیں ورنہ آپ کو یہیں کھڑے کھڑے یورپ پہنچا دیں گے۔"

"بھلا وہ کس طرح؟" رمضان علی نے پوچھا۔ اور کالے خان انہیں بتانے لگا کہ اس کمرے میں یورپ کی سیر کیسے کرائی جاتی ہے۔ رمضان علی رمز کے حواس اب خراب ہوتے جا رہے تھے۔ وہ بار بار احتجاج کرتے تھے۔ لیکن یہاں صورتحال واقعی بالکل مختلف تھی۔ تب انہوں نے کہا۔

"میاں ہمارا دماغ خراب ہے کہ قتل کریں گے اور پھر اعتراف بھی کرلیں گے۔ ہم تو۔۔۔ ہم تو دراصل یہاں کی ہر شے سے روشناس ہونا چاہتے تھے سو ہم نے سوچا کہ ذرا پولیس اسٹیشن بھی دیکھ لیا جائے۔ آپ یقین کیجیے بھلا ہمارا اس قتل سے کیا واسطہ؟" لیکن یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ رمضان علی رمز نے انسپکٹر صاحب کے سامنے اقبال جرم کیا تھا۔ اور اب انہیں وہی بیان یہاں بھی دینا تھا۔ چنانچہ وقفے وقفے سے انہیں یورپ کی سیر کرائی جانے لگی۔ اور وہ بری طرح نڈھال ہو گئے۔ لیکن یہ سب کچھ انہوں نے خود ہی خود پر مسلط کیا تھا۔ اب بھلا اس سے چھٹکارا اتنی آسانی سے تو نہیں مل سکتا تھا۔

مضطرب صاحب شازیہ کو ساتھ لئے ہوئے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچ گئے۔ سعدی ظفری اور شکیلہ نے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔ شازیہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد اس نے اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔

"میرے شوہر بس خبطی قسم کے آدمی ہیں۔ انہیں ڈینگیں مارنے کا شوق ہے۔ ہر شعبے

سے اپنے آپ کو متعلق ظاہر کر دیتے ہیں۔ شعر و شاعری کا شعبہ ہو تو وہ خود کو بہت بڑا شاعر ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ میٹرک فیل ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو سات زبانوں کا ماہر کہتے ہیں ایک بھی زبان صحیح طریقے سے نہیں آتی۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ۔۔۔ کہ۔۔۔۔" شازیہ خاموش ہو گئی۔

"لیکن آپ لوگوں کا تعلق کہاں سے ہے۔۔۔؟"

"کافی عرصے پہلے میری شادی ہوئی تھی اور میں رمضان علی رمز کے ساتھ لندن چلی گئی تھی۔ وہاں ہم لوگوں نے طویل عرصہ گزارا۔ میرے والد نے کافی جائیداد میرے نام چھوڑی تھی۔ پھر ہم لندن سے یہاں واپس آ گئے اور یہیں رہنے لگے۔ ابھی ہم نے کسی قسم کے کاروبار کا آغاز نہیں کیا تھا۔ بس جائیداد کی آمدنی آ جاتی ہے۔ اور اچھی خاصی گزر بسر ہو جاتی ہے۔ ویسے بھی میں رمضان علی پر بھروسہ نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ فضول قسم کے آدمی ہیں۔ یہ سارا مسئلہ بھی انہوں نے بس ڈینگیں ہانکنے کے لئے اپنے سر لے لیا ہے۔ خدا کے لئے آپ ان کی زندگی بچا لیجیے۔ کہیں قتل کے الزام میں پھانسی پر ہی نہ لٹک جائیں۔ بہت ہی احمق قسم کے آدمی ہیں۔ میں۔۔۔ میں آپ کا بے حد شکریہ ادا کروں گی اگر آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں تو۔۔۔"

"محترمہ ہماری فیس پچیس ہزار روپے ہوتی ہے۔ اگر آپ یہ رقم ادا کر سکتی ہیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔ کام باقاعدہ ہو جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ مالی مشکلات کا شکار ہوں تو آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔"

"نہیں نہیں یہ پچیس ہزار میں اپنے ساتھ لائی ہوں۔ لیکن آپ فوری طور پر کچھ کیجیے۔ بات کہیں آگے نہ بڑھ جائے۔" پچیس ہزار روپے کے نوٹ ظفری کے حوالے کر دیئے گئے اور تینوں شازیہ کے سامنے بیٹھنے لگے۔ بھلا اب کیا مجال تھی کہ اس کیس میں کسی قسم کی ٹال مٹول کی جاتی۔ فوراً ہی تیاریاں کی گئیں۔ پولیس اسٹیشن کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ انسپکٹر جاوید وہاں کا انچارج تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے شازیہ بیگم کو ساتھ لے کر پولیس اسٹیشن ہی کا رخ

کیا گیا۔ مضطرب صاحب دوستی بھی نبھا رہے تھے کمیشن مل جانے کی امید بھی تھی۔ چنانچہ وہ سب سے پیش پیش تھے۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے کے بعد باقی لوگوں کو تو باہر ہی بٹھا دیا گیا سعدی اور ظفری انسپکٹر جاوید سے ملے انسپکٹر جاوید ان کا شناسا تھا۔ بہت عرصے سے ان لوگوں کا پولیس افسران سے واسطہ رہتا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔

"کہیے حضرات ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیسا چل رہا ہے۔۔۔؟"

"یار بس تم لوگوں کی دعائیں چاہئیں اور تعاون بھی۔۔۔"

"ہم نے تو کبھی انکار نہیں کیا۔ کوئی خاص بات ہے۔۔۔؟"

"ہاں۔ رمضان علی رمز۔" ظفری نے جواب دیا اور انسپکٹر ہنس پڑا۔

"جانتے ہو اسے۔۔۔؟"

"اچھی طرح۔۔۔"

"تو پھر یہ کیا چیز ہے یار۔۔۔؟ اپنی سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔"

"ایک احمق اور خبطی سا آدمی جسے ڈینگیں مارنے کا شوق ہے۔۔۔"

"لیکن اس کی کوٹھی میں قتل ہوا ہے اور اس نے چھوٹتے ہی اپنے قاتل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔۔۔"

"تم خود سوچو انسپکٹر جاوید کوئی قاتل اس طرح آسانی سے ایک اعتراف کر لیتا ہے۔۔۔؟"

"ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن تفتیش تو کرنی ہی ہے کام چل رہا ہے۔۔۔"

"بس اسی سلسلے میں تھوڑی سی تفصیلات مجھے چاہئیں۔ ویسے وہ خود اب کیا کہتا ہے۔۔۔؟"

"اب تو ٹھیک ہو گیا ہے۔ ابتداء میں اس نے سب کو یورپ دکھایا تھا۔ بعد میں ہم نے

اسے ڈرائنگ روم دکھا دیا۔" انسپکٹر جاوید نے کہا اور ہنس پڑا۔

"ارے باپ رے مار لگائی ہے۔۔۔؟"

"ایسی ویسی۔۔۔ دیکھ لو ذرا۔۔۔"

"نہیں یار براہ کرم اب اسے ہاتھ نہ لگانا۔ بیوقوف آدمی ہے تمہیں خود بھی اندازہ ہوگا اس نے یہ اعتراف کر کے اپنے آپ کو کسی مصیبت میں ڈال لیا ہے۔ ویسے گل خان چوکیدار کے قتل کے بارے میں کچھ اور تفصیلات معلوم ہو سکیں۔۔۔؟"

"ہاں تھوڑی بہت۔۔۔ ایس آئی ایک ڈیرے پر گیا ہے۔ کچھ معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کی رپورٹ کا انتظار ہے۔ گل خان کے کچھ شناسا ایک ڈیرے پر رہا کرتے ہیں۔ ٹرک اڈہ ہے۔ جہاں اس کے کچھ جاننے والے رہتے ہیں۔ ایس آئی کی رپورٹ ملی تو تمہیں اطلاع دوں گا۔ لیکن فی الحال یار اسے چھوڑنے کے لئے مت کہنا۔ میں نے ایس پی صاحب کو بھی اس کے بارے میں رپورٹ دے دی ہے۔"

"ملا دو ذرا۔۔۔"

"مل لو۔ لاک اپ میں ہے۔" انسپکٹر جاوید نے کہا۔ شازیہ کو بھی ساتھ لے لیا گیا تھا۔ تمام ہی لوگ تھے۔ شازیہ نے رمضان علی رمز کو دیکھ کر ایک دلدوز چیخ ماری۔ رمضان علی رمز کا چہرہ مختلف زاویوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور اس وقت وہ درحقیقت بڑے اسرار و رموز کا شکار نظر آ رہے تھے۔ مضطرب صاحب کو دیکھ کر انہوں نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"مسٹر مضطرب عجیب ہے یہ آپ کا دیس بھی۔ اس کے لئے کوئی شعر یاد نہیں آ رہا اور یہ پولیس ہے۔ یہ تو قصائیوں کا اڈہ ہے۔ میاں ہمیں یہاں سے نکال لے چلیے۔ ایک تازہ غزل سنائیں گے آپ کو۔۔۔"

"آپ فکر نہ کریں رمضان علی رمز صاحب ہم سب کوشش کر رہے ہیں۔ ویسے آپ

نے اس قتل کا اعتراف کیوں کرلیا؟" رمضان علی رمز صاحب نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن ہونٹ سوجے ہوئے تھے۔ اس لئے عجیب عجیب شکلیں بننے لگیں بولے۔

"بس ایک تجربہ تھا۔ لیکن بہتر نہ ثابت ہوا۔ خیر دیکھیں گے وقت کیا کہتا ہے؟" ان لوگوں کو تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ شازیہ کی آنکھوں میں مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے کہا۔

"تقدیر میں یہ سب کچھ بھی لکھا تھا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔"

"آپ مطمئن رہیں شازیہ بیگم اب یہ ذمہ داری ہماری ہے اور یہ وعدہ بھی کیا جاتا ہے آپ سے کہ رمضان علی رمز صاحب کو مزید کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"ہائے کمبختوں نے مار مار کران کا تو ڈیزائن ہی بدل دیا ہے۔" شازیہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

"اب انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ لیکن گل خان کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات آپ سے بھی درکار ہیں۔" وہ سب رمضان علی رمز کی کوٹھی پر پہنچ گئے اور پھر گل خان کے بارے میں شازیہ بیگم سے تفصیلات معلوم کی جانے لگیں۔ سعدی اور ظفری اب اپنے کام کے لئے سنجیدہ ہوگئے تھے۔ گل خان کے کمرے کی تلاشی نہیں لی جا سکی تھی کیونکہ پولیس نے اسے سیل کر دیا لیکن شازیہ بیگم سے جو تھوڑی بہت تفصیلات معلوم ہوئی تھی انہیں پر کام کرنے کے لئے سعدی اور ظفری نکل کھڑے ہوئے۔ مضطرب صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ جبکہ شکیلہ کو شازیہ بیگم کے پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔

رمضان علی رمز کو جس حال میں دیکھا گیا تھا اس سے شازیہ بیگم بڑی بے چین ہوگئی تھیں۔ ان کے گالوں پر بار بار آنسو لڑھک آتے تھے۔ پیشانی پر ہاتھ مار مار کر آہیں بھر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔

"ہائے ابا تم مر گئے میرے لئے مصیبتیں ہی مصیبتیں چھوڑ گئے۔ اب دیکھو کتنے واپس آتے ہیں کہاں کہاں ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے ارے کچھ تو دیکھ لیتے ابا یوں میری تقدیر تو نہ پھوڑتے۔"

"بیگم صاحبہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ آخر رمضان علی رمز صاحب نے اس قتل کی ذمہ داری کیوں قبول کر لی؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ان کی بات نہ کرو بہن، صدر امریکہ قتل ہوئے تھے تو ہر ایک سے یہی کہتے پھر رہے تھے کہ یہ قتل انہوں نے کیا ہے۔"

"آخر کیوں۔۔۔؟"

"ارے اب کیا بتاؤں؟ تم اس ادارے میں کیا کرتی ہو۔۔۔؟"

"لیڈی ایڈوائزر ہوں۔"

"کیا واقعی آپ لوگ رمضان علی رمز کو بچا لیں گے۔۔۔؟"

"اگر وہ گل خان کے قاتل نہیں ہیں تو آپ اطمینان رکھیں ہم لوگ انہیں بچا لیں گے۔"

"رمضان علی کسی کو قتل کریں گے؟ شیو کرتے وقت گال پر چرکہ لگ جائے تو بے ہوش ہو جاتے ہیں۔"

"مگر انہوں نے اس قتل کا اعتراف کیوں کیا۔۔۔؟"

"دیوانے ہیں جھوٹ بولنے کا شوق پاگل پن کی حد تک ہے۔ آہ ان کے جھوٹ نے تو مجھے برباد کیا۔"

"میں بھی نہیں بیگم صاحبہ۔۔۔؟"

"کیا بتاؤں تمہیں بہن۔۔۔۔ کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟"

"شکیلہ۔۔۔۔"

"ہاں شکیلہ بہن غلطی ابا کی بھی ہے۔ خود تو قبر میں جا کر سکون سے مر گئے اور مجھے۔۔۔"

"ہوا کیا تھا۔۔۔۔؟"

"اماں مرحومہ دولت کی چمک میں بینائی کھو بیٹھی تھیں۔ خود ایک غریب گھرانے کی خاتون تھیں ابا کھاتے پیتے تھے شادی ہوئی تو اماں کی آنکھیں پھٹ گئیں دولت دیکھ کر دیوانی ہوگئیں اوقات سے بڑھ کر حرکتیں کرتی رہیں سارے غریب رشتہ داروں کو بھول گئیں کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی تھیں۔ میں اکلوتی تھی ساری دنیا کے چونچلے کر ڈالے میرے لئے۔ جوان ہوئی تو رشتے آنے لگے انسانوں ہی کے رشتے تھے ایک سے ایک پڑھا لکھا عالی نسب مگر اماں کسی شہزادے کی تلاش میں تھیں رشتے آتے رہے اور وہ انہیں ٹھکراتی رہیں لوگ کہنے لگے عارفہ بیگم پاگل ہوگئی ہیں۔ یہ پاگل پن بڑھتا رہا۔ رشتے آنا بند ہوگئے۔ کہیں ذکر بھی ہوتا تو لوگ کہتے کہ اس گھر میں رشتہ لے جانا ذلیل ہونا ہے۔ مگر اماں کو ہوش نہ آیا۔ بیمار ہوئیں۔ مر گئیں۔ میری عمر بڑھتی گئی۔ لوگ مجھ سے میرے بچوں کے بارے میں پوچھنے لگے یہاں شادی ہی نہیں ہوئی تھی۔ ابا اشتہار بازی پر اتر آئے اب صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا تھا۔ جہیز بھی بہت کچھ دینے پر راضی تھے۔ شازیہ بیگم نے گہری سانس لی اور خاموش ہوگئیں۔

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟"

"رشتہ آ گیا۔۔۔۔"

"کس کا۔۔۔۔؟"

"رمضان علی رمز کا۔۔۔۔"

"اشتہار کے جواب میں۔۔۔۔"

"ہاں۔ بتایا گیا کہ لڑکا لندن میں رہتا ہے۔ کاروبار کرتا ہے اپنا ہوٹل کھول رکھا ہے۔"

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟"

"شادی ہوگئی اور رمضان علی لاکھوں روپے نقد کا جہیز لے کر مجھے لندن لے گئے۔ کچھ دن ہوٹل میں رکھا ہنی مون مناتے رہے پھر اوقات کھلی۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"لندن میں ہوٹل تھا مگر مکان نہیں تھا۔ تین دوستوں کے ساتھ ایک گندے سے کمرے میں رہتے تھے۔ بعد میں مجھے بھی وہیں لے گئے ایک آدمی کم کر دیا گیا اور مجھے اس کی جگہ دے دی گئی۔ کیا بتاؤں بہن کیا زندگی گزاری دو سال تک۔ اسی جہنم میں گزارا کیا' کیا زندگی تھی وہاں کی بھی' ابا کو خط میں کبھی نہ لکھا کہ کیسے گزر بسر ہو رہی ہے' ہمیشہ رمضان علی سے تقاضا کرتی رہی کہ کوئی ڈھنگ کا فلیٹ خرید لو یا اپنے ہوٹل ہی میں لے چلو' مگر کبھی ہوٹل نہ لے گئے' کچھ شک ہوا وہ بھی پورے دو سال کے بعد' ایک دن رمضان علی کا پیچھا کرتی ہوئی ان کے ہوٹل پہنچی' اے بہن کیا بتاؤں دیکھ کر دل کی کیا حالت ہوئی' سڑک کے کنارے چھتری لگی ہوئی تھی' جس کے نیچے ٹین ڈبے سجے ہوئے تھے' وہاں کی زبان میں یہ پب کہلاتے ہیں' رمضان علی ایک پب کے مالک تھے اپنے اعلیٰ پائے کے فائیو اسٹار میں پہنچے کپڑے اتار کر ایپرن باندھا' برتن صاف کرنے لگے' چائے بنائی' چیزیں سنبھال کر رکھنے لگے اور پھر کھڑے ہوئے اس چھتری کے نیچے' گاہکوں کے انتظار میں' یہ تھا ان کا ہوٹلنگ کا کاروبار' وہاں اس شان سے پہنچے تھے جیسے لندن کے شہزادے ہوں' شاہی خاندان سے براہ راست رابطہ ہو' یہ ہوتا ہے بہن چمک دمک دیکھنے کا نتیجہ' دل خون ہو کر رہ گیا' باپ بوڑھے تھے' کیا خبر دیتی انہیں' کچھ پیسے منگوائے یہ کہہ کر کہ رمضان علی کو کاروبار میں گھاٹا ہوا ہے' کچھ رقم لگانی ہے ابا نے فوراً بھیج دیئے اور ان پیسوں سے ایک ایسی رہنے کی جگہ خرید لی جہاں سر چھپایا جا سکے' یہاں اللہ کا دیا سب کچھ موجود تھا اور وہاں جانوروں کی سی زندگی گزار رہی تھی' لیکن

گزارا کیا' ابا میاں نے کئی بار لندن آنے کی کہی مگر میں نے انہیں ہمیشہ منع کر دیا اور کہا کہ میں خود آ رہی ہوں اسی طرح ٹالتی رہی' بھرم رکھنا چاہتی تھی ان رمضان علی کا' زمانے بھر کے جھوٹے' دنیا بھر سے تعلقات تھے ان کے' کبھی کسی لارڈ کے ہاں دعوت میں جا رہے ہیں تو کبھی کسی اعلیٰ سرکاری عہدے دار کے ہاں تقریب میں اور جب بھی پیچھا کیا چند لفنگے دوستوں کے ساتھ کبھی ساحل پر بیٹھے ہوئے پایا اور کبھی کسی چھوٹے سے بار روم میں شراب پیتے ہوئے' یہ ہیں رمضان علی خان ڈوبیگئے اور یہ ہے انکی دلیری' بس بہن گزارا کیا' مشرقی لڑکی ہر حال میں جیتی ہے اور پھر میرا تو خانہ خراب میرے والدین نے کیا تھا' اپنی غلط سوچوں کی بنیاد پر' پھر بھی باپ کو دکھ دینا مناسب نہ سمجھا' یہاں تک کہ بیچارے مر گئے اور اس کے بعد میری قوت برداشت بھی جواب دے گئی۔ میں نے کہا دیکھو رمضان علی' وطن واپس چلو ورنہ پھر میرا تمہارا ساتھ چھوٹ جائے گا' نجانے کیا کیا جتن کئے اور یہاں لے آئی' یہ مکان خریدا' کاروبار ہے' جائیداد ہے' اللہ کا دیا سب کچھ چھوڑ گئے ہیں میرے ابا مگر ساتھ میں رمضان علی رمز کو بھی چھوڑ گئے ہیں' جن کی باتیں مجھے ہی برداشت کرنا پڑتی ہیں' نجانے کس کس سے کیا کیا کہہ دیا کرتے ہیں۔ اے ہر فن مولا ہیں۔ شعر و شاعری کی بات کرو تو بہت بڑے شاعر' پتہ نہیں کہاں کہاں سے اوٹ پٹانگ شعر اٹھا لاتے ہیں' سائنس کی بات کرو تو ان سے بڑا سائنسدان اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہے' نجانے کیا کیا ایجادات کر ڈالی ہیں' پہلے خلائی اسٹیشن کا مشورہ انہوں نے ہی حکومت امریکہ کو دیا تھا اور وہ لوگ ان کا آئیڈیا لے دوڑے' کبھی طب کی بات کرو تو ان سے بڑا ڈاکٹر نہیں' نجانے کیا کیا الا بلا خرید لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر مرض کی دوا ان کے پاس ہے مگر اپنے مرض کی کوئی دوا انہیں نہ ملی۔'' شکیلہ کے پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے مگر بات اتنے غمناک انداز میں کہی جا رہی تھی کہ ہنسنے کا موقع نہیں تھا' بیگم صاحبہ روتے ہوئے کہنے لگیں۔

''اور اب مصیبت میں پھنس گئے ہیں' ارے ان سے بڑا قاتل بھلا کون ہو سکتا ہے؟

ان سے بڑا جاسوس بھی لندن میں کوئی نہیں تھا' سینکڑوں مسئلے چٹکیاں بجاتے حل کر دیئے' قتل تو انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' مکھی ماری نہیں زندگی میں' کہیں کوئی کیڑا نکل آئے تو پلنگ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجھے آوازیں دے کر کہتے ہیں ذرا جھاڑو لانا کیڑا مارنا ہے' جھاڑو بھی لے آؤں تو کیڑا خود نہیں مار سکتے بھلا وہ کسی کو کیا قتل کریں گے؟''

''بیگم صاحبہ کوئی ایسا اشارہ جس سے گل خان کے قتل پر روشنی پڑ سکے۔۔۔؟''

''کیا کہوں بہن؟' میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔ گل خان چوکیدار کافی دن سے ہمارے ہاں ملازم تھا' کبھی کبھی جاننے والے آتے جاتے رہتے تھے۔ بیچارہ سیدھا سادھا شریف آدمی تھا' کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ کوئی اسے قتل بھی کر سکتا ہے۔''

شکیلہ کافی دیر تک بیگم صاحبہ سے باتیں کرتی رہیں اور پھر انہیں تسلی دے کر وہاں سے واپس چل پڑی تھی' لیکن کوئی فیصلہ کرنا مشکل کام تھا۔

ادھر سعدی اور ظفری پچیس ہزار روپے حلال کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے' مضطرب صاحب نے اپنے کمیشن کا مسئلہ الگ پیش کر دیا تھا' یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی' بہت سوچ بچار کیا اور سوچتے رہے کہ رمضان علی رمز کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے' ایک بار پھر انسپکٹر جاوید کے پاس جانا ہوا تھا' انسپکٹر جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اب وہ بے وقوف آدمی بھوں بھوں کر کے رو رہا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔''

''کیا جانتا ہے۔۔۔؟'' ظفری نے پوچھا۔

''یہ ایک بار بھی نہیں بتایا۔۔۔''

''اور کوئی خاص بات۔۔۔؟''

''شاعر بھی ہے اسلئے سیدھے اشعار سنا رہا تھا' ویسے کالے خان سے جان نکل رہی ہے

وہ تو شاید یہاں مشاعرہ ہی کر ڈالتا اگر میں کالے خان کو اس کی کوٹھری کے سامنے ڈیوٹی پر تعینات نہ کر دیتا' رو رو کر اشعار پڑھ رہا ہے۔۔۔"

"یار اب مار پیٹ مت کرنا بالکل ویسے وہ قاتل نہیں ہے' ہم لوگ بھی کوشش کریں گے کہ اصل قاتل ہاتھ آ جائے۔۔۔"

"ایس آئی' ٹرک اڈے پر معلومات حاصل کرنے گیا تھا مگر کوئی پتہ نہیں چل سکا' گل خان کے کچھ شناسا وہاں موجود ہیں' لیکن ایسی کوئی بات کسی طور پر پتہ نہیں چل سکی جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ اس کا قاتل کون ہے؟' خاص طور سے ایک آدمی ہے گلاب خان جس سے ہمیں معلومات حاصل کرنا تھیں وہ اس وقت موجود نہیں ہے غالباً رات تک آئے گا' ہوسکتا ہے کچھ اور معلومات حاصل ہو ہی جائیں۔" ظفری نے سعدی کی طرف دیکھا اور سعدی نے ظفری کو آنکھ مار دی۔ تھوڑی دیر وہ انسپکٹر جاوید کے پاس بیٹھے رہے اور اس کے بعد اسے مزید ہدایات دے کر باہر نکل آئے۔ ظفری نے کہا۔

"گلاب خان کو تو جانتے ہو نا تم۔۔۔؟"

"ہاں بھئی وہی جو پہلے بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے ہاں ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم تھا۔۔۔"

"ہاں اور بعد میں انہوں نے اسے ایک ٹرک انعام میں دیا تھا کسی واقعے کے بعد۔۔۔"

"بالکل وہی۔۔۔"

"میری یہاں ٹرک اڈے پر بھی اس سے ملاقات ہو چکی ہے۔ دو تین بار' بہت اچھا آدمی ہے۔۔۔"

"ہوسکتا ہے گل خان کے بارے میں کچھ اس سے پتہ چل جائے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے چلیں ٹرک اڈے۔۔۔؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں چلتے نہیں ہوسکتا ہے وہ آ گیا ہو۔۔۔"

دونوں وہاں سے چل پڑے' بیچارے رمضان علی رمز کے بارے میں اُن کے دل میں بڑی ہمدردیاں تھیں' چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ ٹرک اڈے پہنچ گئے' یہاں کا ماحول ان کا شناسا تھا' بڑے بڑے ہوٹل جن میں چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں' بنچیں بچھی ہوئی تھیں' لوگ کھانے پینے میں مصروف تھے' زور زور سے پشتو گیت بج رہے تھے اور کہیں کہیں سے مستانہ وار چیخیں سنائی دے جاتی تھیں' گلاب خان کے دفتر کے بارے میں ان دونوں ہی کو معلوم تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گئے' دور ہی سے گلاب خان انہیں نظر آ گیا تھا' دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف لپکا اور ان دونوں کو اپنی بغل میں رکھ لیا۔

"ارے ارے گلاب خان پسلیاں توڑ ڈالو گے کیا' کہو کیا حال ہیں تمہارے۔۔۔؟"

"ٹھیک ہوں یار' تم لوگ ادھر کیسے آ گیا' ٹرک پر کوئی مال بک کرانا تھا کیا۔۔۔؟"

"نہیں گلاب خان' ہم تمہاری تلاش میں آئے تھے۔۔۔"

"ارے تو پھر آؤ بیٹھو یار' میرے دفتر میں چلو' ابھی چینک منگاتا ہے۔۔۔" گلاب خان نے کہا اور ان دونوں کو ساتھ لئے ہوئے اپنے دفتر میں جا بیٹھا۔ اس نے زور سے آواز لگائی۔

"اوئے راول خاناں' ابی جاؤ یارا ہمارا دوست آیا ہے' ابی اس کے واسطے چینک لاؤ بڑھیا والا۔۔"

"کہو گلاب خان' کیسا چل رہا ہے تمہارا ٹرک۔۔۔؟"

"خدا کا فضل ہے بھائی صاحب' ابی بیگم صاحب نے میرے اوپر جو مہربانی کیا' میں ان کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا' میرے پاس اب دو ٹرک ہو گیا اور ابی تیسرا ٹرک کا بات چیت چلتا ہے۔۔۔"

"تھوڑے دن کے بعد تو تم بہت دولت مند ہو جاؤ گے گلاب خان۔۔۔"

"یارا دوستوں کا دعا چاہیے دولت بہت ہے ہمارے پاس۔۔۔" گلاب خان نے کہا اور پھر بولا۔

"ابی تم بولتے تھے کہ ہمارے پاس کسی کام سے آیا' کوئی خاص بات ہے کیا۔۔۔؟"

"ہاں گلاب خان' ایک بہت اہم بات ہے۔۔۔"

"تو یارا بولو' ابی گلاب خان کا سر حاضر ہے تمہارے واسطے۔۔۔"

"گلاب خان' گل خان نامی کسی آدمی کو جانتے ہو تم۔۔۔" ظفری نے پوچھا اور گلاب خان چونک پڑا' اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اٹھ کر سامنے کا دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

"ابی یار' کیسا بات کیا تم نے' تم گل خان کو کیسے جانتا ہے۔۔۔؟"

"تو کیا تم گل خان کو جانتے ہو۔۔۔؟"

"ایک گل خان کو تو ہم جانتا ہے جو بیچارہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا' جوان آدمی تھا' ابی کونسا اس کا عمر تھا' بہت شریف آدمی تھا مگر خانہ خراب لوگ نے اسے قتل کر دیا۔" سعدی اور ظفری کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے وہ چونکی نگاہوں سے گلاب خان کا چہرہ دیکھنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

"اسی گل خان کی بات کر رہے ہیں ہم گلاب خان۔۔۔"

"یارا اپنے ہی وطن کا باشندہ تھا' ابی تم کو کیا بتائے ہم کو اس کے بارے میں سن کر کتنا دکھ ہوا۔۔۔"

"تمہیں اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔۔۔ گلاب خان۔۔۔؟"

"یارا' اور کا چکر بہت لمبا چلتا ہے' ابی ہمارا خاندانی دشمنی کے بارے میں تو تم لوگوں نے سنا ہی ہوگا' پشتوں چلتا ہے' نسلیں خراب ہو جاتا ہے' خدا جانے یہ سلسلہ کب ختم ہوگا' اس سلسلے میں تو خانہ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔"

"گلاب خان' گل خان کہاں رہتا تھا۔۔۔؟"

"یارا' ہمارے کو صحیح بات نہیں معلوم' کسی گھر میں چوکیداری کرتا تھا۔۔۔"

"اور اسے قتل کر دیا گیا۔۔۔"

"ہاں' بس یہ ہم کو معلوم ہوا کہ وہ شامل خان اس سے اپنا دشمنی وصول کر لیا۔۔۔"

"شامل خان کون ہے۔۔۔؟"

"ابی وہی تو تمہارے کو بتانے جاتا تھا' شامل خان' روزہ خان کا بھتیجا ہے۔۔۔"

"اور یہ روزہ خان کون ہے۔۔۔؟"

"وہ سامنے بورڈ دیکھو' روزہ خان کا بورڈ لگا ہوا ہے' اس کا پاس چھ ٹرک ہے۔۔۔"

"اوہو' شامل خان اس کا بھتیجا ہے۔۔۔؟"

"ہاں' ابی تھوڑا دن پہلے ملک سے واپس آیا' ہمارے کو تو معلوم نہیں تھا' ہمارا ایک کلینر ہے اس سے شامل خان کا دوستی ہوا' شامل خان نے کلینر کو بولا کہ وہ دشمنی لینے اور آیا ہے اور گل خان کو قتل کرے گا۔"

"اوہو' شامل خان نے یہ بات کہی اس سے۔۔۔؟"

"ہاں' ابی ہم نے کوئی توجہ نہیں دیا' مگر گل خان کے بارے میں ہمیں تشویش تھا' ہم یہ سوچتا تھا کہ اگر ہمارے معلوم ہو جائے کہ گل خان کدھر ملازم ہے تو ہم اس کو بولے کہ وہ اور سے بھاگ جائے' پر یارا ہم بھی مصروف آدمی ہے' پتہ نہیں چلا کہ گل خان کدھر نوکری کرتا ہے' پھر شامل خان لگا رہا اور ہم نے پچھلی رات اس کو واپس آتا ہوا دیکھا' یارا اس کا لباس خون میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ سیدھا روزہ خان کے پاس آیا تھا' روزہ خان آج صبح اس کو اپنے ٹرک کے ذریعے نکال دے گا' یہ بات ہمارے کو پتہ چل چکا ہے۔۔۔"

"شامل خان نے گل خان کو قتل کیا ہے۔۔۔"

"کتنی بار بولے یار' کتنی بار بولے تمہارے کو۔۔۔؟"

"شامل خان ہے کہاں۔۔۔؟"

"روزہ خان کے اڈے پر' ابی تھوڑی دیر پہلے ہم اس کو اور دیکھا وہ دوسرا کپڑا پہنے ہوئے تھے۔۔۔"

"ہوں' مگر تم اس بات کو دعوے سے کہہ سکتے ہو گلاب خان۔۔۔؟"

"یارا دعویٰ ہمارے پاس نہیں ہے' ابی ہمارے پاس کوئی دعویٰ نہیں' ہم تم کو جو بولا' تمہارا سمجھ میں آئے ٹھیک ہے نہ سمجھ میں آئے تو ابی ہم خود کوئی دشمنی نہیں مول لے سکتا۔۔۔"

"گلاب خان' تم ہمیں شامل خان کی صورت دکھا سکتے ہو۔۔۔؟"

"ابی کیسے دکھا سکتا ہے یار؟' ابھی اور دیکھو' وہ دیکھو دیکھو تمہارا تقدیر اچھا ہے' وہ شامل خان ہے' وہی ہے شامل خان۔۔۔" انہوں نے ایک لمبے چوڑے آدمی کو دیکھا جو بہت عمدہ قسم کے شلوار سوٹ میں ملبوس ایک طرف سے آ رہا تھا۔

"یہ ہے شامل خان' روزہ خان کا بھتیجا۔۔۔"

"ہوں' ٹھیک ہے گلاب خان تمہارا بے حد شکریہ۔۔۔ ظفری تم چلے جاؤ میں یہاں موجود ہوں۔۔۔" ظفری نے سعدی کو اشارہ کیا' دونوں باہر نکل آئے' تب سعدی نے ظفری سے کہا۔

"فوراً اس سلسلے میں انسپکٹر جاوید سے رابطہ قائم کرو باقاعدہ پولیس فورس کے ساتھ آنا ہے' انسپکٹر جاوید کو یہ بھی بتانا کہ اسمگلنگ کا کچھ مال بھی پکڑا جا سکتا ہے۔" سعدی نے یہ بات صرف اس لئے کہہ دی تھی کہ انسپکٹر جاوید کو خود بھی اس کارروائی سے کوئی دلچسپی پیدا ہو جائے' ویسے بھی یہ ساری کارروائی ایک طرح سے ہوائی حیثیت رکھتی تھی' لیکن ظفری نے کچھ اس طرح انسپکٹر جاوید کو روزہ خان کے اڈے پر چھاپہ مارنے کے لئے آمادہ کیا کہ انسپکٹر جاوید خود بھی اس کے لئے پوری طرح تیار ہو گیا۔

سعدی نے البتہ' رات کے تقریباً ایک بجے تک ان لوگوں کا انتظار کیا اور وہیں وقت گزارتا رہا' اس نے شامل خان کو روزہ خان کے اڈے ہی میں جاتے ہوئے دیکھا تھا' گویا روزہ خان نے اپنے بھتیجے کو اسی جگہ رکھا تھا' رات کے ایک بج کر دس منٹ پر پولیس نے روزہ خان کے اڈے کا محاصرہ کر لیا اور اتنی تعداد میں وہاں چھاپہ مارا گیا کہ روزہ خان کے اڈے سے کسی کو بھی نکلنے کا موقع نہیں مل سکا' ظفری اور سعدی کی نشاندہی پر شامل خان کو گرفتار کر لیا گیا' لیکن ایک حیران کن بات یہ بھی ہوئی کہ سعدی نے جو اطلاع انسپکٹر جاوید کو بھجوائی تھی وہ بھی بالکل درست ثابت ہوئی' اسمگلنگ کا کافی سامان روزہ خان کے اڈے سے برآمد ہوا تھا' جسے اندرون ملک بھیجا جانے والا تھا اور اس طرح روزہ خان کو بھی گرفتار کرنا پڑا' شامل خان کو گرفتاری کے بعد پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا تھا' یہاں تلاشی کے دوران اس کے خون آلود کپڑے بھی حاصل کر لئے گئے تھے اور یہ ایک بہترین ثبوت تھا' اس قتل کے سلسلے میں' بعد میں گل خان کے خون کا جو نمونہ حاصل کیا گیا تھا وہی خون شامل خان کے لباس پر بھی پایا گیا' شامل خان نے بڑی دلیری سے اس بات کا اعتراف کر لیا تھا کہ وہ اپنی خاندانی دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے گل خان کو قتل کرنے آیا تھا اور اب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے' چنانچہ اسے اپنی گرفتاری کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

بیچارے رمضان علی رمز کی رہائی تو اسی وقت عمل میں آ گئی تھی' جب یہ بات شامل خان نے تسلیم کی تھی کہ وہ گل خان کا قاتل ہے' سعدی' ظفری' شکیلہ اور مضطرب صاحب ہی رمضان علی رمز کو لے کر ان کے گھر پہنچے تھے اور شازیہ بیگم نے ان لوگوں کا دلی شکریہ ادا کیا تھا' مضطرب صاحب نے کہا۔

"حضور قبلہ' رمضان علی رمز صاحب ہم نے تو اپنی دوستی نباہ دی۔۔۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔" رمضان علی رمز نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا آپ کیا اچھی طرح جانتے ہیں۔۔۔؟" مضطرب صاحب نے کسی

قدرے بے چینی سے کہا اور شازیہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔

''آپ محسوس نہ کریں مضطرب صاحب یہ ان کا تکیہ کلام ہے۔۔۔''

''جی ہاں' میں اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔'' مضطرب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا' سعدی' ظفری اور شکیلہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے تھے۔

وہاں سے رخصت ہو گئے' مضطرب صاحب نے بڑے نیاز مندانہ انداز میں کہا۔

''حضور اب تو میں کمیشن کا حقدار ہو چکا ہوں۔۔۔''

''اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔'' سعدی آنکھیں نکال کر بولا اور مضطرب صاحب نے شرما کر گردن جھکا لی۔